ماہنامہ

فاران

کراچی

ایڈیٹر:- ماہر القادری

جلد ۱۷ | جنوری سنہ ۱۹۶۵ء | شمارہ ۱۰

ترتیب

مقام اشاعت :- دفتر ماہنامہ "فاران" کیمبل اسٹریٹ کراچی ۲

چندہ سالانہ :- سات روپے | پبلشر:- مسرور حسین | قیمت فی پرچہ :- باسٹھ پیسے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نقشِ اوّل

جمہوریت اور سیاست کا اصول یہ ہے کہ پہلے جماعتیں اور پارٹیاں وجود میں آتی ہیں، وہ تھوڑی بہت مدت تک ملک و قوم کی خد
انجام دے کر عوام کی ہمدردیاں حاصل کرتی ہیں، اس کے بعد عوامی طاقت کے سہارے ملک کے نظم و نسق کی باگ ڈور سنبھالتی ہیں اور حکومد
اقتدار اُن کے قبضہ میں آجاتا ہے ـــــــ مگر پاکستان میں یہ گنگا الٹی بہائی گئی ہے، یہاں اس ترتیب کو اُلٹ دیا گیا ہے ـــــــ یہ تم کی پ
اور ہمدردی و مقبولیت کے ذریعہ نہیں بلکہ فوجی طاقت کے سہارے اقتدار حاصل کیا گیا، پھر اقتدار کے ایما پر ایک جماعت وجود میں آئی، جس
"کونشن مسلم لیگ" رکھا گیا۔ اس پارٹی کا اب تک اس کے علاوہ اور کوئی کارنامہ عوام کے سامنے نہیں آیا کہ ہر مسئلہ اور معاملہ میں حکومت واقتد
کرے، اُن کی ہاں میں ہاں ملائے اور حکومت کی بڑی سے بڑی بے عنوانی اور زیادتی پر بھی کونشن کے رہنماؤں کی زبانوں سے لبیک اور سمعنا و
کی صدائیں بلند ہوں! صوبائی اسمبلیوں اور مرکزی پارلیمنٹ میں کونشن مسلم لیگ کے ارکان و وابستگان اور نمائندوں کا جو کردار رہا ہے و
سامنے ہے ایسے ایسے قابلِ اعتراض قوانین جو جمہوریت کے بنیادی اصولوں سے ٹکراتے ہیں اور کتاب و سنّت کے منشا اور مزاج اور دین کی اس
خلاف ہیں، اُن تک کی تائید ان "کونشنیوں" نے کی ہے!

یہ واقعہ نہ تو کوئی راز ہے اور نہ اس میں مبالغہ کی ایسی کوئی بات ہے جو محض زیبِ داستان کے لئے بڑھا دی جاتی ہے، پاکستان کے گ
کے شاہد ہیں کہ اسمبلیوں کے انتخابات میں جو لوگ کونشن لیگ کے نمائندوں کی حیثیت سے منتخب ہوئے ہیں، ان میں کتنے ایسے سرمایہ دار ہیں جنہوں نے
کھلے خزانے خریدا ہے اور اس طرح ملک کے معاشرے کو لالچی، بددیانت اور ضمیر فروش بنانے کی کوشش کی ہے! اس انتخاب کے بعد دوسرا مرحلہ پچھلا
بنیادی جمہوریت کے الیکشن کا گزر چکا ہے، ان انتخابات میں ہارس ٹریڈنگ کا جو شرمناک کاروبار ہوا ہے، جائز ووٹروں کو جن میں شریف عورتیں بھی
جس جس طرح پریشان اور بے عزت کیا گیا ہے، حزبِ اختلاف کے کارکنوں پر کھلے بندوں حملے ہوئے ہیں، جن میں لاٹھی، پتھر اور چاقو آزادی کے س
کئے گئے ہیں، اس غنڈہ گردی نے کونشن لیگ کے لئے عوام میں عزت و محبت کا اگر کہیں کوئی مقام باقی رہنے بھی دیا ہے تو اُس کا حال برسات میں
دیوار جیسا ہے، عوام نے اس طوفانِ بدتمیزی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اس لئے بڑے آدمیوں کے نیم سرکاری بیانات پڑھ کر عوام اپنی آنکھوں کو
جھٹلا سکتے!

یہ بالکل سامنے کی بات اور کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کسی سماجی پروگرام، دینی مقصد اور قومی و سیاسی نصب العین کے تحت کونشن لیگ
نہیں آئی، یہ حکومت و اقتدار کے ایما پر قائم ہوئی ہے، اس لئے منطقی، قدرتی بلکہ نفسیاتی طور پر اس کے ارکان کی ذاتی غرض، مالی منفعت اور ماد
کے بغیر حکومت کا ساتھ نہیں دے سکتے! اس پارٹی کے ارکان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ان میں سے نہ جانے کتنے لوگ کاروباری پرمٹوں، تجارتی لا

نغمہ کے دوسرے ذرائع میں ملوث پائے جائیں گے! ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہ بعض سرمایہ دار حکومت کی خوشنودی کے لئے تواضع کرتے رہتے ہیں!
سے بنیادی جمہوریت کے اس انتخاب میں کسوں نے اپنی جیبیں بھری ہیں اور وہ انتخابات میں ہار کر بھی مالی اعتبار سے جیت میں رہے ہیں۔
ایسے اغراض کے بندے اور مرغانِ بادنما جس حکومت کے حامی، مددگار، موید اور پشت پناہی کرنے والے ہوں اس حکومت کو کسی معجزہ کے ذریعہ
ہ میسر آسکتا ہے! اس کردار و ذہنیت کے افراد پر جہاں کہیں، جو کوئی بھی حکومت بھروسہ کرے گی، اسے پچھتانا پڑے گا! جہاں ذاتی اغراض ہوں
کسی محسن کی خاطر ایثار و قربانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنے کردار و ضمیر کی قیمت وصول کی ہے۔

یہ صحافت !!

اخبارات ملک وقوم کے ذہن وفکر کی تربیت کرتے ہیں۔ ان سے لوگ بہت کچھ سیکھتے ہیں اور ان کی رائے کا اثر اندازن محسوس کیا جاتا ہے! مگر جب سے حکومت نے پریس آرڈیننس نافذ کیا ہے اور پریس ٹرسٹ قائم کرکے بعض اخبارات کو اپنی تحویل میں لیا
ت سے عوام کا اعتماد اخباروں پر سے اٹھ گیا ہے۔ یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں یہ ہمارا اپنا حسن ظن اور قیاس نہیں ہے بلکہ بعض اخبارات نے
یعت کا اعتراف بلکہ انکشاف کیا ہے! یہ کتنے دکھ اور شرم کی بات ہے، خاص طور سے ملک کے اہل قلم اور دانشوروں کے لئے تو یہ صورت حال بہت
لک المیہ ہے! پاکستان کی صحافت کو پست اور نامعتبر بنانے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے، حکومت پر، عوام پر یا اخبارات پر! یہ کتنی بڑی بے دلی
ریب آئی ہے، یہ کس قدر الم ناک بے تدبیری ہے جس سے صحافت کو دوچار ہونا پڑا ہے۔

آپ ہی اپنے ذرا لطف وکرم رہ؟ کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ب ولہجہ !

"متحدہ حزب اختلاف شیطانی طاقتوں کی ٹولی ہے"
"حیدرآباد میں انتخابی ادارہ کے ممبروں سے صدر ایوب کا خطاب" (روزنامہ جنگ کراچی ۵ دسمبر ۶۴ء)

جو لوگ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کی جگہ محترمہ فاطمہ جناح کو صدر بنانے کے لئے جدوجہد کر رہے ہوں وہ صدر محترم کو "شیطان" نظر آئیں گے تو
" دکھائی دیں گے۔ پاکستان کی سب سے بڑی اونچی کرسی پر بیٹھ کر، اس سے اترنا اور کسی دوسرے کے لئے کرسی چھوڑ دینا، جیسے کھیلتے کس طرح گوارا ک
، احزب اختلاف، تو یہ جرأت کس طرح ہوئی، خوفناک انقلاب کی دھمکی سننے کے بعد بھی ان سرپھروں کی ہمتیں پست نہیں ہوئیں اور ان کے جذبات
ھیں پڑے! خیر . . . . . . اگر . . . . مگر!

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

یہ ایک نمونہ تھا "نطق ہمایونی" کا! ۱۷ دسمبر کا روزنامہ "حریت" (کراچی) ہمارے سامنے ہے، اس کے پہلے ہی صفحہ پر یہ عبارت نظر سے گزری

"شہدادپور۔ ۱۶ دسمبر! (حریت نیوز سروس) صدر ایوب نے آج یہاں انتخابی ادارہ کے منتخب اراکین سے خطاب
کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مودودی پاکستان کے نظریہ کے خلاف تھے، اور قائداعظم کی مخالفت کیا کرتے تھے، لیکن
جب پاکستان بنا، تو پٹھان کوٹ سے بھاگنے والوں میں سب سے پہلے مولانا مودودی بھاگے جو اپنے جوتے بھی چھوڑ آئے انہوں نے
کہا کہ مولانا مودودی منافقانہ باتیں کرتے ہیں، **اگر وہ کسی دوسرے ملک میں ہوتے تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے!**

صدر ایوب نے کہا جب کشمیر میں جنگ جاری تھی تو اُس وقت مولانا مودودی نے کہا تھا کہ یہ جہاد نہیں ہے اور جو آدمی بھی اس جنگ میں مارا جائے گا وہ کتے کی موت مارا جائے گا ۔ . . . . .

ہم جیسے ٹٹ پونجیوں کی کیا مجال جو اس شریفانہ لب ولہجہ اور خسروانہ اندازِ بیان پر نقد و تبصرہ کی جرأت کرسکیں، کیا ہمیں اپنی زندگی کی چین آرام عزیز نہیں ہے ! واقعی پاکستان کے عوام بڑے بزدل، ناسمجھ، کودن و غبی اور بے غیرت واقع ہوئے ہیں کہ مولانا مودودی کو زندہ چھوڑ دیا ہے ۔ پار سال جماعتِ اسلامی کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں جب مولانا مودودی تقریر کررہے تھے، اُس وقت چند غیرت مندوں نے البتہ پستول سے اپنی غیرت اور فراست کا ثبوت دیا تھا، مگر . . . . ! اے بسا آرزو کہ خاک شدہ !

پاکستان کے محترم صدر کی اس باخبری کے قربان جائیے کہ مولانا مودودی کے بارے میں اتنی جزئیات تک کا انہیں پتہ ہے کہ پٹھان کوٹ کی آبادی میں جس شخص نے سب سے پہلے راہ فرار اختیار کی وہ مودودی تھا اور وہ جوتے چھوڑ کر ننگے پاؤں وہاں سے بھاگ چھوٹا ! کاش ! اس کا بھی انکشاف فرما دیا جاتا کہ مودودی صاحب کے چھوڑے ہوئے جوتے کس ہندو یا سکھ کو پہننے کو ملے ! ہوسکتا ہے کہ بھارت کی حکومت نے مولانا مودودی کے جوتے تبرک سمجھ کر نیلام کردئے ہوں ! حسب گفتنو یہ رنگ ہو کہ مولانا مودودی کی ڈاڑھی اور جرثومہ تک ۔ بات پہونچ جائے تو کوئی کچھ بھی تو کیا کیجئے

مگر آں کہ اغریبم و تو دست گاہ داری

پاکستان کی مخالفت اور کشمیر کے بارے میں جن الزامات کا مولانا مودودی کو ذمہ دار ٹھیرایا گیا ہے یہ سب چھپے ہوئے کارتوس ہیں جن الزامات کی اتنی بار پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ تردید کی جاچکی ہے کہ ایسی باتیں سُن کر عوام و خواص سب کی ہنسی نکل جاتی ہے ! جن اشخاص نے محترم صدر کے کانوں تک یہ باتیں پہونچائی ہیں، اُن سے صدر صاحب کو ثبوت طلب کرنا چاہیے، اگر وہ ثبوت دے دیں تو مودودی واقعی ملامت کے نہیں . . ناک سزا کے مستحق ہیں اور اگر ثبوت نہ دے سکیں تو پھر ایسے غلط گو مخبر اور داستان گو سزا وار احتساب ہیں ۔

اختلاف وعناد

متحدہ محاذ نے جب محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتِ حکومتِ پاکستان کی امیدواری کے لئے منتخب کیا ہے اس وقت مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی کے اکابر جیلوں میں تھے ! جماعتِ اسلامی کے جو نمائندہ محاذ کے مشاورتی جلسوں میں شریک تھے وہ محاذ کے دوسرے رہنماؤں کے ساتھ محترمہ کی کوٹھی پر اجازت و رضامندی حاصل کرنے اور درخواست کرنے کے لئے نہیں گئے ! اُن کے سامنے سیاست اور جمہوریت کے تقاضوں سے بڑھ کر اسلام کی تعلیمات اور دینی اصولوں کی حفاظت و سربلندی کا سوال تھا، عورت کی امارت کے معاملے میں امیرِ جماعت مولانا مودودی کی برسوں پہلے کی تحریر بھی اُن کے سامنے تھی جس میں بے تنک عورت کو سیاسی میدان میں لانے اور امیر و حاکم بنانے کی شدت سے مخالفت کی گئی ہے ! اور ان سب سے بالاتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک تھا ! جماعتِ اسلامی کے نمائندوں نے اس کی پروا نہیں کی کہ عوام اُن کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے . متحدہ محاذ والے پہلے ہی قدم پر اُن کی روش سے بدظن ہوجائیں گے یا خود محترمہ فاطمہ جناح جماعتِ اسلامی کے نمائندوں کو مبارک باد دینے والوں کی صف میں نہ پاکر برا اثر قبول کریں گی ! وہ اہلِ علم اور اربابِ فکر سے اس مسئلہ میں مشورہ اور گفتگو کرتے رہے، وہ واقعی دھندلکے میں تھے جہاں چھٹ پٹا سا تھا، کچھ اُجالا، کچھ اندھیرا ! ٹھیک اسی زمانے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اور علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ کی تحریر انہیں مل گئی جس نے دھندلکے کو روشنی دی اور بروقت رہنمائی کی، پھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور دوسرے علماء اور اربابِ فکر سے مشورہ کیا، اسلا

اور فقہ کے ماہرین و اکابر علماء کی اس مسئلہ میں بحث و گفتگو اور احکام و آراء دیکھے ! جب انہیں پوری طرح اطمینان اور انشراح صدر ہو گیا
بت و اسلام اور ملک و ملت کی بہتری کے لئے ان غیر معمولی حالات میں محترمہ فاطمہ جناح کی صدارت گوارا کی جا سکتی ہے، تو جماعت اسلامی نے اپنے
اعلان کر دیا ! اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جیل سے رہا ہو کر جماعت کے اس فیصلہ کی توثیق کر دی !

جماعت اسلامی کا آج بھی یہی مسلک اور عقیدہ ہے کہ غیر محرم مرد و زن کا اختلاط اخلاق کے لئے موجب فساد ہے، عورت کی کارگاہِ عمل
پنا گھر ہے اور پردہ عورت کی عصمت و عفت کا محافظ ہے، عورت کی امارت و حاکمیت کو دین میں پسند نہیں کیا گیا ! محترمہ فاطمہ جناح کی
، کا موقف ناگزیر صورتِ حال اور غیر معمولی حالات میں گوارا کیا گیا ہے " اہون البلیتین " کے تحت ! دو شخصیتوں میں سے ایک کو منتخب کرنے
ملہ ہے ایک طرف مرد ہے جس کے دورِ حکومت کا تجربہ ہو چکا ہے کہ اس نے نہ کسی منکر کو مٹایا اور نہ کسی معروف کو قائم کیا بلکہ اُس کے زمانے میں
اخلاق و قانون اور دینی روایات کی جو دھجیاں اور جراحتیں میسر آئی ہیں، دوسری طرف ایک عورت ہے جو جمہوریت کی بحالی اور اسلامی قانون کے
وعدہ کرتی ہے ! اور اس کے میدانِ عمل میں آتے ہی ملک میں آزادی کی لہر دوڑ گئی ہے ! محترمہ موصوفہ نے جب سے یہ کہا ہے کہ میں پاکستان
ب پر پابندی لگا دوں گی، لوگ پوچھنے لگے ہیں کہ گھوڑ دوڑ کی شرط اور کلب گھروں کی قمار بازی کا کیا حشر ہوگا ؟ لوگوں کی عام گفتگو میں کسی
حد تک اخلاقی رنگ پیدا ہو گیا ہے اور لوگ اس انداز پر سوچنے لگے ہیں کہ محترمہ فاطمہ جناح کے دورِ صدارت میں جمہوریت کی بحالی کے ساتھ دین
کی قدریں اُبھر کر ۔۔۔۔۔

جا کے بن جائیں گی اوراقِ حکومت پہ شکن

اس مسئلہ میں بعض دوسرے علماء اور اربابِ فکر بھی وہی رائے رکھتے ہیں جس کا اعلان جماعت اسلامی نے کیا ہے، آج ۰ ہر دسمبر کا روزنامہ
" راقم الحروف کے سامنے ہے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا ایک بیان شائع ہوا ہے : ۔۔۔۔

" ۰ اردسمبر ۔ مولانا مفتی محمد شفیع نے صدارتی انتخاب کے سلسلہ میں اپنے فتویٰ کے ضمن میں کہا ہے کہ ملتان شہر سے
ایک خط میں مجھ سے سوال کیا گیا تھا کہ کیا وزارتوں، سفارتوں، عدالتوں میں عورت کی تقرری اسلامی نقطۂ نگاہ
سے عین اسلامی ہے ؟ کیا اسلامی حکومت کا قاضی القضاۃ غیر مسلم ہو سکتا ہے ؟ اگر ان باتوں کا جواب نفی میں ہے تو حقیقت
پسندی اور دور اندیشی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محترمہ فاطمہ جناح کی نامزدگی کو غیر اسلامی کیوں قرار دیا جاتا ہے ؟
اس کے جواب میں میرے (یعنی مفتی محمد شفیع صاحب کے) یہ الفاظ تھے : ۔۔۔۔

" بحالات مندرجہ سوال اُمیدوار عورت کی حمایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں "

جس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ دو امیدواروں میں سے جب کوئی بھی شرعی شرائط پر پورا نہیں اترتا تو ایسے
مواقع پر فقہا کے اس مسلّمہ ضابطہ پر عمل ہونا چاہئے، جو یہ ہے کہ جب آدمی دو بلاؤں میں مبتلا ہو جائے تو اس پہلو کو
اختیار کر لینا چاہئے جسے ہلکا سمجھے یہ معاملہ فتویٰ کا نہیں بصیرت و تجربہ کا ہے، جس کو کوئی شخص اپنی بصیرت و تجربہ
سے نیک نیتی کے ساتھ ملک و ملت کے لئے دوسرے کی نسبت غنیمت سمجھے اُس کو ووٹ دے سکتا ہے "

اسی اخبار میں مشرقی پاکستان کے علماء کی اپیل شائع ہوئی ہے : ۔۔۔۔

" ڈھاکہ ۰ اردسمبر ۔ آج علماء کانفرنس نے جو صوبہ کے بارہ مذہبی رہنماؤں نے طلب کی تھی، انتخابی ادارہ کے ارکان

سے کہا ہے کہ وہ صدارتی انتخاب میں محترمہ فاطمہ جناح کو ووٹ دیں، کانفرنس نے ایک قرارداد میں کہا ہے کہ مکمل جمہوریت اور اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے موجودہ حکومت کو تبدیل کیا جانا چاہئے، علماء نے خاندانی منصوبہ بندی کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا، رویت ہلال کمیٹیاں قائم کرنے پر حکومت کے خلاف نکتہ چینی کی اور اسلامی مشاورتی کونسل کی نئی تشکیل پر زور دیا مولانا اطہر علی نے اپنے صدارتی خطبہ میں انتخابی ادارہ کے ارکان سے

کہاکہ **وہ اسلام کی خاطر فاطمہ جناح کو ووٹ دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"**

مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے کتنے بہت سے علماء اور مفتی صاحبان ہیں جو محترمہ فاطمہ جناح کی صدارت کو جائز و مباح سمجھتے ہیں، اہل حدیث نے فاطمہ جناح کی صدارت کے جواز و عدم جواز کے بارے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن اُن کی خاموشی سے یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ اگر محترمہ فاطمہ جناح کی صدارت حرام و ناجائز ہوتی تو وہ سکوت ہرگز اختیار نہ فرماتے۔ اُن کا سکوت اس امر کی دلیل ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح کی صدارت ان کے نزدیک ناجائز و حرام نہیں ہے! اس سلسلہ میں جو تحریریں اکابر اہل حدیث کی شائع ہوئی ہیں، اُن سے محترمہ فاطمہ جناح کی صدارت کی جانب ہی رجحان کا پتہ چلتا ہے وہ کتنا ہی نازک و خفیف کیوں نہ ہو۔ یہ ہمارا قیاس نہیں ہے کراچی کے ایک ممتاز اہل حدیث عالم نے ہم سے یہ بات کہی اور اس نکتہ کی طرف باتوں باتوں میں اشارہ کر دیا۔

ہم باور نہیں کر سکتے کہ یہ علماء جن میں بعض سے ہم ذاتی طور پر واقف ہیں اور جن کی دیانت، علمی تبحر اور ورع و تقویٰ سب کے نزدیک مسلم ہے، دین و شریعت کے معاملہ میں اتنے مستاہل بلکہ غافل ہو گئے ہوں کہ ایک حرام چیز کو انہوں نے جائز و مباح ٹھیرا دیا ہو! انہوں نے یہ فتویٰ کسی دباؤ کے تحت بھی نہیں دیا ان میں سے کوئی عالم متجدد اور فقہی مسائل میں آزادی پسند بھی نہیں ہے بلکہ بعض اہل علم اور صاحبان افتاء تو تقلید اور اسلاف کی پیروی کے معاملہ میں بڑے متشدد اور بے لچک واقع ہوئے ہیں! یہ عجیب انصاف ہے کہ جو حضرات عورت کی حاکمیت و امارت کے مسئلہ میں دوسرا نقطۂ نگاہ رکھتے ہیں انہوں نے دوسرے تمام علماء اور مفتیوں کو چھوڑ کر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو نشانۂ ملامت بنا رکھا ہے اور انہی کی تنہا ذات پر طنز و استہزاء کی چاند ماری ہو رہی ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں مولانا مودودی کو ملاحیاں سنانے سے پہلے مولانا اشرف علی تھانوی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی تحریروں کی تردید کرنی چاہیے تھی اور ان بزرگوں پر سب سے پہلی فرد جرم لگانی چاہیے۔

مولانا حکیم محمد اشرف صاحب مدیر اعلیٰ "المنبر" (لائل پور) جماعت اسلامی سے قطع تعلق کرنے کے بعد جماعت اور مودودی کی تذلیس و تضحیک اور رسوائی کے درپے ہو گئے ہیں۔ "المنبر" کے فائل اس کے گواہ ہیں کہ انہوں نے جماعت اور مولانا مودودی کی مخالفت کو شعار بنا لیا ہے۔ دشمنی کی انتہا ہے کہ پاکستان میں جب مارشل لگا تھا تو حکیم صاحب موصوف نے مخبری فرمائی تھی اور فوجی حکومت کو متوجہ کیا کہ جماعت اسلامی کو ختم کر دیا گیا مگر اس کا ادارہ مطبوعات اب تک باقی ہے اور فعال و کارگزار ہے! اس موقعہ پر حکیم صاحب بھلا چوک جاتے؟ انہوں نے جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی کو بدنام کرنے میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور وہ سب کچھ کیا جو اُن کے جذبۂ بغض و عداوت کے شایان تھا، لائل پور کا روزنامہ "وفاق" جو حکیم صاحب کا ہم مشرب اور ان کا حاشیہ نشین ہے، اس نے بھی جماعتِ اسلامی اور مولانا کی مخالفت کا حق ادا کر دیا! اب رہے مولانا امین حسن اصلاحی صاحب تو ایک طرف اُن کے مزاج کی شدت، تیزی اور جھلاہٹ ہے اور دوسری طرف حکیم محمد اشرف صاحب جیسے معاندین جماعت اور دشمنان مودودی سے اُن کا گہرا ربط و ضبط ہے، وہ خاموش بھی رہنا چاہیں تو یہ حضرات انہیں رہنے نہیں دیتے ہیں، مولانا اصلاحی صاحب نے ماہنامہ "میثاق" میں طنز و استہزاء اور استخفاف کا جو انداز اختیار فرمایا ہے وہ ان کے علمی مرتبہ سے بہت گرا ہوا

! یہ ۔نگ اور اسلوب بیان ایسا ہے جیسے جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی نے محترمہ فاطمہ جناح کی تائید و حمایت کرکے دین کی بیخ کنی
علام پر خدا نخواستہ قیامت نازل ہو گئی ہے اور یہی وہ اصول تھا جس کے ارد گرد پورا دین گردش کرتا تھا جس کے ٹوٹ جانے سے دین کی ساکھ
یت معاذ اللہ باقی نہیں رہی، جماعتِ اسلامی کی مخالفت میں مرکزِ اقتدار کی جو قصیدہ خوانی اور بھٹئی انہوں نے اپنے مضمون میں کی ہے ۔
مانا اصلاحی صاحب کی تحریر کو اور زیادہ بے وقعت بنا دیا، جماعت اور مولانا مودودی کے خلاف غضب و غصہ کے جھاگ ہیں کہ دہن خا
ہر رہے ہیں ۔

مولانا اصلاحی صاحب کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ عورت کی حاکمیت و امارت کا مسئلہ دین میں کوئی شک نہیں ناپسندیدہ ہے جس کے لیے
قوم" جیسے الفاظ زبانِ رسالت سے سنے گئے ہیں، مگر پاکستان جن نازک اور غیر معمولی حالات سے اس وقت گزر رہا ہے، اس کے پیشِ نظر
سربلندی کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کی تائید کو گوارا کیا گیا ہے! اور اس معاملہ میں مولانا مودودی ہی منفرد نہیں ہیں، مشرقی و مغربی پاکستان
ت سے علماء ہیں، جن کا وہی موقف ہے جو مودودی صاحب اور جماعتِ اسلامی کا موقف ہے، ایک فقہی مسئلہ جس میں علماء کے درمیان اختلاف ہو
یہ کفر و اسلام اور حق و باطل کا مسئلہ ہو سکتا ہے، کیا اس کی اباحت کو دین کی بیخ کنی اور شریعت کی پامالی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے! مولانا موصوف
ت میں جماعتِ اسلامی سے اختلاف اُس لب و لہجہ میں بھی کر سکتے تھے جو دشمنوں کا نہیں ناصحوں کا لہجہ ہوتا ہے! مگر افسوس ہے اُن کی تحریر کا تو
جیسے جماعتِ اسلامی کی تذلیل و تحقیق کے لئے وہ تاک میں بیٹھے تھے اور اس موقعہ کو انہوں نے غنیمت سمجھ کر اور حاصلِ مراد و امید جان کر جماعت
پنے ترکش کے تمام تیروں کی بوچھار کر دی! کوئی شک نہیں مولانا اصلاحی صاحب بلند پایہ مفکر عالمِ دین ہیں مگر انہوں نے جماعت کے خلاف طنز و
جو "رنگِ خاص" اختیار کیا ہے، اُسے جو کوئی پڑھ لے گا تو وہ جماعتِ اسلامی اور مودودی کے بارے میں مولانا اصلاحی صاحب کے احتساب
کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا! کہ اعلانِ حق ہی کی کوشش میں لکھنے والا حق گوئی کے تقاضے اور واقعی تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھ سکا۔

برہان (دہلی)، میثاق (دیوبند) سہ روزہ مدینہ (بجنور) اور مولانا محمد اسحٰق سندیلوی نے اپنی تحریروں میں دوسرے علماء اور مفتیوں
مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی ہی پر گرفت کی ہے، ان ناقدین نے اس مسئلہ میں پاکستان کے غیر معمولی حالات کی اہمیت اور ضرورت کو
سے نہیں دیکھا، جس نگاہ سے مفتی محمد شفیع، مولانا اطہر علی، مولانا شمس الحق فریدی، مولانا مصلح الدین، مولانا محمد چراغ اور دوسرے متعدد علماء
ہے اور جس کا انہیں تجربہ ہے! اور سب سے بڑی حیرت تو اس پر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم سید مہدی حسن صاحب دینی مصالح کی
ن کی حاکمیت کو مباح قرار دیتے ہیں" اسی دینی درسگاہ کے مجلہ "دارالعلوم" کے ایڈیٹر صاحب مولانا مودودی کو اپنی عادت کے مطابق خوب جلی کٹی
اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے فتوے کو دانستہ نظر انداز کر جاتے ہیں۔

نفسِ مسئلہ پر اگر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی، مولانا عامر عثمانی مجلہ "تجلی" (دیوبند) میں عورت کی حاکمیت کے
کچھ لکھ چکے ہیں کہ دل و دماغ کسی خاص جماعت اور فرد کی دشمنی میں مبتلا نہ ہوں تو حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ مولانا موصوف نے جماعت
ناقدین و معترضین کی ایک ایک دلیل کا جواب دیا ہے، جب بحث چھڑ گئی ہے تو ہم بھی چند اشارات گزارش کی صورت میں پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں
سامنے کی بات یہ ہے کہ اگر کسی گھر میں آگ لگ رہی ہو اور اس گھر کی عورتوں کی جانیں بچانے کا سوال ہو تو نامحرم مردوں اور خود ان عورتوں کے لئے
باب اور لمسِ بدن کے مسئلہ اصول و ضوابط میں وقتی طور پر کیا کسی نرمی کی اجازت نہیں دیتے؟ عام حالات میں حجاب، غضِ بصر اور نامحرم مرد و زن
پ و اختلاط کی جو پابندیاں ہیں کیا وہ ان ہنگامی حالات میں بالکل جوں کی توں رہیں گی! پاکستان میں بھی ہنگامی اور غیر معمولی صورتِ حال کے تحت

محترمہ فاطمہ جناح کی تائید کو گوارا کیا گیا ہے۔ کسی بہت بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے وقتی طور پر چھوٹی مصیبت کو قبول کرنا یہ بھی شریعت ہی ...ل ہے ایک طرف عورت کے حاکم ہونے کی قباحت ہے، دوسری طرف دین و شریعت کی مسلمہ قدروں کی پامالی ہے، دین کی قدروں کی پامالی سے بچنے ... عورت کے حاکم ہونے کی قباحت کو اگر قبول کر لیا جائے تو دین کے ساتھ یہ خیر خواہی ہوئی یا دشمنی! پھر اس "قباحت" کا تکدر کم ہو جاتا ہے جب کہ آئـ... ...نقلاب کے بعد عورت کی حیثیت مطلق العنان آمر اور خود مختار بادشاہ کی نہیں ہوگی بلکہ اس کے اختیار و اقتدار اور مزاج و طبیعت میں مردوں کی مشو... ...رے کا بہت کچھ دخل ہوگا!

جماعت اسلامی (پاکستان) کی مجلس شاورت نے محترمہ فاطمہ جناح کی تائید و حمایت میں جو اعلان شائع کیا ہے اس کی یہ عبارت کس قدر احتـ... ...ـیاط کے احترام ... آل اندیشی پر مشتمل ہے:-

"اصل شرعی قاعدہ علیٰ حالہٖ قائم ہے اور موجودہ غیر معمولی حالات میں اس طرح کا
کوئی فیصلہ آئندہ کے لئے نظیر نہ ہوگی"

یہ کیا ہو رہا ہے

... دسمبر کو ... امیدواروں کے تعارف کے لئے ... میں جلسہ منعقد ہوا تھا، اس میں صدر محترم فیلڈ مارشل محمد ...خان نے ارشاد فرمایا ——

"پاکستان میں بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات جس وسیع پیمانے پر اور اس طرح شاندار طریقہ سے ہوئے ہیں
کہ ایسے اچھے انتخابات تو خلفاء راشدین کے عہد میں بھی نہیں ہوئے تھے" (نوائے وقت ۔ .. دسمبر)

...انتخابات میں جعلی ووٹنگ ہوئی ہو، بعض مقامات پر ووٹ خریدے گئے ہوں، پولیس کی دھونس اور دھاندلی جہاں شریک کار رہی ہو جن میں غنڈہ... ...گردی کی مزاحمت کرنے کی کھلی چھوٹ مل گئی ہو، ان انتخابات کو خلفاء راشدین کے عہد مبارک کے مقدس انتخابات سے تشبیہ بلکہ ترجیح دینا کتنی بڑی جسارت ... سے فکر و خیال اور انداز بیان سے کیا خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی اہانت کا پہلو نہیں نکلتا؟ —— مولانا امین احسن اصـ... ...ـر دلول شریف صاحب اپنے ممدوح کے لب و لہجہ اور انداز گفتگو کو دیکھ رہے ہیں۔ حکومت و اقتدار کا نشہ جب اتنا تند و تیز ہو جائے ... کہ اخلاق و انسانیت اور تہذیب و شرافت کی بھلائی کے لئے اس کا اتار ضروری ہو جاتا ہے!

کم کن ز کبر و ناز کہ دیدست روزگار
چین قبائے قیصر و طرفِ کلاہ کے

ماہر القادری

۲۰ دسمبر ۶۴ء

علامہ عبداللہ حقانی
مہتمم مدرسہ جامع العلوم ملتان

دعوتِ اتّحاد

حمد و ثنا کے بعد ——— اہل علم بزرگوں کی اس مجلس میں اپنے خیالات کا اظہار — جسارت نہیں بلکہ تعمیل فرمان ہے ۔

علمار کا مقام

علمار کا مقام درحقیقت بہت ہی بلند ہے یہاں تک کہ وہ عبادت گزاروں اور شب زندہ داروں سے بھی بلند ہیں ——— حدیث شریف میں ہے :-

فقیہہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد — دین کا ایک سمجھ دار عالم ہزاروں عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے شیطان لعین پر۔

ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو صحابہ دو ٹولیوں میں بیٹھے تھے ۔ ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا تھا اور دوسرا اللہ کی کتاب پڑھ — ما دونوں نے آپ کو اپنی اپنی طرف بلایا آپ نے فرمایا ۔

بعثنی اللہ معلماً فجلس فیھم — اللہ نے مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے یہ کہہ کر آپ تعلیم کا کام کرنے والوں میں بیٹھ گئے ۔

علما ہی خدا کو جانتے اور ڈرتے ہیں ۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء — بندگانِ خدا میں سے خدا سے ڈرتے ہیں تو یہی عالم لوگ ۔

اور وہی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور ہدایتوں کو سمجھتے ہیں ۔

وَمَا یَعْقِلُھَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ — انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے ۔

ن کا مقام اس لئے بلند ہے کہ ان کی اصلاح سے امت کی اصلاح ہے اور ان کے بگاڑ سے پوری امت کا بگاڑ ۔

الا ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء — سنو کہ سب سے بڑا شر شریر علماء ہیں اور سب سے بڑا خیر اچھے علماء ہیں

علماء چونکہ اللہ کا اقتدار قائم کرنے کے لئے کام کرتے ہیں اور جب تک اللہ کا نام لیا جاتا ہے قیامت نہیں آئے گی اس طرح حاصل وہ پوری کائنات کی جا- کے ضامن ہیں اس لئے دنیا کی ایک ایک چیز عالم کے لئے مصروف دعا ہے ۔

عن ابی امامۃ الباھلیؓ قال ذکر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجلان احدھما عالم والاخر عابد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — ابو امامہ باہلی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جن میں سے ایک عالم تھا اور دوسرا عبادت گزار تو آپ نے فرمایا عالم کا مقام ایک عابد

فضل العالم على العابد كفضلى على ادناكم ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله و ملئكته واهل السموات والارض حتى النملة فى جحرها وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير و ان الملائكة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم

اتنا ہی بلند ہے جتنا تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی سے میرا اپنا مقام بلند ہے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور زمین و آسمان کی ساری مخلوق لوگوں کو خیر سکھانے پڑھانے والے کے لئے دعا اور رحمت کرتی ہے یہاں تک کہ وہ چیونٹی بھی جو بل میں ہے اور وہ مچھلی بھی جو پانی میں ہے اور فرشتے علم کے طلبگار کی رضا جوئی کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

ساچونکہ دنیا کو نیکی سکھانے والے ہیں اس لئے سب کی نیکیوں میں ان کا حصہ ہے اور ساری دنیا کی بھلائیوں میں ان کا بہرہ۔

من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها ومن سن سنة سيئة فعليه وزرها و وزر من عمل بها

جس نے کچھ اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کو لئے اپنا اجر بھی ہے اور ان کے اجر میں حصہ بھی جنہوں نے اس پر عمل کیا اور جس نے کسی بُرے طریقے کا آغاز کیا تو اس پر اپنا گناہ بھی ہے اور ان کے گناہوں کا ایک حصہ بھی جو اس برائی کو اپنائیں گے۔

ماء کا جہاں مقام اتنا بلند ہے وہاں ان کی ذمہ داریاں بھی بہت زیادہ ہیں اور ان سے جو جواب طلبی ہونے والی ہے وہ بھی نہایت کٹھن ہے۔ وہ اگر اس لئے پڑھے اور پڑھایا کہ لوگ انہیں عالم کہا کریں تو جہاں غیر مخلص مجاہد اور سخی سے بازپرس ہوگی وہاں وہ عالم دین بھی نہ بچ سکے گا۔

وما كنت تقرأ الا ليقال انك قارئ فقد قيل ثم امر به فسحب الى النار

تو تو اس لئے پڑھتا تھا کہ لوگ تجھے علامہ کہیں سو وہ کہا جا چکا اب حکم کیا جائے گا اور اسے جہنم کی طرف گھسیٹ لے جایا جائے گا۔ (او کما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

...مت کے دن ان سے بازپرس ہونے والی ہے کہ تم نے اپنے فرائض کو ادا کیوں نہیں کیا۔

لولا ينهاهم الربانيون والاحبار عن قولهم الاثم واكلهم السحت لبئس ما كانوا يصنعون

علماء اور پیر لوگ لوگوں کو جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے۔ یہ بدترین کام ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

...ن سے پوچھا جائے گا کہ یہ قومیں جو ان کے سامنے برباد ہوئیں بربادی کا شکار ہوتی رہیں وہ کہاں چلے گئے تھے۔

فلولا كان من القرون من قبلكم اولوا بقية ينهون عن الفساد فى الارض الا قليلا ممن انجينا منهم واتبع الذين ظلموا ما اترفوا فيه وكانوا مجرمين

تم سے پہلے والی امتوں میں کیوں ایسے خدا کا کچھ خوف رکھنے والے نہ اٹھے جو لوگوں کو زمین میں بدامنی پھیلانے سے روکتے سوائے چند انسانوں کے جنہیں ہم نے نجات بھی دیدی۔ اور ظالم تو اپنی خوشحالی میں مگن ہو گئے اور وہ مجرم ہی تھے۔

...یہاں تک کہ جب قیامت کے دن لوگ بازپرسِ عمل میں پکڑے جائیں گے تو وہ ان علماء دین اور پیرانِ طریقت پر دعویٰ کر دیں گے جنہوں نے اللہ کے دین پھیلانے کی بجائے اپنے اقتدار کا تخت بچھایا اور وہ بد دعا کر رہے ہوں گے۔

ربنا انا اطعنا سادتنا وكبراءنا فاضلونا السبيلا

مولیٰ! ہم نے اپنے ان سادات اور بزرگوں کا کہا مانا اور انہوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد بنی قریظہ کے محاصرے کا حکم دیا اور فرمایا وہاں پہنچو" ولا
الا فی بنی قریظہ" یعنی صرف اس محلے میں پہونچ کر ہی عصر کی نماز پڑھو۔ اب جو صحابہ چلے تو راستے میں نماز عصر کا وقت تنگ ہونے لگا۔ بعض
ہم آپ کے الفاظ مبارک پر عمل نہ چھوڑیں گے نماز کا وقت ۔۔ جاتا ہے تو جانے دو ہم تو جب بنی قریظہ پہونچیں گے تو نماز عصر پڑھیں گے اور کچھ لوگ
ہم نماز عصر راستے میں بروقت پڑھ لیتے ہیں کیوں کہ منشا صرف جلدی چلنے کا تھا یہ نہ تھا کہ نماز اپنے وقت سے ٹال دو جب رسول اللہ صلی ا
آلہ وسلم کے سامنے یہ اختلاف رائے پیش ہوا تو آپ نے ان میں سے کسی کو بھی غلط قرار نہ دیا۔ اسی طرح سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے دونوں کی
اور صحابہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی اس سلسلے میں دوسرے کو ہدف ملامت نہیں بناتا تھا۔

علم رکھنے والا اس حقیقت کو کون جانتا ہے کہ صحابہ میں قرأت خلف الامام میں اختلاف رہا کہ وہ واجب ہے یا ممنوع۔ قنوت کے الفا
اس کے موقعہ میں اختلاف رہا۔ وضو کے نواقض میں زبردست اختلاف رائے رہا، موجبات غسل کیا کیا ہیں بلکہ ان فقہی کے علاوہ یہ کلامی
پیش آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج جسمانی تھی یا روحانی اور یہ کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں انہیں صحابہ کی رائیں با
رہیں مگر ہر شخص نے اپنا جتھا بنانے اور دوسری رائے رکھنے والے کے خلاف کسی نفرت سے کام نہیں لیا۔

صحابہ کرام حضرت عثمان سے اس مسئلہ میں سخت اختلاف کرتے رہے کہ وہ مدینہ سے آکر مکہ اور منیٰ نماز میں قصر کیوں نہیں کرتے
اختلاف رائے کے باوجود منیٰ میں سب صحابہ ان کے پیچھے پوری نماز پڑھتے رہے۔

صحابہ کے درمیان ایسی سیاسی اختلافات بھی پیدا ہوئے جنہوں نے ہمارے علماء کرام کو ایک دوسرے سے بغض پر آمادہ کر دیا ہے
ان اختلافات کے باوجود بھی کوئی دوسرے کی جلالت شان کا منکر نہ ہوا۔ امیر معاویہ اور اہل بیت کا اختلاف کسے معلوم نہیں۔ مگر ایک شخص نے
عباس سے کہا ذرا معاویہ کو دیکھیے یہ وتر کی ایک رکعت پڑھتا ہے ابن عباس نے جواب دیا معاویہؓ کو یوں نہ کہو" لا تقل ھکذا فانہ فقیہ"
کی سمجھ حاصل ہے۔

جنگ صفین میں حضرت علی نے اپنی فوج کو سمجھایا کہ فتح کرنے کے بعد کوئی بھی دوسرے فریق رمال کو غنیمت نہ سمجھے نہ ان کو غلام
بعض نے کہا کہ وہ ہمارے خون کے پیاسے ہیں اور ہمیں اس کی اجازت بھی نہیں ؟ آپ نے فرمایا ان میں عائشہؓ ہیں ان میں فلاں ہیں ان
راجعم ملکم بامہ ؟ تم میں سے کون ہے جسے اپنی ماں سے نکاح کرنے کی ہمت ہے ؟ حضرت علی نے وہاں بالمقابل فوج کے سپہ سالار
سے بڑی بیداری نہ ملاقاتیں کیں اور اس پر دوسرے بھی اندازہ یہی کہ کیوں ہم ایک دوسرے کا نقطۂ نظر سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو رہے۔

حضرت عمار بن یاسر کو کوفہ بھیجا گیا تاکہ وہ حضرت علی کی فوج کے لئے بھرتی حاصل کریں۔ وہاں منبر پر تقریر کر رہے ہیں کہ سوال ہو جاتا
عائشہ کے متعلق کیا کہتے ہو۔ کتنا نازک مرحلہ تھا، تقریر پوری جولانی پر ہے اور فریق مخالف کے ایک فرد کے متعلق پوچھا جاتا ہے کوئی
جانے کیا کچھ نہ کہہ جاتا۔ مگر عمار کہتے ہیں ۔

انی لا علم انہا زوجۃ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم فی الدنیا والاخرۃ ۔۔۔
ابتلیتم (الی آخرہ)

مجھے معلوم ہے کہ وہ یہاں اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا حرم محترم ہے لیکن یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ
تم آپ کے بھائی علی اور آپ کے حرم محترم دونوں کو بیک وقت
راضی نہیں رکھ سکتے تمہیں کسی ایک کا ساتھ دینا ہوگا۔

سیاسی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کا احترام اور عظمت کا اقرار۔ کاش کہ ہمارے سامنے بھی یہ اسوہ رہے۔
ا اپنی اپنی رائے کو آسمانی وحی سمجھ کر ضد کرنے والوں کو یہ بھی سننا چاہئے۔

ی عن عمر انہ لقی رجلاً فقال ما صنعت
ے قضی زید وعلی هکذا قال لوکنت لقضیت
ن انا قال فما منعك والامر الیك قال لوکنت
ا ردك الی کتاب الله او سنة نبیه صلی الله
یه واله وسلم لفعلت ولکن اردك الی
ی والرائ مشترك فلم ینقض ما قال علی و
ں ؛ (دیارجم التشریع الاسلامی ص ۱)

عمر فاروق سے روایت ہے کہ وہ کسی سے ملے اور پوچھا کہ کیا حال ہے اس نے جواب دیا علی اور زید نے میرا یہ فیصلہ کیا ہے آپ نے فرمایا میں ہوتا تو فیصلہ یوں کرتا وہ کہتا ہے عمر تو آپ کو کس نے روکا ہے اختیارات تو آپ کے پاس ہیں آپ نے فرمایا نہیں میں اگر کتاب اللہ کی صریح آیت یا رسول اللہ کی کوئی سنت کی طرف تم کو پھیر سکتا تو کرتا لیکن اب تو صرف اپنی رائے کی طرف پھیر سکتا ہوں اور رائے قائم کرنا سب کا حق ہے ۔ پھر آپ نے علی اور زید کا فیصلہ بحال رکھا ۔

دیکھئے چونکہ عمر فاروق کے پاس بھی رائے اور قیاس تھا اور ماتحت عدالت کے پاس بھی رائے اور قیاس تو آپ نے فیصلے کو اپنی رائے کے
ب ہے اور سنئے ؛ ــــــ

ال عبد الله ابن عباس زید ابن ثابت امی کتاب
ن ثلث ما بقی فان انا اقول برائی وانت تقول

عبداللہ بن عباس نے زید ابن ثابت سے کہا یہ ماں کے لئے تہائی مگر باقی مال کی تہائی یہ کوئی کتاب اللہ میں لکھا ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی اپنی رائے سے کہتا ہوں اور آپ بھی رائے ہی سے کہتے ہیں ۔

رت عمر کے کاتب نے ایک دفعہ لکھا۔
ما رای الله ورای عمر

یہی رائے اللہ کی ہے اور یہی عمر کی ۔

پ نے کہا اسے فوراً مٹاؤ اور لکھو۔
ما رای عمر فان یکن صواباً فمن الله وان یکن
ہ فمن عمر لا تجعلوا الرائ سنة

یہ عمر ہی کی رائے ہے اب اگر صحیح ہے تو اللہ کی راہنمائی سے ہے اور اگر کچھ اور ہے تو یہ عمر ہی کی طرف سے ہے ۔ دیکھو کسی کی رائے کو سنت اور ضابطہ نہ بنا لیا کرو ۔

ما رادر دلائل پر ہی قائم ہوتی تھیں اور دلائل کے بدلنے سے بدل بھی جاتی تھیں۔ حضرت عمر نے پہلے مدتوں حقیقی بھائی کو والدہ، زوج اور
کی موجودگی میں ورثے سے محروم رکھا اور پھر یہ فیصلہ دینا شروع کیا کہ اس صورت میں اخیافی اور حقیقی بھائی سب ثلث مال میں شریک ہیں لوگوں نے کہا یہ کیا ہ
ن ذالك بما قضینا و هذا بما نقضی ۔ وہ ہمارا اس وقت کا فیصلہ تھا یہ ہمارا اس وقت کا فیصلہ ہے ــــــ

ر اختلافات میں صحابہ کے بعد اپنے فقہی ائمہ کرام کا حال سنئے ۔
تو سب کو معلوم ہے کہ امام محمد اور امام ابو یوسف نے اپنے سب سے بڑے اور محبوب استاد امام ابو حنیفہ سے بیشتر مسائل میں اختلاف کیا مگر نہ ادھر

چال بھی بند ہو گئی تھی، تو اسی زمانہ میں امام محمد سیر کبیر تصنیف فرماتے ہیں تو حال یہ تھا کہ جہاں امام ابو یوسف کی بتلائی ہوئی روایت نقل کرنا ہوتی نام لکھنے کی ہمت نہ ہوتی لیکن لکھتے یہ کہ "اخبرنی الثقۃ" "مجھے ایک قابل اعتماد شخصیت نے بتلایا۔ دیکھ لیجئے اختلافات اپنی جگہ ہیں لیکن ا کی دیانت پر پورا اعتماد ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ مالکی حضرات سورۃ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ نہ سراً پڑھتے ہ جہراً مگر امام ابو حنیفہ اور امام شافعی جو بسم اللہ پڑھتے ہیں مدینہ شریف میں مدتوں مالکیوں کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے اور کبھی ــــ یہ خیال نہیں کیا کہ ہماری نمازیں ناقص ہو رہی ہیں۔

امام ابو یوسف سینگی لگوانے سے وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں مگر آپ نے ہارون الرشید کے پیچھے یہ جانتے ہوئے نماز ادا کی کہ اس نے سینگی ہے اور وضو تازہ نہیں کیا ہے اور پھر نماز لوٹائی بھی نہیں۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں دونوں آراء کے صحیح ہونے کی گنجائش ہو شریعت نے قطعی طور پر ہمیں کوئی فیصلہ نہیں دیا ہے۔

امام ابو یوسف نے ایک دفعہ ایک حمام میں غسل کیا اور نماز جمعہ پڑھائی اور اس کے بعد کنوئیں میں سے مردہ چوہا نکلا امام صاحب نے فرمایا ا دفعہ ہم اپنے مدنی بھائیوں کی رائے پر عمل کرتے ہیں کہ اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث یعنی پانی دو مشکوں کے برابر ہو تو وہ پلید نہیں یہ کہا اور نماز نہیں لوٹائی۔

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نکسیر پھوٹنے اور سینگی لگوانے سے وضو تازہ کرنے کا حکم دیتے ہیں کسی نے عرض کیا یہ فرمایئے اگر کوئی سینگی کھ وضو تازہ بھی نہ کرے تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے آپ نے فرمایا تو کیا میں امام مالک اور سعید ابن المسیب جیسی شخصیتوں کے پیچھے نماز نہ پڑھوں گا

امام شافعی نے صبح کی نماز امام ابو حنیفہ کے مقبرے پر پڑھی تو اپنا مذہب چھوڑتے ہوئے دعاء قنوت نہیں پڑھی لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمانے ہم کبھی کبھی اہل عراق کا مذہب بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک دفعہ وہاں آمین بالجہر بھی چھوڑ دی اور فرمایا کہ مجھے تو فرمانے کا احترام ملحوظ ہے کہ وہ بالجہر کو نہیں کرتے۔

امام ابو یوسف اور محمد کے متعلق ایک دنیا جانتی ہے کہ باوجود یکہ عیدین میں چھ زائد تکبیروں کے قائل تھے مگر مدتوں حضرت ابن عباس کے قو مطابق عیدین کی تکبیریں پڑھتے رہے اس لئے کہ عباسی خلفاء اپنے دادا کے قول کو پسند کرتے تھے۔

مگر نہیں معلوم آج ان لوگوں کو اپنا امام کہنے والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ مختلف رائے قائم کرنے والوں کو یا بددیانت سمجھتے ہیں یا بیوقوف اور ان سے بدکتے ہیں یا نفرت۔ ایسی تنگدلی مجھے تو اتبع تابعین اور آئمہ کے بعد بھی مدتوں تک نہیں ملتی۔

مولانا حسین احمد مدنی کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں کانگرس اور لیگ کے زبردست جھگڑے رہتے اور بعض دفعہ خود طلبہ گستاخی کر بیٹ ان کی پیشانی پر کوئی شکن بھی نہ آتی۔ ایک دفعہ ایک طالب علم نے یہاں تک پرچی میں لکھ دیا کہ آپ دنیا کو بدیسی کپڑے پہننے سے روکتے ہیں اور آپ آج تک بدیسی کپڑے پہنتے ہیں آپ نے مسکرا کر پرچی سب کو پڑھ کر سنائی اور کہا کہ بھائی میرے گھر سے بھی وطنی اور دیسی کپڑا ہی پہننے میں اختیار نہ آئے تو ابھی کسی ایک دفعہ ایک ظالم نے تو اس سے بھی سخت الفاظ لکھے جو مجھے ادا کرنا بھی مشکل ہیں مگر ہیں ان شاگردوں کے سامنے ان کا نمونہ پیش کیا جا سکتا۔ پرچی میں لکھ دیا گیا تھا کہ تو حرام زادہ ہے۔ معاذ اللہ۔ کوئی دوسرا ہوتا تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ وہ ایسے شاگرد کے ساتھ کیا کرتا۔ آ پرچی بھی زور سے اپنے مخصوص لہجے میں پڑھ دی اور فرمانے لگے بھائی آپ کو کسی نے غلط معلومات دی ہیں میرے والدین کا تو شرعی نکاح تھا او سے نکاح کے گواہ اعظم گڑھ میں ابھی زندہ ہیں آپ دریافت کر سکتے ہیں۔ اللہ اکبر یہ تھا حوصلہ صرف اختلاف رائے کرنے والوں کے ساتھ نہیں

واعلم الناس بالفتوی اسکتھم واجھلھم بھا انطقھم — جو فتوی کو جتنا زیادہ سمجھتا ہوگا اتنا خاموش ہوگا اور جو جتنا اس سے جاہل ہوگا اس کی زبان اتنی زیادہ چلتی ہوگی

بھی دیکھیں گے کہ جو حقیقتہً علماء ہیں وہ فتوی لکھنے اور دینے سے پہلے بار با اور مختلف پہلوؤں سے غور وفکر کریں گے جب لکھیں گے تو بہت لفاظیں لکھیں گے اور جو ہدایت النحو ... اور کا نیہ ذیل وعظ ونصیحت کا پیشہ کرنے والے ہیں ان کی زبانوں کی سفاکیں بڑے بڑے علماء کرام و عظام کی پگڑیوں اور ڈاڑھیوں کو کر ... ذرا بھی دیر نہیں لگتی اللہ تعالیٰ ہدایت بخشے ۔

حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے کہ میں ایک سو بیس صحابہ سے ملا ہوں ان میں سے ہر ایک کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ کاش فتوی دینے کی ... ان پر نہ آنے پائے۔ حضرت سفیان ثوری سے روایت ہے کہ ائمہ کرام فتوی دینے سے حتی الامکان گریز کرتے تھے ۔ امام احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا کہ فتوی کی ذمہ داری اٹھائی اس نے سب سے بڑی ذمہ داری اٹھائی ۔ وہ کسی استفتاء کا جواب دیتے تو یوں کانپ کانپ جاتے گویا جنت و ... کے درمیان کھڑے کر دیئے گئے ہیں ۔ دراصل فتوی دینے والا اللہ کے نام سے امر و نہی کا اعلان کرتا ہے اور اللہ کی طرف سے امر و نہی کے ... زندگی کے مقام پر کھڑا ہو جانا جرأت کرنے کی چیز نہیں ہے ۔

میں پھر کہتا ہوں کہ ہر گروہ میں بہترین لوگ موجود ہیں جو خدا کا خوف بھی رکھتے ہیں اور دین کے خیر خواہ بھی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنا کام کرنے کا ... جائے اور وہ کام لے جس سے وہ راضی ہے اور جو بالآخر ان کے اپنے لئے اور امت کے لئے بھلائی کا موجب ہو مگر جب اچھے لوگ بھی فرقہ واریت کی حوصلہ ... رتے ہیں اور اپنے عقیدت مندوں کو دوسرے کے خلاف جتھا بندی کرتے دیکھتے ہیں تو وہ اس فتنے کو کیوں نہیں محسوس کر لیتے جو بزرگوں کو ... ان سے ہٹانے کی کمائی کو اکارت کرنے کا کارگر شیطانی ہتھیار ثابت ہوتا ہے ۔

آئیے اب ٹھنڈے دل سے اسے سوچیں کہ اہل علم لوگ یہ سب کچھ کیوں کرتے ہیں کیوں یہ تعصب اور تحزب کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے آخر یہ ... بارے ... کی ہدایت کا موجب ہیں اور سب مسلمانوں کو اتفاق و ا... سبق دینے والے ہیں وہ خود اختلافات کا کیوں شکار ہو جاتے ہیں ۔ جو دن ... نے شاگردوں اور عقیدت مندوں کو خدا کا خوف دلاتے ہیں وہ خود کیوں خدا کا راستہ اختیار نہیں کر سکتے اور نہیں سمجھ سکتے کہ اختلافات میں کس ... جانا صحیح ہے اور کس حد تک صحیح نہیں ۔ جہاں تک ہم نے سوچا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اپنی زندگی کا نصب العین بدل گیا ہے ۔ چاہے انہیں ... ہو یا نہ ہو بہر حال اب مقصد زندگی کچھ اور ہو گیا ہے ۔ حضرات ! آئیے ہم سب ایک دفعہ اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہماری ... اپنی عزت کے لئے ہے یا خدا کے دین کی عزت کے لئے ۔ ہم خدا کا منشاء پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یا خدا کی زمین میں اپنا منشاء پورا کرنے کی ... ہیں ؟ ہم لوگوں کی گردنوں پر خدا کا تخت بچھانے کی کوشش کر رہے ہیں یا اپنا تخت ۔ دراصل مقصد زندگی ہی دوستی اور دشمنی کی حدود متعین ... اور منزل و نصب العین ہی اختلاف واتفاق کے آداب سکھاتا ہے ۔

علماء کا اصل مقصد زندگی تو " العلماء ورثة الانبیاء " کے پیش نظر یہی تھا جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا رہا ہے ۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون — وہی ہے جس نے اپنے رسول کو راہِ راست اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرک اسے برا مانیں ۔

اور یہی کام جو ساری امت کے سپرد تھا سب سے زیادہ وہ انہی اہل علم کے سپرد تھا اور وہ پہلے ذمہ دار ہیں یعنی

ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ

یہ کہ دین حق کو قائم کرو اور اس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو۔

پھر اسی مقصد سے ہی محبت اور نفرت کے حدود متعین ہوتے ہیں۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار
رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا
من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من
اثر السجود۔

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ کے ساتھی ہیں وہ کفار پر
سخت ہیں مگر آپس میں مہربان و رحم دل۔ تو انہیں ہر وقت رکوع
و سجود میں دیکھے گا وہ خدا کے فضل اور اسی کی رضا کے طلبگار
ہیں ان کے چہروں پر زیادہ سجدوں کی وجہ سے خاص علامتیں
موجود ہیں۔

پھر یہی مقصد "اقامت دین" ہی یہ کہنا سکھاتا ہے کہ

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا
وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ
شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من
دون اللہ

کہدے اے اہل کتاب ایک ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے
اور تمہارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی
کے سامنے نہ جھکیں اس کے برابر کسی کو نہ ٹھیرائیں اور اللہ کو چھوڑ
کر ہم میں سے کسی کو رب نہ بنا لے۔

پھر جب مقصد سامنے ہوتا ہے تو ایک انسان وزن کرتا اور سمجھتا ہے کہ کس سے جڑے اور کس سے توڑے سے

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی — ببیں کہ از کہ گسستی و با کہ پیوستی

اس وقت پتہ چلتا ہے کہ کرنے کا کام کیا ہے۔ سارے ملک و قوم کی گاڑی اگر کعبہ کی بجائے منحرف روانہ ہو جائے تو اس وقت سب سے بڑی نیکی اٹھ کر ڈرائیوروں کو راہ راست پر لانا یا کم از کم انہیں بدلنا ہے یا صرف ڈبے میں بیٹھ کر مسافروں سے بات بات پر لڑنا، مناظرے کرنا یا صرفی نحوی ادبی اور [illegible] نکات پر مجلسیں گرم کرنا ہے۔

حضرات آپ نے میرا نقطہ نظر سمجھ لیا ہوگا دین حق کو قائم کرنا، خلافت علی منہاج النبوۃ کو قائم کرنا دین کی بنیادیں پختہ اور مسلمہ قدروں کو زندہ اور مضبوط کرنا، اسلامی نظام پر سب مسلمانوں اور غیر مسلموں کو مطمئن کرنا اور اسے عملاً چلا کر دنیا کے لئے ایک عملی مثال قائم کرنا، قرآن و سنت [illegible]ب کر دنیا کو اس کی پوری تعلیمات پر یقین دلانا، تلاوت آیات، تزکیہ نفوس، تعلیم کتاب و حکمت اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا جس میں نیکی پھلے پھولے اور برائی مٹے اور دبے آپ کا مقصد حیات ہے۔ اسی کو پیش نظر رکھئے جو کچھ کرنا ہے اسی کے لئے کیجئے اور جو تیر چلانا ہے اسی سمت

اب جب ہمارا مقصد متعین ہو گیا تو ہمیں اب طریق کار بھی متعین کرنا چاہئے۔ کچھ ایسے خطوط بھی متعین طور پر سامنے ہونے چاہئیں جن [illegible] ہم یہ مقصد زندگی حاصل کر سکیں تو جہاں تک میری فہم کا تعلق ہے میں یہ کہوں گا کہ۔۔

ہمارا یقین یہ ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کی اصل طاقت اصولوں میں اتحاد و اتفاق اور فروعی مسائل میں زیادہ سے زیادہ روادار وسعت میں ہے۔ یہ نہ ہوا تو ہمارا مقصد کبھی حاصل نہ ہوگا اور اتحاد و اتفاق بھی ایک پراگندہ خواب بن کے رہ جائے گا۔

اختلافی مسائل میں ہمارا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ ہم رائے ہمیشہ دلائل سے قائم کیا کریں اور دلائل بدلنے پر ان مسائل میں رائے کو بدل

۵
آزمودہ دواؤں کا مرکب
انالجین
سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے
Opal

سبدِ گل

نکہت کاظمی :-

ہم ان کے نگر میں رہتے ہیں — جیسے ہر دم نظر میں رہتے ہیں
ڈھونڈتے ہیں انہیں کو ہم نکہت — جو ہماری نظر میں رہتے ہیں

جانے کہاں وہ بس رہا ہے — جس کے لئے جی ترس رہا ہے
انہیں اب خبر بھی اس کی — جو سانس نفس نفس رہا ہے
جینے کی ہوس وہ کیا کرے گا — مرنے کو بھی جو ترس رہا ہے

روحِ زیدی :-

پھر سفینہ کسی طوفان سے ٹکرایا ہے — ڈوبنے والوں کو ساحل کا سلام آیا ہے
ابھی عشرتِ رفتہ کا خیال آیا ہے — جب نئے پھر وہی دلِ بے تاب کو سمجھایا ہے
عشق نہ سمجھوں تو اسے کیا سمجھوں — تیرے اخلاص کو اک دست نے ٹھکرایا ہے
پرچی آنکھیں ستم لطف نمانے کو ہیں — شکریہ تم نے مجھے خواب سے چونکایا ہے
گردشِ وقت کی اس عمر کی سازش تو نہ ہو — کیوں ترا نام مرے نام کے ساتھ آیا ہے
مرگِ حسرت کی خبر صبر کی دشمن ہے عروج
ضبطِ غم کے لئے اک سخت مقام آیا ہے

تعیش ٹونکی :-

بخشش کرکے ہستیِ غم پرسشِ غم تک پہونچے
کون اب ان کے اس اندازِ کرم تک پہونچے

جامِ زریں نہ سہی، جامِ سفالیں ہی سہی
کوئی ساغر تو ہو ایسا کہ جو ہم تک پہونچے

آسماں سے مری راہوں کے اجالے لینے
کتنے خورشید مرے نقشِ قدم تک پہونچے

اب تو یہ عزمِ جنوں ہے کہ پسِ منزلِ ہوش
گلستاں اپنی بہاریں لئے ہم تک پہونچے

جبیں اس شان سے اٹھے درِ میخانہ سے ہم
رقص کرتے ہوئے دیوارِ حرم تک پہونچے

نظر شاہجہاں پوری :-

اکثر وہ اس ادا سے سرِ رہگزر ملے — جیسے اک اجنبی سے اچانک نظر ملے
ناصح! یہ کیا کہا کہ تمنا فریب ہے — اے کاش! یہ فریب مجھے عمر بھر ملے
اس گردشِ حیات میں کیسا سکونِ دل — تسکین کے نفس بھی بہت [illegible] ملے
آ اے نظر چلیں کسی بزمِ جمال میں
شاید ہمیں کہیں بھی مجالِ نظر ملے

ایک دوسری نعمت ہے اور بلاشبہ وہ بہت بڑی نعمت ہے جو یہاں آکر حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے مالک کے ساتھ دل کی حضوری کی
فیت ہے جو انسان آنا دنیا میں اپنے مالک کے حضور اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ اس کے ہونٹ ہلتے ہیں اور اس کا قلب بے نور اور غیر متحرک
سطرح سطح آب پر کوئی بچہ نلکی سے بلبلے اڑا رہا ہو لیکن دریا کے گہرے سینے کو خبر تک نہ ہو جس طرح کوئی شخص سمندر کی سطح پر دیا سلائی
اور اندر تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوں۔ بس ایسی ہی ایک کیفیت عبادات میں مدتوں تک بندوں پر رہا کرتی ہے۔ انسان ترستا رہتا ہے کہ
ذکو حضوری میسر آئے اس کے دل میں گداز اور حرکت پیدا ہو۔ اس کے اندر خروش ہو۔ اس کے سینے میں عجز و نیاز کی کوئی ہانڈی اُبلے
ھیں تڑپوں کبھی زبردست، محیط، بے پناہ اور بے نہایت ہستی کے سامنے حضوری کا احساس وجود پر کپکپی بن کر تھرتھرائے۔ ہونٹ
رہ یہ وہ انسانی کا خشک پتھر پھٹے اور اس میں سے خشیت الٰہی کی نہریں جاری ہوں لیکن انتظار بس انتظار ہی رہتا ہے۔ اور آزاد و مصروف
ماغ مدتوں اس کیفیت کے ہجر میں اپنے دل کی اس پتھریلی حالت پر غور کیا کرتا ہے گویا کہ وہ مٹی کا ایک بے نور بوجھل ڈھیلا ہے۔ گویا کہ
یہ روح ریزہ ہے گویا کہ وہ لوہے کا بے گداز ٹکڑا ہے لیکن یہاں اللہ کی طرف سے وہ نعمت جانفزا اترتی ہے جسے سوز و گداز اور
قلب کہا جاتا ہے۔ یہاں مٹی کے ڈھانچوں کے اندر دل گداز ہو کر موم ہو جاتے ہیں اور آتش دروں کے سوز سے موم بتی کی مانند سخت دل
ب کی طرح سراپا اضطراب بن جاتے ہیں۔ خستہ خیال انسان اپنے اندر کتنے ہی طوفان اٹھتے ابھرتے اور پھیلتے ہوئے محسوس کرتا ہے جن کی
آنکھوں کے ساغروں سے بار بار آکر ٹکراتی اور اکثر باہر چھلک پڑتی ہیں یہ نعمت بار بار میسر آتی ہے پیہم آتی ہے اور انسان محسوس کرتا ہے
ں ہوں جہاں اسے اپنے مالک کے سوا شاید کسی شے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کا مالک حقیقتاً اس کی رگِ گلو سے قریب بہت قریب ہے اس
یک سانس اس کی ایک ایک آرزو اور سرگوشی اور اس کے ایک ایک خیال تصور اور بے تابی و اضطراب کو اپنے قریب سے دیکھ رہا ہے
توں کے ہلنے، الفاظ کے بننے اور اظہار مدعا تک کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔

دل کی دنیا میں بہار کا یہ موسم بار بار یہاں آتا ہے اور آدمی بار بار اپنے مالک کے سامنے سجدۂ شکر بجا لاتا ہے کہ وہ اپنے لڑکھڑا کر چلنے
ے کی طرف اس طرح پوری طور پر متوجہ ہے کہ گویا مالک کی ساری توجہات صرف اسی ایک پر ہیں ——— سبحان اللہ وبحمدہ
سبحان اللہ العظیم ٥

یہاں ایک اور محبوب شے اپنے موجودہ اور گذشتہ احباب و اعزہ و اقربا و محبین کی یادیں ہیں جو ساون کے بادلوں کی طرح اُمڈ
تی ہیں ان میں سے ہر ایک کی سہانی شخصیت دل میں محبت اور انس پیدا کرتی ہے۔ ان کی خامیوں کی پردہ پوشی اور درگزر اور ان
نیوں کے لئے جزاء و ثواب کی دعائیں نکلتی ہیں ان سے محبت و الفت کا رشتہ غائبانہ طور پر دلوں میں راسخ سے راسخ تر ہوتا چلا جاتا
ہ جو اس زنداں سے باہر ہیں اور خوف و ہراس دہشت گردی اور مصائب کے گرد و غبار میں اپنے نصب العین پر نگاہیں جمائے ہوئے
ہی آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں ان کے قدموں کے لئے ثبات کی اور ان کے حوصلے، باہمی ربط و تعلق، خدا ترسی اور تحریکی وابستگی کی د
فتیار، گرم گو دل سے نکلتی ہے ان میں سے ایک ایک کے ساتھ تحریک اسلامی کے میدان سعی و عمل میں بارہا ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں لیکن مصروفیت
غبار نے کبھی ان کے بارے میں غور و فکر، ان کے پُر محبت تعلق کے بارے میں گہرے تاثرات حاصل کرنے کا موقعہ نہیں دیا تھا وہ موقعہ یہا
میسر آتا ہے اور پھر وہ دوست یاد آتے ہیں جو اس میدان جہاد میں اپنے درخشاں نقوشِ عمل ہم بے عملوں کے لئے چھوڑ کر آگے گزر گئے ہیں
اپنے مالکِ حقیقی کے پاس پہونچ گئے ہیں۔ چوہدری علی احمد خاں، خان محمد باقر خاں، مولانا مسعود عالم ندوی، ڈاکٹر تاج المبارک اور کتنے ہی کتنے

مجاہدین تحریک اسلامی ہیں جو اپنا کام کر گئے اور مالک کے پاس سرخرو ہو گئے۔ ان کے لئے مغفرت اور جنت میں درجاتِ عالیہ کی د
ہیں۔ گہرے تأثر کے ساتھ پُرنم آنکھوں کے ساتھ ان کے کام ان کی باتیں ان کا ایثار ان کی قربانیاں۔ اور تحریک اسلامی کے لئے ان
جذبہ عمل یاد آتا ہے اور دل اور آنکھیں ان کی یاد اور محبت سے گداز ہو جاتے ہیں ان کی مغفرت کے لئے دعائیں کرتے ہوئے اپنی کمزو
لک کے حضور اپنے عمل کی کوتاہی یاد آتی ہے تو دل امنڈ آتا ہے۔ آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور جب بار بار ان کے لئے دعائیں کرتے ہو
ہے کہ ہم بھی جب اس جہانِ عمل سے اٹھ جائیں اور جب عمل سے سارے سلسلے منقطع ہو جائیں تو شاید ہمارے پیچھے رہ جانے والے
یے بھی کلمۂ خیر کہیں۔ ہمارے لئے بھی یوں ہی دعائیں کریں اور بلاشبہ آگے چلے جانے والے ساتھی کے لئے جہاں دعائے مغفرت
کوئی ہدیہ نہیں بھیجا جا سکتا یہ ہدیۂ دعا بہت بڑی نعمت ہے اور شاید کہ ہما۔ ے ساتھی بھی ہمارے بعد ہمیں یہ ہدیہ ارسال کیا کریں
سے دل موم ہو جاتے ہیں اور ہونٹ کانپنے لگتے ہیں یہ بھی ایک نعمت ہے جو یہاں جیل میں میسر آتی ہے۔

پھر ایک اور نعمت یہاں کے ساتھی ہیں جن کا وجود بڑا پُر لطف، بڑا دل خوش کن اور بڑا جانفزا ہے ان ساتھیوں میں
جو قدرت نے خود میرے ساتھ بھیجے ہیں میرے اپنے رفیق ہاشمی صاحب، گلزار صاحب اور اصلاحی صاحب جن کی رفاقت نے اس
مسرت گاہ، تربیت گاہ بلکہ مسرت گاہ بنا دیا ہے، ان کی [illegible]، ان کی [illegible]، ان کی آمد و رفت، ان کی خدا ترسی اور
تازہ ذہن جو میرا ہے، ان کے دل کی دھڑکن جو میرے اپنے دل کی ہے ان ساری چیزوں نے میرے لئے ایک نعمت بنا دیا ہے
لک نے میرے ضعف۔ اور کمزوری، عجز اور ناتوانی کا خیال کرتے ہوئے اس نعمت کو میرے ساتھ میرے اپنے احاطے اور کم
دیا ہے۔ ہاشمی صاحب کی خدا ترسی، تعلق باللہ، [illegible] اپنے رفقاء کے لئے محبت و ایثار اور ہر کام کو آگے بڑھ کر
چھوٹے چھوٹے کاموں میں اپنے رفقاء کار کا ہاتھ بٹانے اور زیادہ سے زیادہ ثواب کمانے کا جذبہ قابلِ رشک اور ناقابلِ فراموش
صاحب تو ہمارے قید خانے کی بلبلِ ہزار داستان ہیں۔ ان کے دم قدم سے بڑی رونق ہے لطیفے سناتے ہیں۔ کافیاں اور سی حرفی
ہمارے ناتجربہ کار باورچی عبدالرحمٰن کی نگرانی وہ خود کرتے ہیں [illegible] طرح پہلا باورچی خانہ اور اس کی ہر شے ان کے چارج میں
ہمارے لارڈ چیمبرلین ہیں۔ ہمیں لکھنے پڑھنے سے روکتے اور پروگراموں کی پابندی توڑنے کی تلقین [illegible] کرتے رہتے ہیں۔ [illegible]
پروگرام اس طرح بنا کر اس پر عمل کرتے ہیں جیسے دو ماہ بعد ہی چلے جانا ہے بجائے یہاں کمرے کھول کر جھاڑو اور لیپے [illegible]
خوب مزے مزے کی باتیں کرتے ہیں اور رات کو ترنم سے مثنویاں سناتے ہیں اور شام کو بیڈمنٹن کے کھیل میں اپنے ہاتھ کی صفائی دکھا
وجود ہمارے لئے بڑا غنیمت ہے۔ اصلاحی صاحب ہمارے ساتھ بقول [illegible] ہیں جو گزشتہ ۲۲ سال سے جماعت کے ساتھ وابستہ
اس تحریک کے ایک ایک قدم سے واقف اور آگاہ ہیں اور بڑے ذہین اور خالص تحریکی ذہن اور پر جوش قلب کے مالک ہیں مطالعہ ا
نے مطلوب حصوں کا ریکارڈ رکھتے ہیں ان رفقا کی موجودگی تیسری نعمت ہے جو مجھے یہاں میسر ہے۔ اگرچہ شدید پابندیوں کے سبب
باس دوسرے قیدیوں کی آمد و رفت بند ہے اور ہم اس اپنی ہی بسائی ہوئی دنیا میں اس طرح رہ رہے ہیں جیسے کسی وسیع سمندر کے
ویران جزیرے پر چار مسافر آ پڑے ہوں اور بس وہی اس سارے جزیرے کی آبادی ہوں اور وہ خود ایک دوسرے کے لئے ہی ساری د

جیل کی اس تنہائی اور قطع تعلق میں ایک اور نعمت گلہریوں کا ایک جوڑا ہے جو ہمارے صحن کے پیپل اور دو خشک شہتوتوں
ہے۔ یہ جوڑا اب اتنا بے تکلف ہو گیا ہے کہ پیپل سے اترتا ہے اور بار ہا محض برائے سیر و تفریح یا تلاشِ رزق کی خاطر ہمارے کمرے میں

ہے۔ کبھی اِدھر اُدھر کھٹ کھٹ ہوتی ہے کبھی ادھر چاپ چیں ہوتی ہے۔ انہیں ہمارا سا خوف ہے اور نہ ہمیں ان سے اجنبیت ہے بس
ہمارے احاطے کے باضابطہ باشندے ہیں اور ہم نے جائے رہائش کے سوا باہمی کچھ بانٹ کر نہیں رکھا ہوا ہے ان کی بے تکلفی کا یہ عالم
ہم بیٹھے پڑھتے ہوتے ہیں اور وہ ہمارے پاؤں میں، ہمارے آس پاس ہمارے کمرے میں ہماری چارپائیوں کے اوپر نیچے، ہمارے دوڑ
پر بے تکلفی سے چہل قدمی اور تلاشِ معاش کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ ہمیں ان گلہریوں کی موجودگی سے بڑی تسکین ہے جس طرح کسی شاعر
تھا سے

اچھا ہے مرا نگسفِ ساقی کا تصور　　　دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

اس طرح ان گلہریوں کا وجود اس اعتبار سے کہ وہ زندہ مخلوق ہے بے ضرر اور معصوم ہے ہمارے لئے بسا غنیمت ہے اس لئے کہ ہم
خطرناک لوگوں کے پاس ان کا بے خطر چلے آنا یہ بھی ایک بہت بڑی چیز ہے۔

اس جوڑے کے علاوہ تین جوڑے اور بھی ہیں اور وہ ہیں چھ چڑیاں جو کچھ دنوں بعد درجنوں بن جائیں گی۔ انہوں نے ہمارے کمرے کی
بی آشیانے بنا رکھے ہیں ان کے آشیانے ہماری چار پائیوں کے عین اوپر واقع ہیں دن بھر وہ اپنے گھونسلوں کا صحن صاف کر کے ہمارے بستروں
کرتے رہتے ہیں ہم صبری نہیں کرتے بلکہ ان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہمارے بستروں کو پنا کوڑا ڈالنے کے لئے پسند کیا ہے جب ہم علی الصبح
پی تو یہ تینوں جوڑے چھت سے اتر کر نیچے برتنوں کے ڈھیر میں آ بیٹھتے ہیں اور پھر ان برتنوں کے ڈھیر میں انہیں بہت کچھ مل جاتا ہے۔ چنانچہ
برتنوں میں کافی کچھ مصروف رہتے ہیں اور بار بار جگہ بدل بدل کر ایک دوسرے کو چوں چوں کی آواز سے پکار پکار کر باہمی کھانے پینے کا تاد
تے ہیں اور ساتھ ہی جگہ بدل بدل کر اور پھدک پھدک کر اپنے رزق کے دانوں کا چننا انہیں بہت پسند ہے۔ چڑوں کی گردنوں کے گرد سیاہ
بیاں اور چڑیوں کی سفید روپہلی صاف گردنوں کے گرد نرم مخمل ان کے امتیاز کا نشان ہوتا ہے برتنوں سے رزق کی تلاش کے بعد پھر وہ ہماری
کے اشیاء کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کتاب پر پاؤں ٹکا ٹکا کر اپنی برتری اور ہمارے علم ظاہر سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں۔ جب ہم سو رہے
ہمارے کمبلوں اور لحافوں اور تکیوں اور سرہانوں پر بے تکلف ہو کر بیٹھ جانا اور چوں چوں کا نعرۂ سحر خیز بلند کرنا انہیں بہت پسند ہے
پر ہم جاگ جائیں تو پھر گویا ایک فرض ہے جو انہوں نے ادا کر دیا۔ اس طرح اللہ کی یہ آیات انسان کو غفلت سے بیداری کا سبق برابر دیتی رہتی ہیں

بس یہی ہمارا حال اور یہی کیفیت ہے۔ قید خانے کے اندر انسان سمجھتا ہے کہ باہر کیا کچھ ضرور ہیں جن کی اسے خبر نہیں ہے لیکن قید خانے سے باہر
ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ آخر نئی بات ہی کون سی ہوتی ہے جس کی خبر دی جائے۔ بس آزادی و بندش کا یہی فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا مشکل ہے یہ وہی فرق
آدمی کے اندر بیٹھنے والے مسافر اور گاڑی سے باہر کھڑے ہوئے مسافر کے جذبات میں ہوتا ہے۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ قید خانے میں خط بڑی
ہے اور باہر تو شاید لیکن اندر تو بلاشبہ نصف ملاقات سے بھی کچھ زائد ہی ہوتا ہے۔ افسوس کہ باہر والوں کو اس کی خبر اور احساس نہیں ہے۔

کل دو نمبردار قیدی ہمارے قریب آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ ہم لوگ جیل کے اندر کیوں آئے ہیں انہوں نے کہا اللہ ہی بہتر جانے
ہم تو کئی کئی سال سے یہاں جیل میں پڑے ہیں۔ پھر اچانک مجھے حضرت یوسفؑ یاد آئے جن کے دم قدم سے اس جیل خانے کو ہمیشہ کے لئے فخر حاصل
ہے اور جہاں حضرت مجدد الف ثانی نے سینکڑوں کو مسلم و مومن بنایا تھا چنانچہ میں نے ان سے کہا "میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا واقعی تم ہمارے
عظیم الشان جرم سے واقف نہیں ہو" ــــــ وہ کہنے لگے: "ہم تو بے خبر ہیں اتنا جانتے ہیں کہ تم نے کوئی ہمارے جیسا جرم نہیں کیا ہے تم سب تو نیک
ہو ــــــ"

(بقیہ صفحہ ۶۰ پر)

ہماری نظر میں

کامل اکمل حقانی

تصنیف وتالیف :- پیر میر عزیز اللہ حقانی ، ضخامت ۴۴۰ صفحات ، مجلد ، رنگین جیکٹ، قیمت دس روپے ، ملنے کا پتہ :- علمی بک ڈپو اردو بازار کراچی ۔

اس کتاب کے مندرجہ ذیل عنوانات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دینی نقطہ نگاہ سے یہ کس قدر مفید اور معلومات آفریں کتاب

صفت باری تعالیٰ ـــ پیدائش ـــ ایک ضروری عبادت ـــ ایمان کا ثبوت ـــ مشرک ـــ منافق ـ ـــ نماز پنجگانہ ـــ پاکی کی ترغیب ـــ زکوٰۃ ـــ ہجرت ـــ ریاکاری ـــ فریضۂ حج ـــ حقوق والدین واقربا ـــ حقوق یتیم ومساکین ـــ پیغام حق ـــ چپ رہنا ـــ بدے اور فتنہ باز لیڈر ـــ تقلید ـــ انصاف ـــ حسنِ سلوک ہر عنوان کتاب اللہ کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے مزین ہے ، عام فہم ترجمہ کے ساتھ ! فاضل مصنف دردمندی کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے ، مقصود مسلمانوں کی اصلاح احوال اور ان کے اندر خشیت الٰہی اور محبتِ خدا اور رسول کے ہے ! پیر حقانی صاحب اردو زبان کے مشاق لکھنے والے نہیں ہیں اسی لئے جگہ جگہ زبان کی کمزوریاں اور غلطیاں ملتی ہیں ـــ

" درود ہو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ۔" (ص ۲۴) "ختم" کے لغوی ہو چکانے اور تمام کرنے کے بیشک آتے ہیں مگر اردو میں جب لوگ بولیں گے کہ اس نے فلاں شخص کو "ختم کردیا" تو اس کے معنیٰ قتل ہیں ـــ " کلام الٰہی میں ہاتھ ڈالنا کوئی آسان کام نہیں ہے" (صفحہ ۲۹) یہ اندازِ بیان اہل قلم کو زیب نہیں دیتا ـــ "اگر کوئی اس میں مداخلت کرنے کا ارادہ کرے تو یہ اس کے لئے ناممکن ہے" (صفحہ ۲۹) اس جملہ میں کتنا کچا پن پایا جاتا ہے ۔

" ولقد عند نفسه بينهم" (بے شک ہم نے ان کے درمیان طرح طرح سے پھیر پھیر کرلیا) (ص ۵۹) "ہیر پھیر" میں ذم کی طرف لیلۃ القدر کی رات کا ... جہ رکھتی ہے (ص ۲۵۳) "لیلۃ القدر کی رات" ـ عجب ؟! ص ۲۵۱ پر ایک حدیث درج کی گئی ہے ، ... پر یہ لکھا ہے ۔ "یعنی عمر تک خلافتِ نبوت ہے" بہت کچھ محل غور ہے ، چاروں خلفاء راشدین خلافت نبوت ہی کے مظہر اور نمائندے تھے ...

اس کتاب میں سیکڑوں آیتیں اور ہزاروں حدیثیں ترجمے کے ساتھ درج ہیں ، جن کا مطالعہ باعث خیروبرکت ہے ! شکیں احمد دیباچے میں اس کتاب کی تالیف کو جو صاحب تالیف کی "کرامت" سے تعبیر کیا ہے اس میں اُن کے حسن عقیدت کو بہت کچھ دخل ہے ، پیر صاحب نے اپنے کشف وکرامت اور ریاضت وغیرہ کے جو واقعات لکھے ہیں اُن کے بعض اقتباسات وجدان و ذہن کو کھٹکتے ہیں ، اس قسم کی واردات کو تحریر میں نہ لایا جائے تو اچھا ہے ـــ

حقیقت رمضان

از :- پروفیسر فضل احمد عارف (ایم-اے) ضخامت ۲۶ صفحات ، قیمت سفید کاغذ ایک روپیہ ۲۵ پیسے ، قیمت ... ملنے کا پتہ :- دارالتصنیف والاشاعت ۱۴- بی شاہ عالم مارکیٹ ، لاہور

ان کی وجہ تسمیہ، فضیلت رمضان، رمضان کی تاریخی اہمیت، عبادات ماہ رمضان ـــــ ان عنوانات کی شرح و تفسیر بڑکا جامع اور
افروز ہے! اس کتاب میں روزہ کی فرضیت، افادیت اور سعادت و برکت کو فاضل مصنف نے خاصے دل نشین انداز میں واضح کیا ہے، اسر
ح پر یہ کتاب ہر اعتبار سے مفید اور مطالعہ کے قابل ہے! اسلوبِ نگارش بھی جاذب توجہ ہے!

ناتِ تراویح تالیف:- مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، ضخامت ۱۰۰ صفحات، قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے
ملنے کا پتہ:- مجلس علمی جامعہ مفتاح العلوم، مئو اعظم گڈھ (یو۔پی ـــ انڈیا)

جزوی مسائل جن میں احادیث و آثار ہی کی بنا پر اختلافات کی گنجائش پائی جاتی ہے، ایسے مسائل نہیں ہیں جن کو مبحث و موضوع بنا کر ایک دوسرے
سیل و تحسین کی جائے! مثلاً ماہ صیام کی تراویح کی رکعتوں کا اختلاف ہے، یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جس پر حق و باطل کا حکم لگایا جا سکے، جو کو
بیس یا اس سے زائد تراویح کی رکعتیں پڑھ لیتا ہے وہ عند اللہ اجر و ثواب ہی کا مستحق ہوگا! افسوس ہے بعض متشدد اہل حدیث اس مسئلہ میں
ے کے مسلک پر سخت چوٹیں کرتے ہیں۔ اور ایک اہل حدیث عالم نے تو چیلنج کے انداز میں یہ انکشاف فرمایا کہ اب تک جو مسلمان تراویح کی بیس رکعتیں
پڑھتے رہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے، صرف آٹھ رکعتیں سنت ہیں اور قابل عمل ہیں۔

اسی چیلنج کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے، فاضل مصنف نے شرح و بسط کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو فرمائی ہے اور استدلال و تفہیم کا حق
دیا ہے، چند اقتباسات:-

- ــــ "ترمذی میں ہے، ھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین" یعنی میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت پر عامل پایا۔
- ــــ "یہ تھے عہد فاروقی سے لے کر تیسری صدی کے تقریباً اوسط تک کے علماء وائمہ کے مذاہب رکعات تراویح کے باب میں، اور یہ تھا اُس عہد کے مسلمانوں کا معمول، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، بغداد اور بلاد خراسان میں۔ ایک بار اس کو آپ پھر پڑھ جائیے اور دیکھیے کوئی بھی آٹھ رکعت پر اکتفا کرنے کا قائل نہ تھا اور کہیں بھی اس پر عمل تھا۔"
- ــــ "تابعین میں یزید بن رومان، یحییٰ بن سعید، عبد العزیز بن رفیع عہد فاروقی میں بیس ہی پڑھنے کا ذکر کرتے ہیں"
- ــــ "واکثر اھل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ (ترمذی)
اور اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں جو حضرت علی و حضرت عمر اور دوسرے صحابہ سے مروی ہے۔ یعنی بیس رکعت کے!"

یات کی روشنی میں عقل و ضمیر کسی طرح اس بات کو نہیں مان سکتے کہ صحابہ کرام اور تابعین کی کثیر جماعت رکعاتِ تراویح میں سنتِ رسول کی معاذ اللہ مخالف
ی! سچی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی کوئی قطعی معین تعداد ثابت نہیں ہے! اس لئے اہل حدیث اور احناف یا دوسرے
والے آٹھ یا آٹھ سے جتنی بھی زائد تراویح پڑھتے ہیں، ان پر خلاف سنت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ چونکہ تمام مسلمان اتباع سنت ہی کی سب

ص ۲۹ پہ "سرمہ ڈالنا" لکھا ہے، درست "سرمہ لگانا" ہے، سرمہ ڈالا نہیں جاتا، لگایا جاتا ہے۔

تراویح پڑھتے ہیں، اس لئے تعداد رکعات کے اختلاف کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ اس مسئلہ میں شدت اختیار کر

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن نے یہ کتاب بڑی تحقیق کے ساتھ لکھی ہے اس کے مطالعہ سے احناف کے فقہی مسلک کے بارے میں غلط

ہوتا ہے کہ یہ مسلک بھی کتاب و سنّت اور آثارِ صحابہ ہی سے عبارت ہے؛ اور تفقہ فی الدین میں حنفی مذہب ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

حیات حافظ رحمت خاں (طبع ثانی)

تالیف:۔ سید الطاف علی بریلوی، ضخامت ۴۴۴ صفحات، مجلد رنگین گرد پوش، قیمت

ملنے کا پتہ:۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ناظم آباد، کراچی۔

جناب سید الطاف علی بریلوی نے اردو فارسی اور انگریزی کی درجنوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد حافظ رحمت خاں مرحوم کی سوانح عمری مرتب

کی اور اسی خاندان کے ایک لائق فرزند صاحبزادہ عبدالواجد خاں صاحب کی مالی اعانت کی بدولت یہ کتاب ۱۹۳۲ء میں زیورِ طبع

سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آگئی، اب تیس سال کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے!

"حیات حافظ رحمت خاں" کو عوام سے زیادہ خواص نے پسند کیا، سید الطاف علی بریلوی کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

کا عہدہ ملا، وہ اسی تالیف کے سبب ملا، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم و مغفور جو ایجوکیشنل کانفرنس کے

انہوں نے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں سید صاحب موصوف کے بارے میں فرمایا۔

"ہمیں کام کا آدمی مل گیا ہے، اس لئے دوسری درخواستیں دیکھنے کی ضرورت نہیں"

سید الطاف علی بریلوی صاحب واقعی کام کے آدمی نکلے اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے عہدے کے اہل ثابت ہوئے ۴۴ سال تک ہندوستان اور

بعد پاکستان میں وہ اپنی ذہانت، قابلیت اور فرض شناسی کا مسلسل ثبوت دیتے رہے ہیں۔

اس کتاب میں حافظ رحمت خاں کی زندگی کو اس قدر تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ اب سے دو سو سال پہلے کی ہندوستانی

سیاسی واقعات اس ذیل میں آگئے ہیں: صفدر جنگ، سعد اللہ خاں، نواب قائم خاں بنگش، نواب احمد خاں، نجیب خاں، عماد الملک،

شاہ عالم، قاسم علی خاں نواب مرشد آباد، راجہ بلونت رائے، نول سنگھ، عنایت خاں، مظفر جنگ، ضابطہ خاں، ہیسٹنگز اور نواب

وغیرہ جو اس دور کی مشہور سیاسی شخصیتیں ہیں، اس کتاب کے ذریعہ ان سے تعارف ہوتا ہے اور یہ بھی کہ کس نے کیا کردار ادا کیا؟ شاہ

کی تفصیل اور مرہٹوں کی جنگوں کا حال بھی اس میں ملتا ہے!

حافظ الملک نواب رحمت خاں کے ذاتی حالات، اخلاق و عادات، معمولات، علم و فضل، شجاعت و شہامت اور طرز حکو

سے یہ کتاب مزین ہے، عروج کے بعد اس زوال کا منظر بھی کتاب مذکور میں نظر آتا ہے کہ حافظ الملک کی شہادت کے بعد روہیلوں کا

جاتا ہے اور روہیل کھنڈ کے علاقہ کے سینکڑوں گاؤں جلا کر خاک سیاہ کر دئے جاتے ہیں پھر حافظ خاں کے خاندان کو نکبت و ادبار اور

پڑتا ہے۔

ہمیں است رسمِ سرائے فریب گہے بر فراز و گہے بر نشیب

غرض یہ کتاب زمانہ کے عروج و زوال کا عبرت انگیز مرقع ہے اور "تلک الایام نداولہا بین الناس" کی شرح و تفسیر کتاب کا آخری حصہ

کے خاندان کے حالات پر مشتمل ہے۔

فاضل مورخ کی یہ پہلی تالیف ہے اس وقت تک قلم میں خاطر خواہ پختگی نہیں آئی تھی اس لئے بعض مقامات پر زبان و بیان کی کمزوری

ر قطب الدین خاں مع بہت سے ہمراہیوں کے جنگ کرتا ہوا مارا گیا" (ص ۸۰) "مع" کا اس طرح استعمال قدیم انداز بیان اور
ہ ـــــ "قلعہ الٰہ آباد کی تسخیر کی اور بھی کاوش بڑھ گئی" (ص ۱۰۰) "کاوش بڑھ گئی" کھٹکتا ہے ـــــ "چار سو مرد مردانہ کے
ـ صفدر جنگ کے لشکر میں پہنچ گئے" (ص ۱۰۵) "مرد مردانہ" محلِ غور ہے ـــــ "بہت سے سخنانِ نصیحت آئین ارشاد فرمائے"
ف انداز بیان ـــــ "تیس کوس پر آکر افواہ ان بلائے ناگہانی اور قابض ارواح کی طرح جھنکو کے سر پر نازل ہو گیا" (ص ۱۵۰)
سے کیا مراد ہے! غالباً وہ ارواح جو اجسام سے قبض کر لی جاتی ہیں مگر "قابض ارواح" کا سر پر نازل ہونا کوئی مسلمہ
ارواح کی جگہ "بری ارواح" لکھنا تھا ـــــ "کسی طرح احمد خاں کی مشارکت ترک نہیں کرتے" (ص ۱۶۷) شرکت
ھ دینے کے معنی میں "مشارکت" اردو میں عام طور پر نہیں بولا جاتا! یہ لفظ جگہ جگہ ... معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔
اب سعد اللہ خاں خاں کی سالِ وفات ... (ص ۱۷۰) "سال" تو بالاتفاق مذکر ہے ـــــ "حافظ الملک کی خواہش سے
بریلی میں رہتے تھے" (ص ۱۷۱) اس جملہ میں لوستقوں کا سا انداز بیان پایا جاتا ہے ـــــ "نواب صاحب کو حضرت شاہ
ہت عقیدت تھی اکثر مزار اقدس پر تشریف لے جاتے، اور یہ شعر پڑھتے": ؎

خوب واقف ہے مرے حال سے شاہ دانا
عرضِ حاجت تری درگاہ میں نادانی ہے

کے اس عقیدے پر لائق مؤلف کو تنقید کرنی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خبیر و علیم نہیں ہے! اور وہی سمیع الدعا، دافع البلا
ات ہے۔

کتاب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ۱۶۶۷ء میں راجہ مکرند رائے نے بریلی کی مسجد بنوائی تھی اور آج کے "بھارت" میں ہزاروں مسجدیں
، توڑ پھوڑ دی ہیں یا ان پر قبضہ کر رکھا ہے ؎ وہ بھی کیا زمانہ تھا، آج کیا زمانہ ہے
فاضل مصنف کوئی شک نہیں حافظ رحمت خاں سے غیر معمولی عقیدت رکھتے ہیں مگر اُن کے قلم نے دیانت دارانہ تنقید کا فرض بھی انجام
ـ کتاب کے ایک باب کا عنوان ـــــ "سردارانِ روہیلہ پر تقسیم ملک اور حافظ الملک کی سیاسی غلطی" ہے (ص ۱۰۰)، دوسری جگہ

"حافظ الملک کا اس موقع پر شجاع الدولہ کو انگریزوں سے صلح کا مشورہ دینا ایک سیاسی غلطی تھی"۔ (ص ۱۸۹)
حیاتِ حافظ رحمت خاں" کوئی شک نہیں سید الطاف علی بریلوی کا قابل ستائش کارنامہ اور اُردو تاریخ میں لائق ذکر اضافہ ہے۔

رت فریدیہ

مؤلفہ: سر سید احمد خاں، مرتبہ: محمود احمد برکاتی، ضخامت ۱۷۶ صفحات (مجلد) قیمت تین روپے
ملنے کا پتہ: سلطان حسین اینڈ سنز عیدگاہ بندر روڈ، کراچی۔

ں مرحوم نے اپنے نانا نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فرید احمد خاں بہادر مصلح جنگ وزیر ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی کی سیرت
پہلی بار ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی اور اب تقریباً ستر سال کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آیا ہے! "سیرتِ فریدیہ" کو مولانا حکیم
... ٹونک کے مشہور خانوادے کے چشم و چراغ ہیں، جن کا مطالعہ خاصہ وسیع ہے۔ اور شعر و ادب کا

پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔

فاضل مرتب نے "سیرت فریدیہ" پر خاصا بسیط و مفصل دیباچہ لکھا ہے، جس میں سرسید احمد خاں کے حالاتِ زندگی پر تنقید بھی کی ہے! انہوں نے مولانا حالی کی تحریر کی بنا پر لکھا ہے کہ سرسید احمد خاں کی تعلیم ناقص اور نامکمل رہی، اور وہ نہ بہرہ مند تھے اور نہ مغربی علوم سے آشنا تھے نہ عربی پر قدرت رکھتے تھے، نہ انگریزی میں درک نہ ماخذ کی خبر نہ اُن تک رسائی رہی سرسید کی سیاسی زندگی، اُس کے بارے میں حکیم محمود احمد صاحب برکاتی کی یہ رائے ہے:۔

"اس جنگ (۱۸۵۷ء) میں ارباب ہند دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں، ایک طرف ——— ہماری طرف ——— بخت خاں، فیروز شاہ، فضل حق اور محمود خاں وغیرہم تھے، جب بھی ان کا ذکر چھڑ جاتا ہے ہمارے دل دھڑک دھڑک کر اُن کو سلامی دیتے ہیں! دوسری طرف ہمارے مقابل منشی رجب علی الٰہی بخش اور سرسید وغیرہم تھے، ان کے دامنوں پر فرنگیوں کی اعانت و حمایت اور نصرت کا داغ ہے۔۔!"

"سرسید اس معرکہ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء) میں ہماری صفوں میں نہیں دشمن کی صفوں میں دیکھے گئے ان کی ہمدردیاں اور وفاداریاں ملک و اہل ملک کے ساتھ نہیں تھیں حکام انگریزی کے ساتھ تھیں"

حکیم صاحب نے سرسید کی نثر کے بعض اقتباسات درج کر کے لکھا ہے کہ:۔

"زبان اور اسلوب ناقص، محاورات اور صفات الیہ میں نقص ہے، پیکر قدر گراں گزرتا ہے۔"

انہوں نے مثالیں دے کر بتایا ہے کہ اس کتاب میں زبان کی متعدد غلطیاں پائی جاتی ہیں مثلاً سرسید نے تنگی کے لئے "تہمت" استعمال کیا، اصل لفظ تہ بند ہے جو بگڑ کر "تہمد" ہو گیا ہے۔ "تہمت" مذکر صرف دکن کی زبان ہے! سرسید نے "لوز" کی جمع الجمع "لوزاتیں" بنائی ہے جو درست اور مانوس نہیں۔ "سیرت فریدیہ" کے بارے میں حکیم صاحب موصوف کی یہ رائے ہے:۔

"سیرت فریدیہ" زبان و ادب کے نقطۂ نظر سے ایک غیر معیاری کتاب ہے اور فنی اعتبار سے مجموعۂ اغلاط و تناقض"

حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے اس کتاب کی بعض تاریخی اور واقعاتی غلطیوں کی نشان دہی بھی کر دی ہے مثلاً سرسید نے لکھا تحصیل علوم میں یہ عہد میں زیادہ مشہور نہ تھا اس پر حکیم صاحب نے حاشیہ میں تنقید کی ہے:۔

"یہ حضرات دہلی پر بہت بڑا اتہام ہے۔ آخر علامہ تفضل حسین خاں نے بھی تو دہلی ہی میں تحصیل کی تھی، پھر اُسی دور میں علامہ فضل امام خیرآبادی شاہ ولی اللہ اور اُن کے صاحبزادگان گرامی شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین وغیرہ جیسے یگانۂ روزگار صاحبان کمال و ماہر علماء موجود تھے۔"

حکیم صاحب موصوف نے کتاب کے آخر میں ان مشہور شخصیتوں کے مختصر حالات لکھے ہیں، جن کے نام "سیرت فریدیہ" میں آئے ہیں۔ حکیم غلام نجف خاں کا سلسلۂ اسناد جو انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملایا ہے وہ ایک چٹکلہ دینے والا تاریخی لطیفہ ہے۔

حکیم ناصر الدین احمد خاں مرحوم کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ "اُن کا شہرہ دکن تک پہونچا اور پھر سلطان دکن کے محلات تک پہونچے۔ (ص ۱۶۹) اس میں واقعیت کم اور مبالغہ زیادہ ہے۔

"سلسلۃ الملوک کے نام سے جو جدول شائع کیا تھا" (ص ۱۱۰) "جدول" مذکر نہیں، مؤنث ہے، ناسخ لکھنوی فرما

جا بجا تعریف لکھی ہے خطِ رُخسار کی
چاہیے جدول مرے دیوار کو زنگار کی

لہ کے اس جُملہ " ایک کمپنی سپاہیوں کی بطور تنظیم تعینات کی گئی " پر حکیم صاحب نے جو گرفت کی ہے کہ ـــــ " فصحا اس جگہ "متعین" یہی صحیح بھی ہے ، تعینات کا استعمال اہل علم کے یہاں نہیں دیکھا گیا " (ص ۶۵) وہ درست نہیں ! " تعینات " اُردو روزمرہ ہے ! غالبؔ وہین کی " قاموس الاغلاط " پڑھ کر انہیں یہ مغالطہ ہوا کہ " تعینات " فصحا کی زبان نہیں ہے ۔

ن کا ایک جملہ ہے :ـــ

چند سال وہاں بھی نہایت عروج سے رہے " (ص ۱۲۹) " عروج سے رہنا " محلِ غور ہے ـــــ " اس تکلیف سے میری والدہ کی طبیعت جادۂ رف ہوگئی ہے " (ص ۱۴۷) یہ کس قدر پُرتکلف اندازِ بیان ہے جو سر سید کو زیب نہیں دیتا ۔

ل کتاب (سیرت فریدیہ) کوئی شک نہیں ایک اہم تاریخی دستاویز ہے اور اس پر حکیم محمود احمد برکاتی کا نقد و تبصرہ بھی خوب ہے ۔ سر سید حکیم صاحب کا نقد و احتساب ناگوار گزرے گا مگر کوئی ناقد اور اہل قلم کسی کی ناگواری کے خیال سے اپنے ضمیر کی آواز کو نہیں دبا سکتا

معاہدہ عمرانی یا قانون سیاسی

از :- ژاں ژاک روسو مقدمہ و حواشی :- ڈاکٹر محمود حسین

ضخامت ۴۶۴ صفحات (دیدہ زیب ٹائپ ، خوبصورت پائدار جلد ، دبیز کاغذ) قیمت نو روپے ۔

ملنے کا پتہ :- شعبہ تصنیف و تالیف کراچی

وسو (پیدائش ۱۷۱۲ء) کی شہرۂ آفاق کتاب " کونترا سوسیال " (Contrat Social) ـــ معاہدہ عمرانی ـــ کا ے تیس سال پہلے جامعہ ملیہ دہلی نے شائع کیا تھا ۔ اب لائق مترجم ڈاکٹر محمود حسین صاحب نے طبع اول پر نظرِ ثانی فرما کر اس میں معمولی رد و بدل کے بعد شعبہ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی نے بڑے اہتمام سے اس کا دوسرا ایڈیشن چھاپا ۔

ڈاکٹر محمود حسین نے اس کتاب پر فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے جس میں روسو (Jean Jacques Rousseau) کے حالاتِ زندگی کے علاوہ اُس کے فلسفہ سے ، بارہ لکھتے ہیں :ـــ

" فرانسیسی انقلاب کے زمانے میں روسو کی یہ تصنیف انقلابیوں کی انجیل تھی ۔ اُن کے لئے دنیا کے تمام سیاسی حقائق اس کے اندر موجود تھے ۔

روسو کے " معاہدہ عمرانی " کا جو درجہ فلسفۂ سیاسیات میں ہے وہی رتبہ " ایمیل " کا فلسفۂ تعلیمات میں ہے ـــ روسو کی تمام تصانیف کو پڑھتے وقت ایک بات کا ہمیشہ لحاظ رکھنا چاہیے ، وہ یہ کہ اس نے اپنے خیالات شاعرانہ زبان میں ادا کئے ہیں ۔

اس فلسفہ کی اہمیت کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکتا ہے کہ جدید فلسفہ کا سب سے بڑا امام " کانٹ " اپنے تمام سیاسی اور عمرانی نظریوں کے لئے خود اپنے قول کے مطابق روسو کا رہینِ منت ہے "

سو کی کتاب کے چند منتخب اقتباسات :ـــ

ـــــ " ہر شخص کو اس کا حق حاصل ہے کہ اپنی زندگی کی بقا کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالے کبھی بھی کسی نے اس شخص

کیوں اپنے آپ کو آگ سے بچانے کے لئے کھڑکی میں سے کود پڑے کیا خودکشی کا مجرم قرار دیا ؟

- ـــ "ہم اگر خود قاتل ہوتے ہیں، تو اپنے مرنے پر رضامند ہو جاتے ہیں۔"
- ـــ "ریاست جتنی بڑی ہوگی آزادی میں اسی اعتبار سے کمی واقع ہوگی۔"
- ـــ "حکومت اور ریاست میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ ریاست کا وجود بذاتہ ہوتا ہے مگر حکومت کا وجود ریاست سے وابستہ ہوتا ہے"
- ـــ ریاست جتنی وسیع ہوتی جاتی ہے اتنی ہی اس کی حقیقی طاقت بڑھتی جاتی ہے (مگر روسو ریاست کے وسیع ہونے میں یہ عیب دیکھتا ہے کہ ریاست کی وسعت کے بقدر آزادی میں کمی واقع ہوگی ـــ م۔ ق)
- ـــ "حقیقی حکومت عوام کا وجود اپنے اصلی معنوں میں کبھی بھی دنیا میں نہیں رہا اور نہ آئندہ ہوگا (روسو کا یہ خیال صحیح نہیں ہے ـ م۔ ق)
- ـــ "مطلق العنان حکومت رعایا پر حکومت اس لئے نہیں کرتی کہ اُسے مرفہ الحال بنائے، وہ اسے اتنا تباہ حال بناتی ہے تاکہ اُس پر حکمرانی کر سکے"
- ـــ "لوگ اپنی دولت کا ایک حصہ اس لئے قربان کر دیتے ہیں کہ بچی ہوئی دولت میں بلا مزاحمت اور فراغت سے اضافہ کر سکیں۔"
- ـــ "اگر کوئی شہری معاملات ریاست کے متعلق یہ کہہ دے کہ ان سے مجھے کیا غرض؟ تو سمجھ لینا چاہیے کہ ریاست کا خدا ہی حافظ ہے۔"
- ـــ "مسیحی شریعت ریاست کے مستحکم دستور کے لئے اتنی مفید نہیں جتنی مضر ہے۔"
- ـــ "مسیحیت ایک خالص روحانی دین ہے، جو شروع سے آخر تک آسمانی امور سے متعلق ہے، مسیحی کا ملک یہ دنیا نہیں۔"

اعتراف ـــ "مذہبی عبادت اور ریاست کے درمیان لازمی طور پر کوئی علاقہ نہ تھا، اس مسئلہ میں حضرت محمدؐ کی رائے نہایت صائب و سلیم تھی۔ انہوں نے اپنے نظام سیاسی کو کامل طور پر متحد و محکم بنا لیا تھا، اور اُن کے خلفاء کے ماتحت ان کا مقرر کیا ہوا طریقۂ حکومت قائم رہا، حکومت واحد و غیر منقسم رہی اس لحاظ سے بہت اچھی رہی۔۔۔"

اس کے برخلاف روسو دوسرے مذاہب کے بارے میں یہ حکم لگاتا ہے۔

"مذہب کی ایک تیسری اور بہت انوکھی قسم بھی ہے جس میں دو قسم کے قوانین، دو حکمران اور دو ملک ہوتے ہیں اور جو اپنے پیروؤں پر متضاد قسم کے فرائض عائد کرتا ہے اور نہ تو دین دار انسان بننے دیتا ہے اور نہ شہری! یہی مذہب لاما کا ہے، یہی جاپانیوں کا اور یہی رومن کیتھولک کا ہے، اسے پادریوں کا مذہب کہا جا سکتا ہے یہ مذہب ایک ایسی مخلوط اور معاشرتی شریعت کی طرف لے جاتا ہے جس کا کوئی خاص نام نہیں۔"

روسو کے اس جملے میں کتنی ادبیت اور ندرت پائی جاتی ہے ـــــــ

"یاد رکھو شہر پناہ گاہیں گاؤں کے کھنڈروں کی اینٹوں ہی سے تعمیر ہوتی ہیں اور دارالحکومت کے ہر عالی شان محل میں مجھے ایک پورے دیہاتی علاقے کی تباہی و بربادی نظر آتی ہے ۔"

کوئی شک نہیں روسو کی یہ کتاب مقبول خاص و عام ہے اور شہرۂ آفاق کتاب ہے' اُس نے "معاہدہ عمرانی" کا جو فلسفہ اس کتاب [میں پیش] کیا ہے' وہ جمہوریت، حکومت، شورائیت اور عمرانیت کے حدود مقرر کرتا ہے! روسو کے خیالات بے شک بہت اعلیٰ ہیں مگر اس قسم کی کمزور[یاں] اس کتاب میں ملتی ہیں :ـــ

"بہرکیف اگر ریاست مناسب حدود میں محدود نہ کی جاسکے، جب بھی ایک تدبیر ہے' وہ یہ کہ کوئی ایک دارالحکومت قرار نہ دیا جائے بلکہ حکومت باری باری ہر شہر میں منتقل ہوتی رہا کرے ۔" (ص ۱۶۱)

ہمارے موجودہ دور سیاست میں تو یہ مشورہ ایک مضحکہ اور اعجوبہ سے کم نہیں ہے! کتاب کا ترجمہ خوب نہیں، بہت خوب ہے جس پر نا[شر] [مترج]م علمی دنیا کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں !

فارقلیط

از :- عبدالعزیز خالد، ضخامت ۲۹۶ صفحات دیدہ زیب دہلی ٹائپ، مجلد، رنگین گرد پوش کے ساتھ، قیمت ۱۲ روپے
ملنے کا پتہ :- الیان پبلشرز ۴ ۔ فیض محمد فتح علی روڈ، پاکستان چوک کراچی ۔

جناب عبدالعزیز خالد نظم گوئی میں اپنا خاص رنگ رکھتے ہیں' اُن کا مطالعہ بہت وسیع اور حافظہ قوی ہے، اس لئے تاریخ و ادب اور [ا]خلاق کی تلمیحات کی رنگا رنگی اُن کے کلام میں پائی جاتی ہے !

انجیل مقدس میں حضرت خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو "فارقلیط" کہا گیا ہے، جس کے معنی ستودہ صفات (احمد) [ہیں] حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے اپنے بعد حضور کی بعثت کی بشارت دی تھی (یاتی من بعدی اسمہ احمد) یہ بات اپنی جگہ [...] نیصدی حق ہے کہ حضور دعائے خلیل بھی ہیں اور بشارت مسیح بھی ہیں (فداہ ابی و اُمی)

عبدالعزیز خالد کی یہ نظم نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت سے عبارت ہے، پوری نظم جو ۲۳۰ صفحات پر چھپی ہوئی ہے ایک ہی ج[گہ] [قا]فیہ میں ہے' اُردو، فارسی اور عربی کے کسی شاعر نے ـــــ اس التزام کے ساتھ اتنی طویل نظم نہیں کہی یہ دلیل ہے شاعر کی قدرت سخن اور [زود] گوئی کی! اور اس کی بھی کہ وہ حضور رسالت مآب کی ذات گرامی سے گہری عقیدت رکھتا ہے (اللھم زد فزد)

عربی الفاظ کی کثرت اور گراں باری کا یہ عالم ہے کہ ـــــ حسن التبعل، ترفل، تمہفس، منکوس، حالقہ، سالقہ، شاقہ، [...] [مف]تنزار، اشتلم (یہ لفظ ترکی معلوم ہوتا ہے) مہرالبغی، جیسے الفاظ اس نظم میں استعمال ہوئے ہیں، جن کے معنی جاننے کے لئے لغات کی [ورق گرد]انی پڑے گی ۔

کردار و شخصیات کی یہ رنگا رنگی اور فراوانی ہے کہ حبابہ، خلیدہ، شماسیہ ـــــ ابن میسون، مجدلانی، الیکلیذ، عموقی، [...] [...]ز، الیفز، بلدد اور صوفر و اہل کبود جیسے نام آئے ہیں جن کے حالات معلوم کرنے کے لئے بہت سی کتابوں کو پڑھنا ہوگا! کتاب کا آخری با[ب]

ص ۲۲۱ پر غالباً کمپوزیٹر کی غلطی سے "مفروضہ" کی جگہ "فرضیہ" چھپ گیا ہے، ص ۲۲۲ کے ذیلی نوٹ میں "لالچ" کو مونث لکھا ہے، حالانکہ [لالچ] بالاتفاق مذکر ہے (م۔ق)

خریدی ہے دل بیچ کر جان میں نے ٭ یہ سودا اگرچہ بھی سستا پڑا ہے
تو دل جوئی و غم گساری کا پیکر ٭ تو خیر البشر اشرف الانبیاء ہے

لتاب:- وہ محبوب اعظم ہے صلّوا علیہ ٭ وہ جانِ محبت ہے کانِ وفا ہے
مبلّغ چلے داعیٔ خیر بن کر ٭ قضا ساربان ہے، اجل رہنما ہے
مجھے کوہ تنعیم ہے، کوہ سینا ٭ یہ دہلیز دروازۂ کبریا ہے
لٹاتا ہے دیکھو صہیب اپنی دولت ٭ زخارف کی آخر حقیقت ہی کیا ہے
نوالا تھا فورا ولا نحن فوا کی ٭ دلیلِ رہ شدت و ابتلا ہے
فطوبیٰ لکم ایہا السابقون ٭ شرف افضلیت کا تم کو ملا ہے
سب انسان آدم سے مٹی سے آدم ٭ تفوق کا معیار خوفِ خدا ہے
تراشو نہ بت رنگ و نسل و وطن کے ٭ فضیلت کا معیار صرف اتقا ہے

ب:- ترازو میں تولا ہے ٹیلوں کو کس نے ٭ ہواؤں کو کس نے مسخر کیا ہے
ہے اضداد سے رونقِ بزمِ عالم ٭ بہار و خزاں سے نمو و نشا ہے
تنوع پہ قائم ہے یہ کارخانہ ٭ ہر اک شے کا منہاج و مسلک جدا ہے
ہے مدح و ملامت موحد کو یکساں ٭ خدا کی فقط وہ رضا ڈھونڈتا ہے
بشر گھاس کا پھول شبنم کا قطرہ ٭ نوامیسِ فطرت سے جنگ آزما ہے
وہ حصنِ حصین دل کا بُرجِ مقفّیہ ٭ ان آسانیوں نے مسخر کیا ہے

اب:- ہے سرمایہ عافیت، بحرِ دریا ٭ سفینہ رہی گرداب میں ڈوبتا ہے

لتاب:- ہے سجادہ خونِ مسلماں سے رنگیں ٭ یہ اسلام کی سنتِ جاریہ ہے
تھا عاشق کا خوں رنگ لاکر رہے گا ٭ جو دھل جائے پانی سے رنگِ حنا ہے
رفت و عود ہمراہ کاسِ مروّق ٭ نہ بیم عسس ہے نہ خوفِ خدا ہے

ب:- کتابِ خدا زینتِ طاقِ نسیاں ٭ کتاب الاغانی کا دفتر کھلا ہے
حسینانِ نوشیں لب و سیمبر نے ٭ گزشتہ زمانے کو رٹ دیا ہے
ہیں گردغزیاں پہ چھینٹے لہو کے ٭ یہ اجرِ شہیدانِ خونیں قبا ہے

ناب:- یہ نظارگی شہرِ بیگانگی کی ٭ زباں آشنائے السرآ ہے
کہاں نعت و نامِ رسولِ تہامی ٭ کہاں وہ زباں جو کہ لکنت زدہ ہے
پیمبر کہے اتی لست بشاعر ٭ کہ یہ مرتبہ میرے مملوک کا ہے

خ:- دمِ گفتگو منہ سے کرنوں کی بارش ٭ دہن مہر تاباں کو شرما رہا ہے (ص ۱۱)
"دہن" کی نہیں، چہرے کی تشبیہ مہر تاباں سے دی جاتی ہے۔
بوئے مشکِ اذفر سی ہے بدن میں ٭ ترا پیرہن قطعہ گلزار کا ہے (ص ۱۲)

"ادھ رد" وغیرہ الفاظ صوتی طور پر واؤ معروف کے ساتھ بولے اور شعروں میں استعمال کئے جاتے ہیں" اس طرح ہے۔

ظ عمل میں آیا۔ اُن کے بارے میں اس کتاب میں لکھا ہے :۔

"حیدرآباد دکن کی صدارتِ عظمیٰ پر کسی زمانے میں سالار جنگ اول، سر علی امام اور سر اکبر حیدری جیسے مدبرین اور غیر معمولی صلاحیت اور قابلیت والی ہستیاں فائز رہی ہیں، اس پہلی مرتبہ ایک ایسے عوامی صدر اعظم (یعنی میر لائق علی) کا تقرر منظور ہوا، جس کو نہ سیاست کا تجربہ تھا نہ پبلک لائف سے واسطہ بلکہ محض ایک صنعت کار تھا اور یہ تقرر ایک ایسے زمانے میں ہوا تھا جب کہ ملک موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا .... اگر لائق علی کو بلا کسی پابندی کے خود مختاری کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملتا تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ حالات کو سازگار بنانے کی کوشش کرتے، لیکن وہ قاسم رضوی کے نامزد کردہ تھے، اتحاد المسلمین نے جو حیدرآباد کے مستقبل کے منصوبے تیار کئے تھے، اُس سے تجاوز نہیں کر سکتے تھے۔" (ص ۱۵۲-۱۵۳)

من مصنف کی خوش خیالی اور حسنِ ظن ہے، میر لائق علی کو پاکستان میں حیدرآباد ٹرسٹ کی نگرانی کا موقعہ ملا، وہ کسی پابندی اور روک ٹوک کے یٹ کے سپید و سیاہ کے مالک تھے مگر ٹرسٹ کا جو حشر ہوا ہے وہ اُن کا افسوس ناک کارنامہ ہے۔

سر والٹر مانکٹن، سر سلطان احمد وغیرہ نے حکومت دکن کے نمائندوں کی حیثیت سے بھارت گورنمنٹ سے جو معاہدہ کیا تھا، اُس "معاہد ام جاریہ" کو قاسم رضوی نے حیدرآباد کے خاتمہ سے تعبیر کیا۔ اور اس پر میر عثمان علی خاں نظام دکن کے دستخط نہیں ہونے دئے قاسم رضوی کی ا کے بارے میں مصنف کی یہ رائے ہے :۔

"ہندوستان سے گفت و شنید کی طویل مدت میں قاسم رضوی سے یہی سب سے بڑی غلطی سرزد ہوئی جس نے حیدرآباد کی قسمت پر مہر لگا دی، ہندوستان اور حیدرآباد کے درمیان اختلافات کی جو خلیج تھی وہ وسیع سے وسیع تر ہو گئی۔"

صاحب چھتاری (سر احمد سعید خاں) کے بارے میں وہ لکھتے ہیں :۔

"معاہدہ انتظام جاریہ پر نظام کے دستخط سے قبل ہی وزارتِ عظمیٰ میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ نواب چھتاری طبعاً شریف، مسلمانوں کے ہمدرد اور خاندانی آدمی تھے ہی جاہ ضرور تھے، لیکن حالات جو تیزی کے ساتھ بدل رہے تھے اُس سے نپٹنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، علاوہ ازیں صوبہ متحدہ ہند میں ان کے مفادات زمینداری سے وابستہ تھے، جن کو وہ اپنی ملازمت پر قربان نہیں کر سکتے تھے۔"

رضوی اور جنرل العیدروس پر تنقید و احتساب :۔

- "قاسم رضوی کو پہلے ہی سے اس بات کا اندازہ تھا کہ صیانتی کونسل میں حیدرآباد کا مسئلہ پیش ہوتے ہی ہندوستان، حیدرآباد پر حملہ کر دے گا، اور بالکل ایسا ہی ہوا، اس بیان پر رضوی نے یہ دعا مانگی تھی کہ ہندوستان اور حیدرآباد کی کشمکش کا جلد خاتمہ ہو تاکہ دونوں میں سے کوئی ایک فنا ہو جائے، انہیں اس کا علم بھی تھا کہ قوی اور ضعیف کی کشمکش میں ضعیف ہی خسارے میں رہتا ہے، اس کے باوجود انہوں نے حیدرآباد کو جو کسی طرح ہندوستان سے جنگ کرنے کے موقف میں نہ تھا، فنا کے گھاٹ اتار دیا۔
- "حیدرآباد کی فوج جنرل العیدروس کے زیر کمان تھی، جنہیں نہ صرف حیدرآباد کی فوجی بضاعتی کا علم تھا بلکہ ہندوستانی

فوج کی طاقت و قوت کا بھی بخوبی اندازہ تھا۔ لیکن اپنی اہمیت جتانے کے لئے بادشاہ، وزیراعظم اور قائدِ قوم سب کو انہوں نے اس فریب میں مبتلا رکھا کہ حیدرآباد کی فوج کا مورال (MORALE) اتنا بلند ہے کہ وہ آسانی سے تین مہینوں تک ہندوستانی فوج کا مقابلہ کرسکتی ہے، لیکن فوج کو جنگ تیار کرنے کے لئے جو جتن کئے جاتے ہیں، اس سے مجرمانہ غفلت برتی، اُس سے اُن کی وفاداری بھی مشکوک ہوتی جاتی ہے۔"

● —— "العیدروس شخصی طور پر ہندوستان کے فوجی کمانڈروں کی صلاحیتوں سے بھی واقف تھے، حیدرآبادی فوج کی بے مائگی، تعداد کی قلت، اسلحہ کا فقدان اور ہمبار طیاروں کی عدم موجودگی کا بھی اُنہیں علم تھا، دیانت داری کا اقتضا یہ تھا کہ وہ قاسم رضوی اور لائق علی دونوں کو اچھی طرح جتلا دیتے[1] کہ حیدرآباد کی فوج ہندوستان کی فوج کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی ۔ ۔ ۔"

جناب باشکیب نے حالات کا کس قدر صحیح اور معقول تجزیہ کیا ہے ——

"ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ انتظام جاریہ کے بعد ہندوستان سے مستقل معاہدہ ہو جاتا تو اس میں شک نہیں کہ ہمارا سیاسی موقف اور اقتدار ختم ہو جاتا، لیکن ہمیں پھر بھی حیدرآباد میں ایک باعزت زندگی بسر کرنے کا موقع کم از کم چند سالوں تک حاصل رہتا، معاشی حیثیت سے مسلمان تباہ نہ ہوتے ان کی جائدادیں محفوظ رہتیں اور لاکھوں کی تعداد میں وہ قتل و غارت گری کا شکار نہ ہوتے۔"

انگریزی کی بے وفائی اور ڈپلومیسی کو باشکیب کے قلم نے اس طرح بے نقاب کیا ہے ——

"انگریزوں کے پاس حیدرآباد کو اس وقت تک بڑی اہمیت حاصل رہی جب تک اُن کے دل میں ہندوستان سے دامن جھٹک کر چلے جانے کا خیال پیدا نہیں ہوا۔ لیکن جونہی ہندوستان چھوڑنے کا انہوں نے فیصلہ کیا اس کے سارے احسانات، اُس کی دوستی اور وفادارانہ خدمات کو فراموش کر دیا، اُس کے سوا وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے، انہیں ہندوستان کی نئی قومی حکومت سے اپنے معاشی اور تجارتی تعلقات قائم رکھنے تھے۔ تاکہ یہاں کی سیاست سے کنارہ کش ہو جانے کے بعد ہندوستان کو برطانیہ کا معاشی اور اقتصادی حیثیت سے دست نگر کیا جا سکے اپنے اس مفاد کی خاطر وہ نظام حیدرآباد اور کسی والیٔ ریاست کے ساتھ مخصوص سلوک کرنے کے موقف[2] میں نہیں تھے۔"

صفحہ ۲۰ پر وہ لکھتے ہیں: ——

"۔ ۔ ۔ حتیٰ کہ والیٔ ملک کی اولاد والا شان تک ساہوکاروں اور مہاجنوں کے پنجوں میں جکڑی ہوئی تھی۔"

اس میں مبالغہ کا رنگ پیدا ہو گیا ہے، نظام حیدرآباد کے دونوں فرزند اعظم جاہ اور معظم جاہ بے شک مہاجنوں اور ساہوکاروں سے قرض لیتے

---

[1] لیکن ایسا کرنے پر قاسم رضوی علامہ اقبال کا یہ مصرعہ پڑھ دیتے —— مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
[2] "موقف" کی جگہ صحیح لفظ "حق" ہو سکتا تھا —— م۔ق

ے مگر وہ ایسا قرض نہیں تھا جسے "مہاجنوں کے پنجوں کے جکڑنے" سے تعبیر کیا جائے ۔

لائق مصنف نے حیدر آباد کے رضاکاروں کی دست درازی کا بھی اعتراف کیا ہے اور اس کمزوری پر پردہ نہیں ڈالا، وہ لکھتے ہیں ۔

"ضلع ناندیڑ کے قصبہ لوہا کا واقعہ قابلِ ذکر ہے، جو نہ صرف ہندوؤں کی بڑی تجارتی منڈی تھی بلکہ یہاں کے ہندو بڑے مالدار بھی تھے ایک منظم منصوبہ کے تحت اس قصبہ کو تاراج کیا گیا، یہاں کی غارت گری کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ناندیڑ میں لوٹ کا سونا فی تولہ تیس بتیس روپیہ سے فروخت ہوا جب کہ بازار کا نرخ نوے[9] روپیہ تھا"

بہادر یار جنگ کی تعریف میں یہ جملہ :—

"اردو کے علاوہ عربی اور فارسی زبان پر انہیں اتنا عبور تھا کہ ان زبانوں میں تقریر کرتے تھے" (ص ۲۹۴)

لغہ آمیز ہے نواب صاحب موصوف فارسی جانتے تھے اور مطلب براری کی حد تک عربی بھی بول لیتے تھے۔ مگر فارسی اور عربی میں تقریر کا انہیں ملکہ نہ تھا!

"سالار جنگ اول کے زمانہ میں جب جدید حیدر آباد کا احیاء ہوا اور حکومت کی مشنری کو زمانہ کی ضروریات کے مطابق کرنے کے لئے عہد آفریں تبدیلیاں عمل میں آئیں تو شمالی ہند کے علماء و فضلاء ہی کی طرف سالار جنگ کی نظریں اٹھیں، سر سید کی انقلاب انگیز تحریک کے جتنے بھی ساتھی تھے انہیں ایک ایک کرکے حیدر آباد کھینچا گیا اور یہ سلسلہ حیدر آباد کے سقوط تک جاری رہا، اس کا ناخوش گوار پہلو وہ تھا کہ ہر عالم کے ساتھ جو کسی اچھے عہدہ پر طلب کیا جاتا تھا، متوسلین اور نااہل طالبانِ کرم کا ایک لشکر ہوتا تھا جو دیگر ذیلی عہدوں اور ملازمتوں میں جذب ہو کر مقامی آبادی کے لئے روزگار کے دروازے بند کر دیتا تھا یہ چیز ہندوؤں اور مسلمانوں بالخصوص اول الذکر کے لئے بڑی سوہانِ روح بن گئی تھی، جس نے بالآخر ملکی تحریک کی صورت اختیار کی، حیدر آباد میں ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ باہر سے آنے والوں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی تھی اور مقامی آبادی کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اعلیٰ خدمتیں شمالی ہند کے مسلمانوں کا اجارہ بن گئی تھیں اور حیدر آباد کا قابل فرد پریشان اور بدحال نظر آتا تھا......" (ص ۹۱)

حیدر آباد دکن میں ملکی اور غیر ملکی کی تحریک مہا سبھائی ذہنیت رکھنے والے ہندوؤں نے شروع کی تھی، جس سے عثمانیہ یونیورسٹی کے پڑھے تے مسلمان نوجوان خاصے متاثر ہو گئے، راقم الحروف کو یاد پڑتا ہے کہ غالباً ۱۹۳۰ء میں کانگریس کے سب سے بڑے دکنی نیتا اور متعصب لیڈر نایک کی زیر سرگردگی دکن دھنی تھیٹر میں جلسہ ہوا، جس میں نواب بہادر یار جنگ نے بھی تقریر کی اور بڑے جوش کے ساتھ اس سبھائیت زدہ ملکی تحریک کی حمایت فرمائی مگر نواب صاحب مرحوم اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت جلد اس چکر سے نکل کر عالمگیر دینی اخوت اسلامی وحدت کے داعی اور مبلغ بن گئے مگر افسوس ہے کہ سقوطِ حیدر آباد کا دردناک انقلاب بھی جناب بدر شکیب کے دل سے اس غبار کو دور نہ کر سکا۔

جہاں تک ملکی اور غیر ملکی مسئلہ کا تعلق ہے خود حکومت آصفیہ کے بانی مبانی دکنی نہیں غیر ملکی تھے! بلکہ اس تلخی اور تکدر کا سلسلہ تو اس ہی دور تک پہونچتا ہے! واقعہ یہ ہے کہ شمالی ہند یعنی یو۔ پی کے ذہین اور تعلیم یافتہ مسلمان خدانخواستہ کسی سازش یا محض جلبِ منفعت

کی خاطر حیدرآباد دکن نہیں گئے ؟ اور دکن ہی پر کیا منحصر ہے بھوپال، ٹونک، چھترپور، جے پور، بہاولپور، پٹیالہ وغیرہ ریاستوں میں یو۔پی کے مسلم افراد نے بڑے بڑے عہدوں پر رہ کر ان کے حسن و نسق کو چار چاند لگائے ؟ نواب سالار جنگ نے بھی ریاست حیدرآباد دکن کے نظم و نسق کو زیادہ بہتر یافتہ اور مستحکم بنانے کے لئے یو۔پی کے متعدد تعلیم یافتہ مسلمانوں کی خدمات حاصل کیں ! ظاہر ہے کہ یہ افراد اپنے ساتھ متعلقین کو بھی دکن لے گئے، اُن کی اولاد وہاں پلی بڑھی اور چونکہ ملازمت ہی تعلیم یافتہ مسلمانوں کا واحد ذریعہ روزگار تھا، اس لئے یہ لوگ سرکاری ملازمتوں میں جذب ہوتے چلے گئے ! مثال کے طور پر نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل تھے، جو نواب میر عثمان علی خاں فرماں روا۔ دکن کے شعر و سخن میں استاد تھے، انہوں نے جوانی کے بعد ساری زندگی دکن ہی میں گزار دی اور اُسی زمین کا پیوند ہو رہ گئے اُن کی اولاد ملازمت نہ کرتی تو آخر کیا کرتی !

دو چار افراد کے علاوہ یوپی کے مسلمانوں نے یہ نہیں کیا کہ دکن کی ملازمتوں سے پنشن لے کر وہاں سے چلے آئے ہوں اور اپنے وطن میں کوٹھیاں بنوائی ہوں یا جائدادیں خریدی ہوں، انہوں نے تو حیدرآباد کو اپنا محبوب وطن بنا لیا اور اُن کی کمائی ہوئی دولت دکن ہی میں رہی ! کوئی شک نہیں اُن کی ذہانت، وفاداری، قابلیت اور فرض شناسی سے ریاست حیدرآباد کو فائدہ پہونچا اور وہاں کے تمدن و تہذیب میں نکھار پیدا ہوا !۔ حکومت دکن کی اعلیٰ خدمتیں شمالی ہند کے مسلمانوں کا اجارہ نہیں تھیں بلکہ ان کی قابلیت و استعداد کا فطری مظہر تھیں ۔

جناب بدر شکیب نے ملکی اور غیر ملکی کا ذکر جس انداز میں چھیڑا ہے اُن کے سبب اُن کی اچھی خاصی کتاب داغدار ہو گئی !

" اب تقی الدین کے اثر میں علی یاور جنگ کی مخالفت شروع کی " (ص ۱۶۱) " زیر اثر لکھنا تھا ——— " حیدرآباد سے نیل و مرام واپس ہونا پڑا (ص ۱۶۲) لکھے پڑھے افراد کو زیب نہیں دیتا کہ وہ "بے نیل مرام" کو "بے نیل و مرام" لکھیں اور بولیں !

جناب بدر شکیب نے جس دیدہ ریزی کے ساتھ واقعات کا تجزیہ فرما کر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور اس انقلاب کی جو تفصیل پیش کی ہے اس پر وہ تحسین و تبریک کے مستحق ہیں ! آنے والے مورخین اور اہل قلم اس کتاب سے استفادہ کریں گے اور زمانے کے ساتھ اس کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوتا رہے گا ۔

ماہنامہ "افکار" کا حفیظ نمبر

مرتبہ :- صہبا لکھنوی، زر سالانہ بارہ روپے، اس خاص نمبر کی قیمت دس روپے
ضخامت ۲۴۰ صفحات (حفیظ جالندھری کی متعدد تصاویر کے ساتھ ۔
ملنے کا پتہ :- مکتبہ "افکار" رابسن روڈ، کراچی

ماہنامہ "افکار" نے "جوش نمبر" کے بعد "حفیظ نمبر" بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے ! سرورق عبدالرحمن چغتائی کے موئے قلم کا رہین منت جدید زیب اور حسین کم، مگر "فنی" زیادہ ہے۔ "حفیظ نمبر کا منظوم تعارف" ڈاکٹر عندلیب شادانی نے لکھا ہے، اس خاص نمبر میں حفیظ صاحب کی شاعری اور زندگی پر متعدد مشاہیر اہل قلم کے مضامین ہیں اور خود حفیظ جالندھری نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی زندگی کے حالات قلمبند کئے ہیں، انہوں نے کوئی بات چھپائی نہیں ہے، اپنی زندگی اور شاعری کے بارے میں اتنا کچھ لکھا ہے کہ اُسے کتابی شکل میں یکجا کر دیا جائے تو اس طرح ان کی پوری الف لیلیٰ سامنے آجاتی ہے، انہوں نے یہ تک بتانے میں عار محسوس نہیں کیا کہ ریلوے لائن میں ٹائم کیپر کی حیثیت سے بائیس روپے ماہوار تنخواہ حفیظ صاحب نے چند مہینے ملازمت کی، پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ترقی کے دروازے ان پر کھلتے چلے گئے اور اب حفیظ کی ہزار روپیہ کی ماہانہ آمدنی ہے، کوٹھی، بنگلے، نوکر چاکر، روپیہ پیسہ، عزت آبرو، شہرت سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے !

ان کا نام محمد حفیظ ہے، کنیت ابوالاثر، سنہ پیدائش ۱۹۰۰ء، باپ کا نام حافظ شمس الدین، تعلیم ساتویں جماعت تک، اُس
کچھ حاصل کیا کتابوں کے مطالعہ سے حاصل کیا۔ سب سے پہلا شعر سات سال کی عمر میں کہا، پہلی غزل ۱۹۱۱ء میں کہی جس کا مطلع یہ ہے۔

خواب میں دلدار کی تصویر ہم نے دیکھ لی ۔۔۔ رات کو جاگی ہوئی تقدیر ہم نے دیکھ لی

صاحب نے شاعری میں مولانا عبدالقادر گرامی کی شاگردی اختیار کی اور پھر دوسروں کو اصلاح دینے لگے دوار کا داس شعلہ اُن کے عزیز شاگرد
کا مقالہ اس شمارے کی زینت ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ اس مضمون کا ایک اقتباس :۔

"ایک صاحب نے مشورہ دیا، مولانا تاجور نجیب آبادی سے رجوع کرو، بڑے بھاری بھرکم استاد ہیں، فن
گھول کر پلا دیتے ہیں، جی میں آئی، چلو ان ہی سے فیض حاصل کیا جائے، مگر جب ایک مشاعرے میں یہ دیکھا کہ
وہ ایک شاگرد کو فن کی جگہ ڈانٹ پلا رہے ہیں، تو یہ دیکھ کر شاعری سے میرا جی اُچاٹ ہو گیا . . . . "

ڈاکٹر محمد دین تاثیر کے تنقیدی مضمون (معیار) کا یہ اقتباس کس قدر ادبیت سے لبریز ہے فرماتے ہیں ـــــ

"حفیظ نے اپنے مقصد کو اس طرح متعین کر کے اپنے راستے میں بہت سی مشکلات پیدا کر لی ہیں، ہومر کے سامنے
ایک افسانہ تھا جس میں وہ عشق و محبت، حسد و نفاق اور رقابت کی کش کش کے ساتھ ہر طرح کے عقلی اور غیر عقلی
واقعات بیان کئے جاتا تھا، فردوسی کے شاہنامے کا زمانہ بھی ماقبل تاریخ ہے، ہمارے مرثیہ نگاروں نے تاریخ
کو ـــــــ طلسم بنا رکھا ہے، جو چاہا جس طرح بیان کر ڈالا، حفیظ ان سب کے بعد آتا
ہے اور سب سے بڑی مہم پیش نظر رکھتا ہے اس کے سامنے کوئی ایسی مثال نہیں جو اس کی رہنمائی کر سکے، وہ اپنی
منزل ہی آپ تلاش کرتا ہے اور اپنا راستہ بھی خود بناتا ہے، یقیناً اس کا راستہ پل صراط سے زیادہ کٹھن
ہے تخیل کو دبائے تو شاہنامہ محض منظوم تاریخ رہ جائے واقعات کو بدلے تو تحریف کا مرتکب ٹھیرے ۔۔"

"حفیظ نمبر" میں حفیظ جالندھری کی شاعری اور شخصیت کے علاوہ اُن کے خطوط، افسانے اور کلام کا انتخاب بھی شامل ہے، جن مشاہیر
کو خراج ستائش و عقیدت پیش کیا ہے ان کی غالب تعداد اکابر کی ہے، اتنے بہت سے بڑے آدمی عقیدت مند اور مداح کی حیثیت سے ہر شاعر
کو کہاں میسر آتے ہیں ۔

حفیظ صاحب کی جہاں تک نثر نگاری کا تعلق ہے وہ سیدھے سادے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کر لیتے ہیں، ان کی نثر میں طنز و مزاح کی
ہوتی ہے مگر اُن کی شاعری کے مقابلے میں اُن کی نثر قابل ذکر نہیں ہے : ان جملوں میں کتنی ناپختگی پائی جاتی ہے ـــــ

- ـــ "وہ کون شاعر ہے جو کسی نہ کسی جہت سے اہل دانش و بینش کے حضور پیش کیا جائے تو وہ منہ سے اظہار انکسار کرتا ہوا اندر ہی اندر اپنی اہمیت پر پھولا نہ سمائے "
- ـــ "پھر اگر زندگی ہی میں میری باری آ گئی تو میرا چلتا دھندا بھی ہو جائے گا " (ص ۲۵)
- ـــ "محفلوں اور مشاعروں میں بھی جانا بند نہیں کیا، تعلیمی، معاشرتی مجالس میں بھی انٹ سنٹ اُردو ہی میں کہہ سناتا ہوں " (ص ۲۶)
- ـــ "جناب سائل دہلوی، جناب فانی بدایونی سب مجھے بہت ہی قریب سے جانتے اور اپنی مرضی کا ماننے والا

ہیں سے تھے، اب وہ عالم بالا پر ہیں ——————— (ص ۲۹)

- ——" خداوندکریم والدہ کا سایہ آپ پر قائم رکھے یہ ذات پھر کبھی حاصل نہ ہوگی "(ص ۱۲۶)
- ——" میرے کریم النفس منور بھائی! یہ عجیب واقعہ ہے کہ دنیائے دوں پر میری نگاہِ واپسیں کے وقت آپ اور آپ کے اسی بھی اسی دنیائے دوں میں نظر آگئے " (ص ۱۳۳)
- ——" میرا پروگرام، فی الحال کوئی نہیں حرکتِ مذبوحی میں مبتلا ہوں" (ص ۱۳۵)
- ——" اور یہی وہ دن تھا جس کے بعد میرے محترم سیماب اور نوجوان ساغر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ پنجابی کے خلاف اپنے رسائل میں جو جی میں آیا لکھتے چلے جانے کی روش اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے " (ص ۱۴۵)

اس جملے کا آخری ٹکڑا " ترجمہ سا لگتا ہے، پھر حفیظ صاحب نے " پنجابی " کہہ کر جس بحث کو چھیڑا ہے وہ پسندیدہ نہیں ہے، اُن کی بابت میں بھی اس قسم کے طنز یہ فقرے اُن کی زبان سے سُنے گئے ہیں! حالانکہ یو۔ پی کے بڑے بڑے شہروں اور خاص طور سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں جو پذیرائی ہوئی ہے، اُس نے حفیظ صاحب کی شہرت کو چار چاند لگائے ہیں! بدایوں جو شعر و ادب کا گہوارہ ہے وہاں برسوں " شاہنامہ اسلام " رہی ہے اور اس طرف کسی کا خیال تک نہیں گیا کہ جس شاعر کی منظومات سے وہ اس قدر شغف، دلچسپی اور عقیدت رکھتے ہیں، وہ کس خطہ کا ہے —— اسلامی اخوت نسل، وطن کے امتیازات اور تعصبات کو باقی نہیں رہنے دیتی!

جناب حفیظ جالندھری کے منتخب اشعار: ——

روزِ روشن کو ہوں میں رات سمجھنے والا
ہے کوئی آج مری بات سمجھنے والا

ارادے باندھتا ہوں سوچتا ہوں توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو جائے

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

اچھا جناب شیخ ہیں تشریف لایئے
خوب آئے آپ، آیئے حضرت کہاں رہے

زندگی کی منزلوں میں جس قدر آگے بڑھے
دل کشی کے ساتھ رستہ پُرخطر ہوتا گیا

ہاں! اس لئے کہ خاک کا رتبہ بلند ہو
مٹ مٹ گئے دبے نہ مگر آسماں سے ہم

نازک مزاج پھول کا منہ سرخ ہو گیا
چٹکی سی ایک لی تھی نسیم بہار نے

کس قدر ناآشنا نکلے مآلِ عشق سے
کر گئے جو وضعِ رسمِ عاشقی میرے لئے

سرخ پھولوں سے زمیں کشمیر کی ہے سرخرو
لالہ بن کر پھوٹ نکلا ہے شہیدوں کا لہو

میں اُس کی بزم میں آیا تو اُٹھ گیا وہ بھی
طلب نے ہاتھ بڑھایا تو کچھ نہ تھا موجود

ناکامیٔ عشق یا کامیابی
دونوں کا حاصل خانہ خرابی

نہ توڑو دوستو رشتہ وفا کا
میں دل کے زخم سینا چاہتا ہوں

سہارا کیوں لیا تھا ناخدا کا
خدا بھی کیوں سنے فریاد میری

فرشتے کیا مرتب کر سکیں گے
بہت بے ربط ہے روداد میری

کیا پابندِ نے نالے کو میں نے — یہ طرزِ خاص ہے ایجاد میری

مل جائے مے تو سجدۂ شکرانہ چاہئے — پیتے ہی ایک لغزشِ مستانہ چاہئے

خلافِ تقدیر کر رہا ہوں، پھر ایک تقصیر کر رہا ہوں

پھر ایک تدبیر کر رہا ہوں، خدا اگر کامیاب کر دے

حال یہ ہے کہ ہم غریبوں کا — حال تم نے کبھی سنا ہی نہیں

باغِ فردوس تو منزل ہے تھکے ہاروں کی — ہم تو چلتے میں ٹھر جائیں، ٹھرنے والے

بے تعلق زندگی اچھی نہیں — زندگی کا کیا موت بھی اچھی نہیں

آنکھ کم بخت سے اس بزم میں آنسو نہ رُکا — ایک قطرے نے ڈبویا مجھے دریا ہو کر

آ تجھ کو دکھا دوں کہ ستاروں سے بھی آگے — انسان کے نقشِ کفِ پا ہیں کہ نہیں ہیں

وہ سامنے رکھی ہے صراحی بھری ہوئی — دونوں جہاں ہیں آج مرے اختیار میں

ایک کعبہ نہ بن سکا ہم سے — توڑ ڈالے ہزار بُت خانے

سوچ کر غم دیجئے ایسا نہ ہو — آپ کو کرنی پڑیں غم خواریاں

دوسرا رُخ :- نئے دور میں محنت سرمایہ گردانی جائے گی

مفت خور کی تو ندنہ عالی پایہ مانی جائے گی (ص ۸۸)

مصرعہ ثانی کس قدر پست بلکہ بچکانہ ہے!

کشتی نئی بنی کہ اُٹھا لے گیا کوئی — تختے جو لگ گئے تھے کنارے کہاں گئے (ص ۹۹)

غزل کا شعر اور اس قدر بے مزہ! پھر کشتی کیا کوئی چارپائی ہے، جو اُسے کوئی اُٹھا لے گیا!

اُن کی مشہور نظم مقاصد کے یہ اشعار :-

اسلام پہ قائم ہیں وہ — پاکیزہ و صائم ہیں وہ

مصرعہ ثانی اکھڑا اکھڑا سا لگتا ہے، قافیہ کی مجبوری تھی، تو مصرعہ اول کو یوں کیا جا سکتا تھا "قائم ہیں وہ اسلام پہ" —— اس کے بعد دوسرا مصرعہ اور زیادہ چست ہو سکتا تھا۔

ملی سیاست اُٹھ گئی — بازو کی طاقت اٹھ گئی

"سیاست اور طاقت کا اُٹھ جانا" زبان و روزمرہ کے اعتبار سے کس قدر کمزور اور نامانوس اندازِ بیان ہے!

ایسا بہک جاتا ہوں میں — منہ آئی بک جاتا ہوں میں

یہ کیا شاعری ہے!

مجھ کو زمانے سے غرض — مٹنے مٹانے سے غرض

دوسرا مصرعہ بس "برائے بیت" ہے۔

"تصویرِ کشمیر" اچھی نظم ہے اُس کے بعض مصرعوں میں کہیں کہیں جھول آگیا ہے۔ مثلاً۔

جس کی محنت سے چمن میں بوٹے گل پژمردہ ہے — اس کا گھر تاریک اُس کا اپنا منظر گندہ ہے

"اُس کا اپنا منظر گندہ ہے" اس ٹکڑے نے شعریت کے آبِ زلال کو مکدر بنا دیا۔

چشمِ شاعر کے ہیں آنسو ان کو مٹی میں نہ رول — بے خبر انمول جوہر کو ترازو میں نہ تول

آنسو مٹی میں ملائے جاسکتے ہیں مگر اُن کو کنکروں اور ذروں کی طرح کون رولتا ہے ؟

خط نہیں آیا مہینہ ہو گیا — جعفری بالکل کمینہ ہو گیا (ص ۱۲۳)

"بالکل" کی جگہ "شاید" کہتے تو طنز کا لطف بڑھ جاتا۔

ڈپٹی نذیر احمد پر ایک نظم ہے، جس کے اس شعر میں کتنی ناپختگی پائی جاتی ہے ——

نبض تو نے دیکھ لی بگڑا ہوا تھا ہر مزاج — اے مسیحائے قلم ! تو نے کیا اس کا علاج

—— اور ——

تیری ہر تحریر ہے تصویرِ خورشیدِ علوم — کرتے ہیں کسبِ ضیا اس نور سے ماہ و نجوم

"خورشیدِ علوم" اور پھر اُس کی "تصویر" یہ آخر بات کیا ہوئی !

دشمنِ اسلام کا منہ تو نے کالا کر دیا — علم دفن کا روئے عالم میں اُجالا کر دیا

ڈپٹی نذیر احمد کی یہ مدح و منقبت کہ اُنہوں نے دشمنِ اسلام کا منہ کالا کر دیا تھا، عجیب سی لگتی ہے، مصرعہ ثانی کو شعر بنانے کے لئے چند لفظوں کی ضرورت تھی، انہیں جوڑ کر مصرعہ تیار کر دیا ! پھر مصرعہ ثانی میں "روئے عالم" کی جگہ "سارے عالم" کہنا تھا۔

دشنام کا جواب نہ سوجھا بجز سلام — یہ مجھ سے ایک اور بڑی بات ہو گئی (ص ۲۱۵)

مصرعہ ثانی میں ذم پایا جاتا ہے !

حفیظ صاحب کی نظمیں جب وہ مشاعرے میں ترنم سے پڑھتے ہیں تو بہت خوش آہنگ لگتی ہیں، مگر کاغذ پر آکر اُن میں وہ بات نظر نہیں آتی ! اُن کی نظم "سحر" کے یہ مصرعے :——

اٹھے حسین خواب سے — کہ دھوئیں منہ گلاب سے

یہ عشوہ سازیوں میں ہے

ادا طرازیوں میں ہے

اُدھر سے عشق بھی اُٹھا — مگر ہے اپنی تاک میں

ادھر گیا، اُدھر پھرا — فضول تاک جھانک میں

شباب جس کی رات بھی

نشاط و عیش میں کٹی (ص ۳۳۰)

"یہ کہاں کی زبان ہے کہ فلاں شخص عشوہ سازی اور ادا طرازی میں ہے ! "محو" "مصروف" یا "غرق" کو مقدر مانا جائے تب جاکر کہیں

بات بنتی ہے !

؎ مگر ہے اپنی بانک میں

یہ مصرع پست بھی ہے اور مہمل بھی ! اور "شباب" کی رات تو نشاط و طلش ہی میں بسر ہوتی ہے، اس لحاظ سے "بھی" حشو و زاید ہے !

"ابھی تو میں جوان ہوں" حفیظ کی بہت مشہور اور مقبول نظم ہے، فرماتے ہیں۔

یہ گشت کوہسار کی — یہ سیر جُوبار کی
یہ بلبلوں کے چہچہے — یہ گل رخوں کے قہقہے
کسی سے میل ہوگیا
تو رنج و فکر کھو گیا
کبھی جو بخت سو گیا
یہ ہنس گیا وہ رو گیا

"رنج و فکر دور ہو گئے" کی ترجمانی یوں فرمائی گئی ہے ؎ تو رنج و فکر کھو گیا ـــــ روزمرہ یوں ہے ـــ ہنس دیا، ہنس پڑا رو دیا، رو پڑا ـــ مگر شاعر یوں کہتا ہے ـــــ

"یہ ہنس گیا، وہ رو گیا"

پھر "یہ" اور "وہ" کا اشارہ آخر کس طرف ہے ؟

یہ عشق کی کہانیاں — یہ رس بھری جوانیاں
ادھر سے مہربانیاں — اُدھر سے لن ترانیاں
یہ آسمان، یہ زمیں
نظارہ ہائے دل نشیں
انہیں حیات آفریں
بھلا میں چھوڑ دوں یہیں

شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ ایک طرف سے لطف و توجہ ہے اور دوسری طرف سے اجتناب و گریز ! مگر "لن ترانیاں" اردو میں شیخی بگھار اور ڈینگ کو کہتے ہیں، جس کا یہاں استعمال قطعاً بے محل اور غلط ہے !

؎ بھلا میں چھوڑ دوں یہیں

یہ مصرعہ یہاں بالکل بے جوڑ لگتا ہے ! شاعر آسمان و زمین کے دل نشین نظاروں کو آخر کہاں اٹھا کر لے جانا چاہتا ہے !

آ ہی گیا وہ مجھ کو لحد میں اتارنے — غفلت ذرا نہ کی مرے غفلت شعار نے

اس شعر میں محبوب کی تاخیر اور غفلت شعاری پر طنز مسلّم ! مگر یہ انداز فکر و بیان موجودہ دور کے مزاج سے کس قدر غیر ہم آہنگ ہے،

قیامت ڈھائے گا جوشِ جنوں اہلِ دانش کا — اُڑے گا دامنِ دنیا کسی دن دھجیاں ہو کر (ص ۲۴۹)

"ابنائے دانش" کی جگہ "ارباب دانش" کہنا تھا۔

رزاق دو جہاں کے خزانے کو کیا ہوا — ملتا ہے رنج وہ بھی کسی کا دیا ہوا (ص ۳۴۲)

زوشتی کے زمانہ کا شعر!

دیکھ بڑوں کی ریت نہ جائے — سر جائے پر میت نہ جائے (ص ۳۶۰)

"میت" تو دوست اور ساتھی ... کو کہتے ہیں، یہاں "میت" کس غرض سے لایا گیا ہے!

اک کشتی ملاح سے خالی — میں نے اٹھا طوفان میں ڈالی (ص ۳۶۲)

"اٹھا" اس شعر میں وجدان کو کس بری طرح کھٹکتا ہے۔

موج ہائے اشک میں بہتی رہی — رفتگاں کی یاد میں رہتی رہی (ص ۳۶۲)

مصرعہ ثانی کس قدر بچکانہ ہے!

حسن والے مرے قائل ہیں یہ دعویٰ ہے مرا — حسن والوں کو سزا ہو مجھے منظور نہیں (ص ۳۸۴)

شاعری کے ساتھ مذاق!

اب دال نہ جاگیروں کی گلے گی — آگ بگر دن رات جلے گی

چھڑے کے تنوروں میں — اب نال پڑے گا غلہ کا

بیوپاریوں بے مقدوروں میں — اب پیٹ بھرے مزدوروں میں

اب خوب ہنسے گا دیوانہ

اسے شاعری کون بے ذوق کہہ سکتا ہے!

بلبل گل پر منڈلاتی ہے پیڑ پہ چڑیاں بولتی ہیں

میرے دل میں توبہ کی کمزور بنائیں ڈولتی ہیں (ص ۴۱۵)

مصرعوں کے آخری ٹکڑے پڑھنے اور گنگنانے میں صوتی طور پر ٹوٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں: "توبہ کی کمزور بناؤں کے ڈولنے" نے اور نیا خرابی پیدا کر دی ہے:

"شاہنامہ اسلام" کوئی شک نہیں ابوالاثر حفیظ جالندھری کا شعری و اخلاقی کارنامہ ہے! جہاں یہ رنگ ہے وہاں "روح وجد کر رہی" ہے، فرماتے ہیں ——————

کہاں تھے یہ نصیب اللہ اکبر سنگ اسود کے — یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے تھے محمدؐ کے

مساوات و اخوت کی یہاں تعلیم ہوتی تھی — بشر کو دولت انسانیت تقسیم ہوتی تھی

قبولیت کے دامن تھام رکھے تھے دعاؤں نے — مراد زندگی کے ساز چھیڑے تھے ہواؤں نے

مجاہد تھے کہ جوش و ضبط کی خاموش تصویریں — مجاہد تھے کہ دین اللہ افواجا کی تفسیریں

مگر یہ "رطب" بھی "یابس" سے خالی نہیں ہے۔

شعاعیں برچھیاں بن کر اندھیروں کی طرف لپکیں　　　بلائیں بھاگ اٹھیں اپنے ڈیروں کی طرف لپکیں (ص ۴۲۲)

مصرعہ ثانی کتنا پس پھسا ہے۔

خودی نے بھر دئے تھے کبر کے طوفان ہر سر میں　　　ڈبونے جا رہے تھے کشتیٔ حق آب خنجر میں

"سروں میں کبر کے طوفان بھر دئے تھے" ــــ خوب !؟ پورے شعر میں تکلف کے سوا اور کیا رکھا ہے۔

لگایا بدر کے میدان میں کفار نے ڈیرا　　　یہاں تدبیر کی تزویر کو تقدیر نے گھیرا (ص ۴۲۳)

"تدبیر کی تزویر" اور پھر اس کو "تقدیر کا گھیرنا" غیر شاعرانہ اندازِ بیان !

پتہ دیتی تھی اُن کی خاکساری سربلندی کا　　　نگاہوں میں مرقع تھا دلوں کی دردمندی کا (ص ۴۲۴)

مصرعہ ثانی دیکھنے میں کتنا چست ہے مگر معنی ؟! دلوں کی دردمندی کا مرقع کیا ہوتا ہے !

ہوتے تھے اسلحہ کفار کے تپ تپ کے انگارے　　　نکل آئی تھیں موہنوں سے زبانیں پیاس کے مارے (ص ۴۲۵)

منہ کی جمع "موہنوں" غلط نہیں ہے مگر شعریت !!!

جناب حمزہ نے تلوار پہ تلوار کو روکا　　　سبک دستی سے تھپکی دے کے جھلک وار کو روکا (ص ۴۲۶)

"تھپکی دینا" تیغ زنی کا کون سا کرتب اور TACT ہے !

گلے کے ہار زنجیروں کی لڑیاں کاٹ کر نکلی　　　زرہ بکتر کے بندھن اور کڑیاں کاٹ کر نکلی

"خود، مغفر، چار آئینہ، جوشن، زرہ بکتر ... کے نام تو سُنے تھے، یہ پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ عرب کے تیغ زن گلوں میں فولادی ہار بھی پہنا کرتے تھے .... !!

یہ تیغ حمزہ تھی دعوے تھے اس کو خاکساری کے　　　زمیں پہ آرہی کر کے دو ٹکڑے جسم ناری کے

تیغ کو اور خاکساری کا دعویٰ ! عجیب فکر اور نرالا اندازِ بیان ہے ! پھر دوسرا مصرعہ اس قدر کمزور ہے کہ پورا شعر کا واک بن گیا: "ٹکڑے" کے ساتھ "دو" کا تلفظ زبان پر کس قدر گراں گزرتا ہے !

صف آرا تھے اُحد میں آج تین اقسام کے انساں　　　شریف انساں، خبیث انساں، نمود و نام کے انساں (ص ۴۲۷)

"تین اقسام کے انساں" کا جواب نہیں ! پھر کافروں کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں ایک تو خبیث اور دوسرے نمود و نام والے !

ہُم کثرت نے وحدت کو بہا دینے کی ٹھانی تھی　　　زمانے سے نشانِ حق مٹا دینے کی ٹھانی تھی (ص ۴۲۹)

"ہم کثرت" اور پھر اُس کا وحدت کو بہا دینے کی ٹھان لینا ــــ غیر شاعرانہ فکر و اندازِ بیان !

صحابہ مرکزی نقطے تھے ان مُہلک دوائر کے　　　اٹھے تھے اسلحہ جیسے قفس ہر گرد طائر کے

اس قبیل کے کمزور اشعار "شاہنامۂ اسلام" کی چمکتی ہوئی پیشانی کے داغ دھبے ہیں !

یہ پتھر اور سانپوں کے مماثل سنگ دل کیڑے　　　یہ زہر آلود نطفے بے مروت تنگ دل کیڑے

"کیڑے" نے شعریت کا خون کر دیا۔

یہ کیڑے جن کے سر میں مغویانہ جوشش سرما کی　　　خدا جن کا ہے خود رائی خودی جن کی ہے خودکامی

پہلا مصرعہ مضحکہ انگیز حد تک پست ہے!

یہ اندھے سونگھتے پھرتے ہیں زر کی بُو اندھیرے میں — پھریں بوگیر کتے جس طرح ہر سو اندھیرے میں (ص ۱۳۱)

وجدان کے لئے ناگوار اندازِ بیان!

بناتے ہیں یہ مل جُل کر ادارہ خانہ دُزدی کا — بہت بھاری عظیم الشان بے باکانہ دُزدی کا (ص ۱۳۲)

اسے شاعری کون کہہ سکتا ہے! توبہ!

یہ قانونی ادارہ ہے ریاست نام رکھا ہے — یہ تخویف و تعدی ہے سیاست نام رکھا ہے

مصرعہ اولیٰ کا مفہوم "بطنِ شاعر" ہی میں گھٹ کے رہ گیا! تخویف و تعدی کتنے بوجھل الفاظ ہیں، پھر "یہ" نے اور زیادہ خرابی پیدا کر دی۔
ڈاکٹر سید عبداللہ نے حفیظ کی شاعری پر جو مقالہ تحریر فرمایا ہے، اس میں حیرت ہے کہ شاعر کے ایسے کمزور اشعار مثال میں پیش کئے

جاگ سوزِ عشق جاگ ؎

پھر اُسی اٹھان سے — تیر اٹھے، کمان اُٹھے
صبر کس زبان سے — شور الاماں اُٹھے

جاگ اٹھیں دلوں کے بھاگ

اس بند میں نہ لُطفِ بیان اور نہ رجز کی شان! بس لفظ جوڑ دئے ہیں!

رنگ دے، رنگ دے قدیم رنگ
رنگ دے، قدیم رنگ، بے دریغ رنگ
جس کی ضو سے مات ہو، رنگ بازیٔ فرنگ
عشق کے لباس کو رنگ دے قدیم رنگ
رنگ دے، رنگ دے، قدیم رنگ (ص ۱۰۵)

یہ اشعار ابہام، اہمال اور بے لُطفی سے عبارت ہیں! یہ کیسے ناقد اور مشاق نثر نگار ہیں جو شاعر کے بُرے شعروں کو اُس کا شاہکار سمجھا کرتے ہیں!

اس نمبر میں شاعر کے کلام کا جو انتخاب پیش کیا گیا ہے اُس میں "راوی میں کشتی" —— "نیرنگِ فرنگ" —— "تین نغمے" اور "لب نہاری کا گیت" خاصی جان دار اور شگفتہ نظمیں ہیں کاش! حفیظ صاحب کے کلام میں یہی رنگ غالب ہوتا۔

اس نمبر میں ایک مضمون ہے:-

قومی ترانے کا افسانہ

(جناب صہبا اپنی زیرِ تصنیف کتاب سے دو باب ارسال کرتا ہوں —— حفیظ)

اس باب میں راقم الحروف کو بھی کچھ عرض کرنا ہے! جب مسٹر چھاگلہ جنہوں نے اس ترانہ کی دُھن بنائی ہے، انہوں نے سب سے پہلے اس دُھن کو نظم کرنے کی مجھی سے فرمائش کی! ہز ماسٹرز وائس کمپنی میں ایک صاحب ذمہ دار عہدے پر تھے جن کو سب "خاں صاحب" کہہ کر پکار۔

اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ مسٹر چھاگلہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، چنانچہ ملنے کا وقت اور مقام طے ہوا، ایک دن شام میں ہم پانچ آدمی (مسٹر چھاگلہ، خان صاحب، ماغب مرادآبادی، مجاز دہلوی اور میں) کراچی کلب (KARACHI CLUB ANNEXE) میں جمع ہوئے، چھاگلہ مرحوم نے ترانہ کی دُھن سنائی، اور مجھ سے اصرار کے ساتھ کہا کہ آپ اس دُھن میں ترانہ تیار کر دیں، میں دُھن سُن کر خاموش ہو گیا، اس پر وہ بولے کہ آپ "مستقل ترانہ" تو فرصت سے کہیں مگر شاہنشاہ ایران پاکستان تشریف لے آرہے ہیں، ان کی تقریبوں میں ترانہ گائے جانے کے لئے مناسب "بول" موزوں کر دیں! اس نشست کے بعد میں نے خان صاحب سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اس ترانہ کی دُھن میں مشرقیت نہیں پائی جاتی! اس کا آہنگ ہی کچھ اور ہے! لہٰذا........

پھر کچھ دنوں بعد بعض دوسرے شاعروں کو جب "ترانہ" کہنے کے لئے سرکاری طور پر مراسلے بھیجے گئے تو میرے پاس بھی مراسلہ آیا، میں نے اُس کا تحریری جواب دیا اور محکمہ متعلقہ کے ڈپٹی سکریٹری سے بھی تبادلہ خیال کیا، وہ پوری گفتگو اور مراسلت تو یاد نہیں رہی، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ علامہ اقبال کی مشہور نظم ـــــ مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا ـــــ کہیں کہیں جزوی ترمیم و اضافہ کے ساتھ پاکستان کا قومی ترانہ بن سکتی ہے، یا پھر... "اللہ اکبر اللہ اکبر" کو ترانہ کا "انترہ" قرار دیا جائے اس پر ایک یا چند شاعر کچھ مصرعے موزوں کریں! میں نے ان سے کہا تھا کہ فرانسیسی حکومت کا ترانہ کیا ہے اور امریکہ اسٹیٹ کا کیا "NATIONAL ANTHEM" ہے! ہم پاکستانی نہیں جانتے، اسی طرح پاکستانی ترانہ سے دوسرے ملکوں کے لوگوں کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، پاکستانی ترانہ کا اصل تعلق، پاکستانیوں سے ہے، اُن کے مزاج، روایات، کلچر اور ذوقِ سماعت کی رعایت ترانہ میں رہنی چاہئے۔

پھر "ترانہ" لکھنے کے لئے حکومت کی طرف سے عام اعلان ہوا، میں نے اس مقابلے میں حصہ نہیں لیا، بعض احباب سے میں نے پیش گوئی البتہ کر دی تھی کہ صرف "ایک شاعر" کا ترانہ منظور ہو گا، اور یہ بات ہو کر رہی!

مجید لاہوری مرحوم جو نہ صرف اچھے شاعر اور طنز نگار تھے بلکہ شعر و ادب میں بصیرت بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے روزنامہ "جنگ" کے فکاہی کالموں میں حفیظ کے "قومی ترانے" پر طنز و تنقید کی!

حفیظ جالندھری کے حالات میں یہ عبارت بھی نظر سے گزری:-

"نائٹ ہڈ کے لئے قیام پاکستان سے قبل برطانوی حکومت نے پوچھا مگر قائداعظم کے حکم پر حفیظ نے انکار کر دیا" (ص ۴۰)

جب شاعروں کو خطابات دینے کا ذکر چھڑ گیا ہے، تو ہم اس مقام سے سرسری گزرنا پسند نہیں کرتے ـــــ انگریزی دور میں شاد عظیم آبادی کو "خان بہادر" کا خطاب ملا تھا، اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے صوبہ کے خاصے کھاتے پیتے باحیثیت زمیندار بھی تھے! جعفر علی خاں اثر لکھنوی نے انگریزی دور میں کمشنر کے عہدے تک ترقی کی، اُن کا عہدہ "انگریزی خطابات" کے شایانِ شان تھا، رضا علی وحشت مرحوم پروفیسر تھے اور پروفیسروں کو انگریزی دور میں ناہٹ ہڈ (K.C.S.I) تک کے خطابات ملے ہیں، حفیظ کو "خان صاحب" کا خطاب ملا، جو سب سے چھوٹا خطاب تھا، اسے انہوں نے قبول کر لیا! اُس کے بعد انہیں "خان بہادر" کا خطاب عطا کیا گیا، انگریزی دور میں "سرکاری خطابات" کی درجہ بدرجہ ترقی (خان صاحب کے بعد خان بہادر، او۔ بی۔ ای کے بعد سی، آئی، ای) صاحب خطاب کی کوشش کے بغیر نہیں ہوتی تھی!

اس تصویر کا ایک "رخ" یہ بھی ہے کہ اب سے تقریباً ۲۰ سال قبل حیدرآباد دکن، بھوپال، بہاولپور، خیرپور وغیرہ ریاستوں سے حفیظ جالندھری کو جو ماہانہ وظائف ملتے تھے اُن کی مجموعی تعداد پندرہ سولہ سو روپیہ سے کیا کم ہوگی پھر ان کے لئے جنگِ عظیم کے زمانہ میں "فتح اِن PUBLICITY SONG"[1]

---

[1] حفیظ صاحب کے اس قسم کے گیت ـــــ میں تو چھورے کو بھرتی کرائی آئے رے! دیہات میں انگریزی فوج کے لئے رنگروٹ بھرتی کرنے کے کام کو تقویت پہنچاتے تھے۔

ہندوستان اور پاکستان میں حفیظ جالندھری سے بڑے شاعر پہلے بھی ہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں ـــــ مگر انگریزی دورِ حکومت سے کر اس زمانے تک ریاستوں اور حکومتوں کے لطف و عنایات کا مرکز جو اُن کی ذات رہی ہے اس کے عوامل و محرکات پر "حفیظ نمبر" میں کوئی مقالہ نہیں ملتا حالانکہ اُن کی زندگی کا یہ وہ نمایاں رُخ ہے جس پر سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں کو کچھ نہ کچھ ضرور لکھنا چاہیے تھا، بڑے آدمیوں کی نبض شناسی کا یہ فن خاص حفیظ ہی کا حصہ ہے!

"حفیظ نمبر" میں اس قسم کے مضامین آنے چاہیے تھے، مگر اس کو کیا کیجیے کہ ایک طرف پاکستان رائٹرز گلڈ کی مصلحتیں ہیں اور دوسری طرف جناب صہبا لکھنوی مدیر "افکار" کے حالات اور تعلقات ہیں! ان تمام مشکلات اور نزاکتوں کے باوجود "حفیظ نمبر" شاعر کی زندگی اور شاعری پر کامیاب ادبی پیشکش ہے، جس پر مدیر "افکار" مبارکباد کے مستحق ہیں!

ووٹ کی شرعی حیثیت

از:- کوثر نیازی مدیر "شہاب" ضخامت ۸۰ صفحات، قیمت:- دو آنے فی سینکڑہ دس روپے

ملنے کا پتہ:- شہاب ہفت روزہ، شاہ عالم مارکیٹ لاہور

اس کتابچے میں سیاسی اور فقہی نقطۂ نگاہ سے ووٹ کی اہمیت اور اُس کی اثر آفرینی و گیرائی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ ہر قسم کی عصبیت سے دور اور لالچ سے بالاتر ہو کر ووٹ ایسے لوگوں کو دینا چاہیے جو خدا ترس، فرض شناس اور معاملہ فہم ہوں، اور جن سے توقع ہو کہ عوام کے مسائل اور دینی معاملات میں صحیح نمائندگی کر سکیں گے! مولانا کوثر نیازی نے اس کتابچہ کو مرتب فرما کر تبلیغ حق کا فرض ادا کر دیا ہے! فجزاہ اللہ خیر الجزاء

نصاب تعلیم جامعہ اسلامیہ بہاولپور

بہاول پور کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ عباسیہ کو ترقی دے کر "الجامعۃ الاسلامیہ" بنا دیا گیا اور اُس کی حیثیت علوم مشرقی کی یونیورسٹی کی ہو گئی! جناب ڈاکٹر سید حامد حسین بلگرامی "رئیس الجامعہ" مقرر کئے گئے اور بہت سے فاضل اساتذہ اور علماء کی خدمات حاصل کی گئیں!

محکمہ اوقاف مغربی پاکستان سے جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے نظم ونسق کا تعلق ہے۔ محکمہ اوقاف کے ناظم اعلیٰ شیخ محمد اکرام صاحب نے جامعہ کا منصوبہ تیار فرمایا اور گورنر صاحب مغربی پاکستان نے سرکاری طور پر اس کو شرفِ منظوری عطا فرما دیا۔

ہمارے سامنے اس جامعہ کے درجہ تخصص کا نصاب تعلیم ہے، جسے دورِ حاضر کی تعلیمی ضروریات اور علمی معیار کے مطابق بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے، اس نصاب میں درسِ نظامی کا جوہر بھی موجود ہے اور جدید طریقہ تعلیم کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے!

اب سے تقریباً ۔۔ سال قبل متحدہ ہندوستان کے علماء نے اسی انداز پر سوچا تھا، اور ندوہ نے قریب قریب اسی طرز پر نصاب تعلیم مرتب کیا تھا، کوئی شک نہیں کا لجوں کے جدید مضامین اور قدیم عربی مضامین کو یک جا کرنے کا خیال مستحسن ہے مگر اس باب میں جو کوتاہی ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں مکاتیب فکر کے سارے مضامین جمع کر دیے جاتے ہیں، جن کے ہجوم میں خاطر خواہ کامیابی کے امکانات زیادہ روشن نہیں ہیں، جامع العلوم ملتان نے بھی قدیم درسِ نظامی کی روش سے ہٹ کر نصاب مرتب کیا مگر تمام مضامین (جدید و قدیم) نہیں رکھے۔

قدیم مدارس عربیہ کے نصاب میں بعض ایسی کتابیں داخل ہیں، جن کے بارے میں ماہرینِ تعلیم کی رائے ہے کہ انہیں نصاب سے خارج کر دینا چاہیے مگر وہ کتابیں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نصاب میں باقی رکھی گئی ہیں! مثلاً نحو میں کافیہ اور شرح جامی سے زیادہ سلجھی ہوئی اور مفید تر کتابیں موجود ہیں، جن کو جدید نصاب میں شامل کرنا چاہیے، اسی طرح معقولات میں مسلم العلوم جس عمر کے طلبا پڑھتے ہیں اُن میں اس کتاب کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

مقاماتِ حریری میں قافیہ اور سجع کے التزام کے سبب عربی زبان وادب، سلاست، سادگی، کی جگہ تصنع اور تکلف پیدا ہو گیا ہے، اخلاقی

نقطۂ نگاہ سے بھی اس کتاب کا طلباء کا پڑھانا احتیاط کے خلاف ہے؛ اس کتاب کے اسلوب کی نقل کرنے والے طلبہ بھی سادہ عربی مشکل ہی سے لکھ کر تے یہ تو ایک ایسی کتاب ہے کہ فارغ ہونے کے بعد طلبہ اس کا از خود مطالعہ کریں اور اس کا اندازہ لگائیں کہ سادگی اور تکلف میں کتنا فرق ہے؟ اور عربی ادب میں کس قسم کے اسالیب مانے جاتے ہیں؟

جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نصاب میں "تصوف" کو بھی شامل کیا گیا ہے حالانکہ تصوف پڑھانے کی چیز نہیں ہے، اسلامی علوم کی پوری تاریخ میں ایسا نہیں ہوا کہ "تصوف" کو درسی کتابوں کی طرح پڑھایا گیا ہو! تصوف کو آپ پڑھائیں گے تو وہ عملی تزکیۂ نفس کی جگہ محض فلسفہ اور مصطلحات کا لغت بن کر رہ جائے گا۔ اور جس طرح آج پیشہ ور مولوی پیدا ہو رہے ہیں، اسی طرح پیشہ ور صوفیاء بھی پیدا ہونے لگیں گے؟ پھر "فصوص الحکم" جیسی مغلق نادق کتابوں کو پڑھانے کے لئے کہاں سے اساتذہ آئیں گے، پیچ در پیچ رموز و اسرار کو کون حل کرے گا! اس پر مستزاد یہ کہ عقائد کے اختلافات واضطرابات جو ابھریں گے، ان سے علمی فضا اور تعلیمی ماحول مکدر ہوگا: متشابہات پر بحث، گفتگو خطرے سے خالی نہیں۔

ہم جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی ترقی، مقبولیت اور استحکام کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یہ جدید نظم درسی دین وملت ملک اور علوم ومعارف کے لئے خیر وبرکت کا سبب ثابت ہو! (آمین)

بقیہ ص ۳۰ سے آگے۔

میں نے کہا ـــــ "ہم سب کے مالک اللہ واحد کی حکومت اپنے ملک میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے قرآن کے قوانین کو عدالتوں میں جاری کرنا چاہتے ہیں" وہ حیران ہو کر کہنے لگے۔ "یہ کام تو بہت اچھا ہے ایسا ہی ہونا چاہئے" ـــــ میں نے کہا "ہمارا یہ ملک اللہ کے قانون کے لئے ہی بنایا گیا تھا۔ جو لوگ قانون چلاتے ہیں اور ہم انہیں روکتے ہیں انہوں نے غصے میں آ کر ہمیں قید خانے میں بھیج دیا ہے"

وہ کہنے لگے "یہ تو انہوں نے اچھا کام نہیں کیا، ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو کامیاب فرمائے"

میں نے دل میں سوچا کہ دعا تو ساری قوم ہی مل کر کر رہی ہے لیکن محض دعاؤں سے اگر زندگی کے معرکے سر ہو سکتے اور لوگوں کو اللہ کی راہ میں امتحا نہ دینے ہوتے تو بدر واحد کے معرکے بھی وجود میں نہ آتے۔

اللہ ہی ہے جو مالک الملک ہے اس پر ساری آرزوؤں، تمناؤں، توقعات، مساعی اور کوششوں کا مدار ہے۔ وہی کمزوروں کا سہارا اور غیب سے مدد دینے والا ہے ہم اسی کے کرم پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں اور اسی کے در کے سائل ہیں۔ کہ وہ اس ملک کو "وہ" بنا دے، جس کے لئے یہ ملک وجود میں آیا

آدمجی کے پارچہ جات
دیرپا ہوتے ہیں
ACM
آدم جی کاٹن ملز۔ لانڈھی۔ کراچی

اس کی مقبولیت کا
سبب اس کی عمدہ
کوالٹی
CAVANDER'S

ماہنامہ **فاران** کراچی

ایڈیٹر:- ماہر القادری

جلد ۱۷	فروری ۱۹۶۵ء	شمارہ ۱۱

ترتیب

مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ فاران، کیمبل اسٹریٹ، کراچی ۱

چندہ سالانہ:- سات روپے	پبلشر:- سرور حسین	قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

طابع:- انٹرنیشنل پریس کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
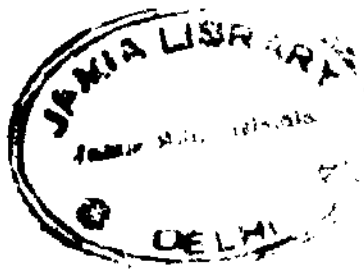
نقشِ اوّل

امارت و حکومت کی تین سیاسی ہیئتیں ہیں ـــــ بادشاہت، آمریت اور جمہوریت ـــ ان میں پہلی دو (بادشاہت و آمریت) غیر عوامی ہونے کے ساتھ ساتھ مطلق العنان ـــــ اختیار و اقتدار کا مظہر ہوتی ہیں، مطلق العنان بادشاہ اور خاص طور سے آمر کی زبان ملک کا دستور اور حکومت کا قانون سمجھی جاتی ہے، اس مزاج و ہیئت کی حکومتوں میں عوام بھیڑ بکریوں کی طرح بے اختیار بن کر رہتے ہیں، اُن کی کوئی آواز نہیں، وہ کسی مسئلہ میں اپنی رائے اور اختلاف کا اظہار نہیں کر سکتے اور یہ شامت کے مارے کبھی کبھار ایسا کر بھی گزریں تو حکومت اُن کی اچھی طرح گوشمالی کر دیتی ہے، ایسی گوشمالی جو دوسروں کے لئے درسِ عبرت بن جاتے ـــــ مارِ مار ترکی کا نیا ـــــ جیسی کیفیت! جابر بادشاہ اور آمریت کے دور میں عوام کی صلاحیتیں اور توانائیاں اُس پودے کی طرح ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں جس پر پالا پڑا ہو اور اس طرح اُس کی بڑھوار ماری گئی ہو! بادشاہ اور آمر عوام کو اپنا دست نگر اور زیر دست اور خود کو سچ مچ "مالک رقاب اُمم" سمجھتے ہیں کہ رعایا میں جس نے بھی زبان کھولی اور سر اٹھایا، اُس کی گردن ناپ دی گئی! بادشاہت اور آمریت کا مزاج کسی پبلک گورمنٹ اور عوامی جماعت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ثبوت میں مارشل لا کی حکومتیں پیش کی جاسکتی ہیں جہاں سب سے پہلے عوامی جماعتوں اور سیاسی اداروں کو ختم کیا جاتا ہے!

جہاں تک عوام کو بے اختیار کر کے، تمام اقتدار کو ایک ہی شخصیت میں مرتکز اور مجتمع کر دینے کا تعلق ہے، بادشاہ اور آمریت کا قریب قریب ایک ہی جیسا مزاج اور کردار ہے، ان کے درمیان جو نمایاں فرق ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہت میں خاندانی وراثت کا عمل جاری ہوتا ہے، خود فرماں روا اور سلاطین اپنے ولی عہد اور جانشین مقرر کرتے ہیں، قرابت، عزیز داری اور خویش پروری کی یہ شاہانہ سنت حکومت و فرماں روائی کے لئے صلاحیت اور اہلیت کے پہلو کو نظر انداز کر دیتی ہے، آمریت میں اس قسم کی خاندانی وراثت کا سوال پیدا نہیں ہوتا!

وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے، ـــ

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

تاریخ میں بادشاہت کی ناپسندیدہ ہیئت کے باوجود کوئی شک نہیں، کتنے ہی خداترس اور منصف و عادل بادشاہ بھی گزرے ہیں! اس مسئلہ کی اصل صورت یہ ہے کہ کوئی بادشاہ نیک، خداترس اور عوام کا ہمدرد ثابت ہو جائے اور عوام اُسے پسند بھی کرتے ہوں، تو عوام کی اس پسندیدگی کے سبب اس بادشاہ میں جمہوریت کی جھلک اور صفت پیدا ہو جاتی ہے، حکومت و سیاست کی دنیا میں اصل چیز عوام کا کسی نظامِ حکومت کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرنا ہے (انتباہ ـــــ یہاں ہم کفر و اسلام کے نظام سے بحث نہیں کر رہے ہیں)

یہ تھا بادشاہت اور آمریت کا سرسری تعارف! اب رہی جمہوریت تو یہ بادشاہت اور آمریت کی بالکل ضد ہے یہ دونوں انتہائیں ہیں وہ اس

بسرے پر، یہ اس سرے پر! آمریت اور بادشاہت میں عوام کو جس قدر بھی بے اختیار، بے حوصلہ اور پست ہمت بنایا جائے، اتنا ہی بادشاہت اور آ
کو استحکام میسر آتا ہے، جمہوریت میں جو کچھ ہیں عوام ہیں، انہی کی رائے اور مرضی سے حکومت کے دستور و قوانین بنتے ہیں، ان کی مرضی کے بغیر حکومت کا وارالہ
تو بہت بڑی چیز ہے، پولس کا تھانہ اور تحصیل کا مستقر بھی منتقل نہیں کیا جا سکتا، جمہوریت میں عوام اپنی پسند اور مرضی سے حکومت چلانے کے لئے ا
کو منتخب کرتے ہیں، جمہوری حکام عوام کے صحیح نمائندے ہوتے ہیں، عوام انہیں جب چاہیں ہٹا سکتے ہیں اور اول تو جمہوری حاکموں میں خود بھی اتنی
اور غیرت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں عوام کو اپنا مخالف پاتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ان پر عوام کو جو اعتماد تھا وہ مجروح ہو گیا ہے، تو یہ حضرات از
منصب واقتدار کی کرسیاں چھوڑ دیتے ہیں، جمہوریت میں کرسیاں ادلتی بدلتی رہتی ہیں اور سب سے زیادہ خوبی کی بات یہ ہے کہ جمہوری حکومت میں عوام کو
رائے کی پوری آزادی ہوتی ہے اور تمام داخلی اور خارجی پالیسیاں عوام کے نمائندوں کے صلاح و مشورہ ہی سے مرتب اور متشکل ہوتی ہیں! مقصد نیک ہو
آپس کی "مشورت" میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت رکھی ہے!

!!

یہ دور جس سے آج کی دنیا گذر رہی ہے "جمہوری دور" ہے دنیا کے پردے پر جو بادشاہتیں باقی رہ گئی ہیں وہ انگلیوں
پر گنی جا سکتی ہیں اور اُن میں بھی عوام کی نمائندگی کا تصور اور عقیدہ عملاً قوت نافذہ بنتا جا رہا ہے اور جہاں نہیں بن سکا
وہاں کسی نہ کسی عنوان سے اس کی داغ بیل پڑ رہی ہے!

جمہوریت کی اس آفاق گیر فضا میں وہ لوگ جو عوام کے انتخاب و پسندیدگی کے ذریعہ نہیں بلکہ طاقت کے زور سے اقتدار حاصل کرتے ہیں اُن کو
اقتدار برقرار رکھنے کے لئے جمہوریت کا سہارا لینا پڑتا ہے، بس یوں سمجھئے کہ کامل اختیار فرد واحد کی مٹھی میں ہوتا ہے مگر اس مٹھی پر جمہوریت کا ملمع
جاتا ہے۔ جمال عبدالناصر کی ذات اس دور میں "جمہوریت نما آمریت" کا نمایاں مظہر ہے۔

؎ پیتل پہ چاندی کا جھول

سچی صاف اور سامنے کی بات یہ ہے کہ اقتدار کا چسکا اور حکومت کرنے کی ہوس طرح طرح کے رُوپ دھارتی رہتی ہے! جہاں بھی ہوسِ اقتدار پائی
وہاں خرابیاں ضرور پیدا ہوں گی اور پراگندگی اور انتشار لازمی طور پر رونما ہو کر رہے گا۔ جمہور پسند افراد کا یہ مزاج نہیں ہوتا کہ ایک مرتبہ اقتدا
میں آ گیا تو وہ اس سے کسی عنوان دست بردار ہونا ہی نہیں چاہتے، یہ تو بادشاہوں اور مطلق العنان فرماں رواؤں کا مزاج ہے کہ عوام چاہے کتنے ہی
کیوں نہ ہوں، عام حالات نے خواہ کوئی بھی رُخ کیوں نہ اختیار کر لیا ہو یہ حضرات کرسیوں سے چمٹے رہیں گے!

جمہوریت زیادہ سے زیادہ وسعت اور پھیلاؤ چاہتی ہے، عوام کی آزاد نمائندگی! جمہوریت پابندی اور حد بندی کو گوارا نہیں کر سکتی،
اور محدودیت جمہوریت کے ساتھ دردناک مذاق ہے! جہاں کہیں بھی جمہوریت کو پابند اور محدود کیا جائے گا وہاں اقتدار کی ہوس آنکھ مچولی کھیلتی ہ
حکومت کے ذریعہ جلبِ منفعت کا جذبہ پتے بازی اور بازی گری کرتا ہو گا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کو منصب و عہدہ دینے کی ممانعت فرمائی ہے جو منصب و عہدہ کی ہوس اور تمنا رکھتا ہے! ا
میں یہی نفسیاتی نکتہ پنہاں ہے کہ اقتدار کی ہوس سے معاشرے کو طرح طرح کے نقصانات پہونچنے کے امکانات ہیں! وہاں ضرورت سے زیادہ
اخراجات اور شاہانہ مصارف ہوں گے، رنگ رلیاں ہوں گی۔ شان و شکوہ اور ٹھاٹ باٹ ہو گا۔ اقربا پروری اور خویش نوازی ہو گی، جو
سے نفس کو لذت ملتی ہے اُن کی کھلی ہوئی آزادی، اور جن نیک افعال سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اُن سے بے پروائی اور بے تعلقی!

بادشاہت، آمریت اور جمہوریت پر ہم نے اوپر کی سطروں میں عام باتیں کہی ہیں اب ہم اُس ملک کے حالات کی طرف شبدیزِ خامہ کی باگ موڑتے ہیں، جو ہمارا محبوب وطن ہے اور جس کا ذرہ ذرہ ہماری آنکھوں کا تارا ہے ہم اس ملک کے باشندے ہیں، اس پاک سرزمین سے ہمارا دینی تعلق ہے اور دین سے بڑھ کر کوئی اور رشتہ مضبوط اور مستحکم نہیں ہوتا، یہ کیسے ممکن ہے کہ پاکستان کے حالات ہم خاموش تماشائی بن کر دیکھتے رہیں اور زبان سے کچھ نہ کہیں! یہ نہیں ہو سکتا ——

؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آئے گا ضرور

ہم سیدھی سادی بات کو اُلجھانے اور پھیلانے کے عادی نہیں ہیں اور نہ ہمارا یہ شعار رہا ہے کہ کسی فرد یا جماعت کی مخالفت میں اس حد تک نکل جائیں کہ کسی کا عیب تو ہو رائی برابر اور ہم اسے پربت بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیں، اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کی ہم پر لعنت ہو اگر ہم کسی پر تہمت جوڑیں یا اُسے مطعون کریں!

ساری دنیا جانتی ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر "بالغ رائے دہی" کے ذریعہ بنا ہے اور جمہور کا عام استصواب تقسیم ہند اور پاکستان کی تشکیل کا سبب قرار پایا ہے آخر اس آزمائے ہوئے کامیاب ذریعہ کو ترک کر کے "بنیادی جمہوریت" کیوں اور کس لئے ایجاد کی گئی! اس محدود اور پابند جمہوریت کے واسطہ سے شروع سے لے کر اب تک جو انتخابات ہوئے ہیں، اُن میں بنیادی جمہوریت کے ارکان کی خاصی بڑی تعداد نے جس سطحی کردار اور پست ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے وہ کوئی راز اور پردے کی بات نہیں ہے کہ جس کا ہم پہلی بار انکشاف کر رہے ہیں، خاص طور سے صدارتی انتخابات میں جو کارستانیاں ہوئی ہیں اُن کو جو کوئی منصفانہ کہتا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پاکستان میں عدل و انصاف کے معنیٰ بدل دئے گئے ہیں۔ اور یہی لیل و نہار رہے تو یہاں اس قسم کا [illegible] کی ایک جدید ڈکشنری تیار ہو کر رہے گی!

یہ واضح حقیقت اور سامنے کی بات ہے کہ پابند جمہوریت کے ارکان کی رائے جمہور عوام کی رائے نہیں ہو سکتی یہ بات پہلے سے بھی معلوم تھی مگر انتخابات نے اس علم کو یقین سے بدل دیا! بھارت اگر استصواب عام کی جگہ اس قسم کی پابند اور محدود جمہوریت کے ذریعہ کشمیر میں رائے شماری کرائے تو پاکستان بھارت کے اس موقف کو کیا تسلیم کرے گا؟ ہرگز نہیں کرے گا۔ بس اس سے سمجھ لیجئے کہ جمہوریت پر پابندیاں اقتدار برقرار رکھنے کے لئے لگائی جاتی؛ دھن دولت، دھونس، دھاندلی اور دباؤ سے دل نہیں جیتے جاتے، دلوں کے جیتنے کے لئے بڑے حوصلے، ایثار، ہمدردی، عدل و انصاف اور خلق و مروت کی ضرورت ہے عوام کی ہمدردیاں اور دعائیں ان حاکموں کو میسر آتی ہیں جن کے بارے میں عوام کو یقین ہو جائے کہ یہ حضرات حکومت: ذاتی اور شخصی دلچسپی نہیں رکھتے اور انہوں نے قوم و ملک کی خاطر ذمہ داری کے اس بار گراں کو قبول کیا ہے اس دنیا میں نہ کسی کا ایثار چھپا رہتا ہے ا نہ خود غرضی نقاب پوش رہ سکتی ہے، پچھلے غلط کار بادشاہوں اور فرماں رواؤں نے کس رازداری کے ساتھ سازشیں اور بدعنوانیاں کی تھیں مگر ظاہر ہو کر رہیں اسی طرح ہر دور میں قصرِ ایوان کی ایک ایک بات عوام تک پہونچ کر رہتی ہے یہاں تک کہ سب افواہیں ایک جیسی نہیں ہوتیں، بعض افواہوں سے واقعات کا سراغ اور حقائق کا اتا پتا ملتا ہے۔

پاکستان کے منصب صدارت کا انتخاب ہو چکا اور جو کچھ ہوا پاکستان کے آئین کے تحت ہوا اس صورت میں آئین پسندی کا تقاضا کیا ہے؟! تنقید یا وحی الٰہی کی طرح تسلیم و اطاعت؟ بات بظاہر خاصی معقول اور اصول ہے مگر آئین کا احترام کرتے ہوئے ہم یہ عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ جب آئین بنا تھا تو پاکستان کے اہل الرائے اور ارباب فکر نے بتا دیا تھا کہ اس آئین کی تدوین کس مقصد کے تحت کی گئی ہے اور اس کے کیا نتائج ہوں گے! جو نتائج سامنے آئے وہ سب نے دیکھ لئے! آزاد جمہوریت میں اصول کی اور پابند جمہوریت میں شخصیتوں کی فتح ہوتی ہے! جب آئین کی دیز

میں اسمبلیاں تک پابند و مجبور اور بے اثر ہوں اُس آئین کو کیا نام دیا جائے ؟

پاکستان کے عوام جس کشمکش سے دوچار ہیں وہ یہی تو ہے عوام یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کا نظامِ حکومت اسلام، اخلاق اور جمہوریت کے تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیے! پاکستان آرزوی نفسوں کی حکومت اور شخصی اقتدار کے فروغ و بقا کے لئے نہیں بنا عوام کی یہ خواہش معقول بے جائز و درست ہے اس مطالبہ کو آئینی ذرائع سے منوانے کے لئے عوام کی اس جدوجہد کو جو کوئی وطن دشمنی یا انتشار سے تعبیر کرتا ہے اس کی یہ جنبش اور یہ بھی خود اس کے باطن اور عزائم کا پتہ دیتی ہے! حکومت کو عوام کی تمناؤں کا مظہر ہونا چاہیے۔ جہاں یہ صورت مفقود ہو وہاں اضطراب اور بے چینی کا پایا جانا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔

عوام جس بات کو اپنے لئے مفید سمجھتے ہیں اُس کے حصول کے لئے وہ جدوجہد کرسکتے ہیں یہ ان کا فطری حق ہے، اُن کے اس حق کو چھینا نہیں جاسکتا!! احتجاج و کشاکش کی فضا میں بے شک ملک کی تعمیر کی رفتار دھیمی پڑجاتی ہے مگر جو لوگ ملک کے بہی خواہ ہیں اور جن کے قبضہ میں کشودِ کار ہے وہ عوام کے مطالبہ کو مان کر اس کشاکش کو ختم کرسکتے ہیں!

پاکستان کے عوام کی پیشانیوں میں شکر کے سجدے اس دن کے لئے تڑپ رہے ہیں جس دن یہاں کے افق پر اسلام و جمہوریت کی تابناک صبح طلوع ہوگی!

ع مری آواز مکّے اور مدینے

دیکھیے وہ روزِ سعید کب آتا ہے اور وہ روشن صبح کب نمودار ہوتی ہے؟

ماہر القادری ۱۲ فروری ۱۹۶۲ء

پروفیسر محمد عبداللہ — مشرقی پاکستان

نذرالاسلام اقبال اور ربندر ناتھ ٹیگور

ایک نظر میں

آزادی کا حصول کوئی فوری حادثہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ایک طویل عمل کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن درخت کی جڑ پکڑنے اور پھلنے پھولنے سے پہلے کئی ہاتھوں کے ذریعے اسے پروان چڑھایا جاتا ہے۔ ہمارے حصولِ آزادی کی بھی یہی روداد ہے۔

پاک و ہند کی قومی بیداری اور حصولِ آزادی میں تنہا کسی ادیب یا شاعر کا حصہ نہیں۔ بلکہ حالی (۱۸۳۷ء – ۱۹۱۴ء)، اکبر (۱۸۴۶ء – ۱۹۲۱ء) اقبال، نذرالاسلام (۱۸۹۹ء –) اور دوسرے ادباء و شعراء نے یکے بعد دیگرے برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کے ذہنی نشوونما میں اہم رول انجام دیا ہے۔ یکایک قومی بیداری کا شعور نہیں اُبھرا اور نہ یک روز پاک و ہند آزاد ہوا بلکہ مختلف ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ہماری قوم موجودہ درجے پر پہونچی ہے۔

سب سے پہلے حالی نے اپنی قومی نظموں سے ہماری قومی بیداری کا بیڑا اٹھایا۔ اس کے بعد اکبر اور اقبال نے قومی شاعری کے میدان میں قدم رکھا۔ انہوں نے حالی کی بتائی ہوئی راہ میں گامزن ہو کر مسلمانوں میں مذہبی جوش و جذبے کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ اکبر نے مسلمانوں کو اپنی ثقافت و معاشرت کو مغربی تہذیب و تمدن کے حربوں سے بچانے کی تلقین کی۔ اقبال نے "خضرِ راہ" بن کر "اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی" کی ہدایت دی۔

سرزمین بنگال حالی اور اقبال کی شاعری سے خاطر خواہ متاثر نہیں ہوئی اس لئے کہ یہ دونوں اردو کے شاعر تھے، انہوں نے اردو زبان میں قوم کو پیغام دیا۔ تقسیم ملک سے پہلے مشرقی پاکستان میں اردو کی اشاعت نہ ہونے کی برابر تھی۔ یہاں کے لوگ اپنے صحیح معنوں میں ان کے کلام سے استفادہ نہ کر سکے البتہ ربندر ناتھ ٹیگور اور نذرالاسلام نے ان کے مقاصد کو یہاں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ (مگر بنگال کے ہزاروں دینی طلباء اردو جانتے ہیں)۔ (م-ق)

نذرالاسلام اور ربندر ناتھ دونوں معاصر ہیں۔ دونوں ایک ہی علاقے اور ایک ہی زبان کے شاعر ہیں۔ نذرالاسلام نے شاعری کے میدان میں اس وقت قدم رکھا، جب ربندر ناتھ کی شاعری بامِ عروج پر تھی۔ تمام شعراء و ادباء انہیں کے چشمۂ فیض سے استفادہ کر رہے تھے، شروع شروع میں نذرالاسلام بھی ان سے مستغنی نہ تھے، مگر وہ ایک غیر معمولی ذہانت و فطانت کے مالک تھے ان کی غیور طبیعت نے زیادہ دنوں تک کسی کی تقلید گوارا نہ کی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے اپنا راستہ الگ نکالا اور ربندر ناتھ ٹیگور کے زمانہ میں بھی اپنی عبقریت کا ثبوت دیا ایک تو فطرت نے ان کی طبیعت کو جدت و حدت ودیعت کر رکھی تھی، مزید برآں زمانے کے تقاضوں نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا۔ مظلوم انسانیت کی پکار نے ان کی شاعری میں ایک طوفانی اور ہیجانی کیفیت پیدا کر دی۔ یہی جذباتیت مظلوم انسانیت کے حق میں تو مفید ثابت ہوئی۔ مگر اس کی وجہ سے ان کی ہنگامی نظموں میں گہرائی نہ آنے پائی۔ یہی چیز ان کے اعلیٰ درجے کے خلاق ہونے کی راہ میں رکاوٹ بنی، ان کی نگارشات میں جو تندی و تیزی

ملتی ہے وہ نہ ٹیگور میں ملتی ہے نہ اقبال میں۔

رابندرناتھ کی شاعری ایک اتھاہ سمندر ہے جس میں گہرائی تو ہے مگر تلاطم نہیں۔ نذرالاسلام کی شاعری ایک جوئبار ہے جو گہرا تو نہیں مگر پرہیجان نغمہ ہے جو اچھلتے، پھیلتے، اور سرکتے ہوئے تیزی سے آگے نکل جاتا ہے۔ رابندرناتھ کی شاعری میں ظلم و ستم کے خلاف صرف احتجاج ملتا ہے نذرالاسلام کی شاعری میں وہ جنگ کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔

نذرالاسلام، رابندرناتھ اور اقبال تینوں کو انسانیت سے والہانہ محبت تھی۔ تینوں نے انسانیت کے گیت گائے۔ فرق یہ ہے کہ رابندر اور اقبال نے عوام سے دور رہ کر انہیں محبت کا پیغام سنایا۔ مگر نذرالاسلام نے دلدل میں پھنسے ہوئے انسانوں کے قریب پہونچ کر انہیں نکالنے کی کوشش کی۔ ٹیگور کی شاعری کا جو منشا تھا۔ اقبال اور نذرالاسلام کا بھی وہی تھا۔ ٹیگور نے جو باتیں نیاز مندانہ انداز میں سنائیں، وہی اقبال اور نذرالاسلام کے یہاں جیتی جاگتی اور انقلابی شکلوں میں رونما ہوئیں۔ اقبال اور ٹیگور عوام سے اتنے قریب نہیں جتنے کہ نذرالاسلام ہیں انہوں نے عوام کو اتنے قریب نہیں دیکھا جتنے کہ نذرالاسلام نے دیکھا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ٹیگور کی شاعری میں ایک عالم گیر اور گہری محبت کی تلقین ہے جو سرزمین بنگال کے کسی شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی۔ روحانیت، زبان کی ملاحت و حلاوت، خیالات کی بلندی، مضامین کے سوز و گداز اور فنکارانہ کمال میں کوئی شاعر اُن کا ہمسر نہیں۔ نذرالاسلام اور ٹیگور بنگلہ شاعری، مگر اقبال فارسی اور اردو دونوں میں اعلیٰ درجے کے شاعر ہیں یہ تینوں قادرالکلام شاعر ہیں جس میں نذرالاسلام اتنے بڑے خلاق نہیں جتنے کہ ٹیگور ہیں ٹیگور اور نذرالاسلام نے نظم و نثر دونوں کے اہم شعبوں میں قابل ذکر کارنامے چھوڑے ہیں۔ نذرالاسلام شاعر، گیت نویس، موسیقی داں، افسانہ نگار، ناول نگار، ناٹک نگار، صحافی اور مترجم ہیں، ٹیگور بیک وقت شاعر، گیت نویس، موسیقی داں، افسانہ نگار، مقالہ نگار، ناول نگار، ناٹک نگار، نقاش، نقاد اور صحافی ہیں۔

نذرالاسلام، ٹیگور اور اقبال تینوں کو جمالیاتی قدروں کا احساس تھا۔ حسن و عشق سے دلچسپی تھی۔ غلامی، ناانصافی، افلاس، جہالت اور ستم کے خلاف تینوں کے یہاں احتجاج ملتا ہے مگر فرق نوعیت اور کیفیت کا ہے۔ اقبال مظلوم انسانیت کی غمخواری میں "کاخ امراء کے در و دیوار" کا پیغام سناتے ہیں — "بانگ درا" اور "ضرب کلیم" سے گمراہ قوم کو راہِ راست پر لانا چاہتے ہیں، نذرالاسلام طبل اور دمامہ بجا کر لوگوں کو جور و استبداد کے خلاف لڑنے کے لئے میدان جنگ میں لا کھڑا کرتے ہیں۔ ٹیگور عالم گیر محبت اور برادرانہ ہمدردی کی دعوت دے کر مفاہمت میں مرض کا علاج ڈھونڈتے ہیں۔ منزل تینوں کی ایک ہی ہے۔ تینوں حرکت و عمل کے شاعر ہیں۔ "ترک آب و گل" سے کسی کا واسطہ نہیں۔ کسی کے یہاں فراری کیفیت نہیں بلکہ کام کرنے کا آگے بڑھنے کے جوش و جذبے سے ان کی شاعری لبریز ہے ان میں مغرب کے عمل اور مشرق کی روحانیت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

بااین ہمہ اشتراکِ خیالات، نذرالاسلام، رابندرناتھ اور اقبال میں تھوڑا بہت فرق بھی پایا جاتا ہے۔ نذرالاسلام فلسفی شاعر نہیں وہ اور عوامی شاعر ہیں۔ وہ فلسفیانہ مسائل میں نہیں الجھتے۔ اقبال اور رابندرناتھ فلسفی شاعر ہیں۔ مگر رابندرناتھ اتنے فلسفی نہیں جتنے کہ وہ شاعر۔ برخلاف اس کے اقبال بیک وقت شاعر بھی ہیں اور فلسفی بھی۔ یہ کہا نہیں جاسکتا کہ ان کا کون سا پہلو راجح ہے اور کون سا مرجوح۔

ٹیگور ظلم و ستم کی طرف قوم کی توجہ منعطف کرکے اس کی خامیوں کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں وہ قوت اور انقلاب کے شاعر نہیں وہ اپنی منزل کو پہونچنے کے لئے قوت کا استعمال کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ صلح و آشتی اور میل محبت کے حربوں سے میدانِ جنگ جیتنا چاہتے ہیں۔ نذرالاسلام کی طرح "نقش کہن" کو مٹا کر ایک "جہان نو" کی تخلیق کرنے کے آرزومند تو ہیں مگر وہ اسے بروئے کار لانے کے لئے کوئی واضح اور منظم طریقہ

(باقی صد ۱۶)

مُلّا واحدی

تاثرات

ایمان کے درجات

اس وقت، آج کل کے معیار کے مطابق اور آج کل کے حساب سے، جیسا اچھا مسلمان بھارت میں ہے ویسا کسی اور ملک میں نہیں ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کے حالات نے بھارت کے مسلمانوں کو اللہ کی یاد دلا دی ہے اور اُن کی غفلت خاصی کم کر دی ہے۔ یہ بات میں بھارت کے اوسط طبقے کے مسلمانوں کی بابت کہہ رہا ہوں۔ اونچے طبقے اور نیچے طبقے کا مسلمان وہاں بھی دوسرے ملکوں کا سا ہے۔ وہاں کے نیچے طبقے میں بہ کثرت مسلمان ایسے ہیں جنہیں کلمہ ٹھیک پڑھنا نہیں آتا اور اونچے طبقے میں ایسے مسلمان ہیں جن کی زبان سے السلام علیکم اس طرح ادا ہوتا ہے، گویا پہلی دفعہ السلام علیکم زبان پر آیا ہے۔ ہم ہندوؤں کی طرف سے بے اطمینان تینوں طبقے ہیں لہٰذا مسلمان کی ایک تعریف اور DEFINITION یہ کی جا سکتی ہے کہ مسلمان وہ ہے جو بھارت میں بے اطمینان اور بے چین ہے، خواہ اسے کلمہ پڑھنا اور السلام علیکم کہنا بھی نہ آتا ہو، بس ہندو جسے مسلمان سمجھیں اور وہ اپنے آپ کو مردم شماری میں مسلمان لکھوائے۔ ہندوؤں کا اس کو مسلمان سمجھنا اور اُس کا اپنے آپ کو مردم شماری میں مسلمان لکھوانا ایمان کا ایک درجہ قطعی ہے۔ عاقبت میں اُسے مسلمانوں ہی کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔

دوسرا درجہ ایمان کا یہ ہے کہ مسلمان اسلام کی باتوں کو تھوڑا بہت جانے اور اُنہیں مانے، اُن پر عمل کرنے کی نیت رکھے اور حسبِ توفیق عمل کرے، ٹھوکریں کھا کھا کر سنبھلے اور اللہ کے ہاں ایمان سلامت لے جائے۔ اوسط طبقے کے مسلمان عموماً اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ انہیں نیچے طبقے کے مسلمانوں کی نسبت علماء کے وعظ سننے اور علماء کی صحبت میں بیٹھنے کے زیادہ مواقع ملتے ہیں۔ اُن کے ایمان کا درجہ پہلے درجے سے بظاہر بلند ہے۔

تیسرا درجہ ایمان کا یہ ہے اور یہ بلند ترین درجہ ہے کہ اسلام کی تمام باتوں کے علم کے علاوہ اس بات کا بھی علم ہو جائے کہ اسلام نام ہے قوتِ اختیار کے صحیح استعمال کا یعنی اپنی قوتِ اختیار کو قوتِ اختیار عطا کرنے والے کے احکام اور منشا کے تابع کر دینے کا۔

جو شخص اسلام کا پورا عالم ہو کر بھی قوتِ اختیار کا استعمال غلط کرتا ہے، مثلاً لوگ اُس کے پاس اسلام کی باتیں معلوم کرنے آتے ہیں، مگر وہ انہیں فرقہ بندی کے جھگڑوں میں پھنسا دیتا ہے، تو اُسے ایمان کا یہ بلند درجہ کیا، دوسرے اور تیسرے درجے کا ایمان بھی نصیب نہیں ہے۔ وہ اللہ کی عطا کی ہوئی قوتِ اختیار سے اللہ کے احکام نہیں بجا لاتا اپنے نفس کے احکام بجا لاتا ہے، اُس کا ایمان اُس کے معتقدوں کے ایمان سے کم تر ہے، وہ مخلص مرید کا غیر مخلص پیر ہے۔

عالموں سے بڑھ کر حاکموں کا معاملہ ہے۔ کاش مسلمان حکام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی طرح اپنی قوتِ اختیار کا استعمال کرتے رہتے، مسلمانوں کو جتنا نقصان قوتِ اختیار کے خلافِ قرآن و سنت استعمال نے پہونچایا ہے اتنا اور چیزوں نے نہیں پہونچایا۔ بہر حال قوتِ اختیار کا مطابقِ قرآن و سنت استعمال ایمان کا سب سے بڑا درجہ ہے۔

خیر عالموں اور حاکموں کا قصہ چھوڑیئے اور اپنے اوپر غور کیجئے۔ ہم ان کے ساتھ اپنی قوتِ اختیار کا کیا استعمال کر رہے ہیں، جن پر ہمیں

تھوڑی بہت فضیلت حاصل ہے۔ جن سے ہمارا علم اور ادراک لا تعلق ہے۔

خوش قسمت بدنصیب

قسمت کیا ہر ایک کو قسّام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

سب سے بڑا خوش قسمت بادشاہوں کو سمجھا جاتا ہے، یا اب جہاں بادشاہ نہیں رہے تو جو ان کے قائم مقام ہیں، وہ سب سے بڑے خوش قسمت سمجھے جا... جن کے آگے اہل علم تک جھکنے لگیں[1]۔ اور جن کے ہاں دن عید اور رات شب برات ہوتی، انہیں خوش قسمت خیال کرنا غلط یا عجیب بات نہیں ہے۔ ا... خوش قسمت ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے وہ یقیناً خوش قسمت ہیں، بشرطیکہ مسلمان نہ ہوں۔ غیر مسلمان بادشاہ یا سربراہ جتنا خوش قسمت سمجھا جائے، بجا کیوں کہ اس کی عقبیٰ بہرحال خراب ہونی ہے، دنیا میں دن عید اور رات شب برات بنا لے عقبیٰ تب بھی خراب ہو گی۔ اور نہ منائے تب بھی خراب، لہٰذا اس کے لئے اپنی پوزیشن سے لطف اٹھا لینا ہی خوش قسمتی ہے۔ لیکن مسلمان بادشاہ یا سربراہ کی خوش قسمتی اس میں نہیں ہے کہ اس نے کس کس کو آگے جھکایا اور کیا کیا مزے اڑائے اس کی خوش قسمتی تو یہ ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے موقع دیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے کی پیروی کرے۔ یہ موقع ہر کس و ناکس کو نہیں ملتا۔ یہ خوش قسمتی ہمہ شما کو میسر نہیں آتی۔ خوش قسمت ہیں اور اہل علم اور اہل عرفان سے بڑھ کر[2] خوش قسمت لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی جگہ بٹھایا ہے لیکن اگر وہ اس منصب جلیل کا استعمال حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی طرح نہ کر... ان سے زیادہ بدنصیب بھی دوسرا نہیں ہے پھر وہ خوش قسمت بدنصیب ہیں۔ آغاز اچھا اور انجام بُرا۔ اُن کے مقابلے میں تو وہی قابل رشک ہے جس کا... بُرا ہوا اور انجام اچھا ہو۔ دنیا کیسی بھی گزرے مگر عاقبت بخیر ہو جائے۔ جیسے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی جانشینی کا شرف تو نہیں بخشا گیا، لیکن حشر اُ... حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ساتھ کر دیا۔ یہاں نہ سہی، وہاں وہ اپنے پیشواؤں کے قدموں میں جا بیٹھا۔ مسلمانوں کے نزدیک اعتبار انجام کا ہے۔ جس عقبیٰ کو پیش نگاہ رکھ کر دنیا کو برتا وہ فلاح یاب ہوا، اور جو خالی دنیا کا ہو رہا وہ دنیا کے اعتبار سے خوش قسمت ہے بھی، تو عقبیٰ کے اعتبار سے بدنا...

فقط اس نکتے پر غور کیجئے کہ اُسے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے رنگ میں (جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ تھا) رنگ جانے کا دیا گیا۔ مگر اُس نے اپنے تئیں اُن کے رنگ میں نہیں رنگا۔ یہ عظیم ترین بدنصیبی ہے یا نہیں؟

نہ بولنے کے وقت بولنا

آپ کسی کا ایسا راز جانتے ہوں۔ جسے وہ چھپانا چاہتا ہے، لیکن آپ اُسے ظاہر کر دیں تو یہ گویا ایک بم کا گولہ گرے گا جو خود آپ کے بھی!

---

[1] بادشاہوں کے آگے پیچھے پھرنے والے علماء کے ساتھ سوءُ لگایا جاتا ہے، لیکن ہوتے تو وہ اہل علم ہی ہیں۔ (واحدی)

[2] حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت پر تشریف لانے کے بعد پہلے خطبے میں فرمایا تھا کہ تم میں مجھ سے بہتر لوگ موجود ہیں۔ یہ فقرہ حضرت ابوبکر جیسے سچے انسان کا تھا اسے تکلف کا فقرہ نہیں کہہ سکتے حضرت ابوبکر نے سچ فرمایا تھا لیکن جب انہوں نے خلافت کا زمانہ کامیابی کے ساتھ ختم کر لیا تو وہ افضل البشر بعد الانبیاء تسلیم کئے گئے اُ... "بہتر لوگوں" نے بھی انہیں افضل البشر بعد الانبیاء تسلیم کیا۔ کوئی خوبی اور کوئی وصف، نبوت کے سوا، سربراہی کی خوبیوں اور وصفوں سے اولیٰ نہیں ہے جو شخص، خلفائے راشدین کے نمونے کے مطابق کر سکے وہ یقیناً اہل علم اور اہل عرفان سے افضل ہے۔ (واحدی)

دوسرا گھائل ہو یا نہ ہو، آپ ضرور گھائل ہو جائیں گے۔ آپ کا ضمیر اگر مردہ نہیں ہے تو قطعی محسوس کریں گے کہ میں نے بُرا کیا۔ وہ لفظ زبان سے نکال کر آفت مول لے لی جس کا سارا نقصان ہوا، اُسے تو دشمن بنا ہی لیا، دوسرے بھی مجھے ناقابل بھروسہ اور پردہ پوشی نہ کرنے والا کہہ رہے ہیں۔ میری ساکھ اور عزت میں فرق آگیا۔

انسان سب طرح کی باتیں سنتا اور دیکھتا ہے، سننے اور دیکھنے سے بچنا اتنا قبضے کا نہیں ہے جتنا اُن معلومات کا اظہار قبضے کا ہے، جو سننے اور دیکھنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ آپ زبان پر قابو رکھ سکتے ہیں۔

جہاں تک میں نے سمجھا ہے، کوئی معلومات بغیر کرید کے کانوں میں پہنچ جائے تو اُس کی اللہ کے ہاں گرفت سخت نہیں ہوگی۔ مگر معلومات کے اظہار پر اللہ نے پہرہ بٹھا رکھا ہے۔ ارشاد ہے: ۔ہم انسان کے خالق ہیں، ہم ان وسوسوں اور خطروں تک سے باخبر رہتے ہیں جو انسان کے دل میں گزرتے ہیں ہم رگ و جان سے بھی زیادہ انسان کے قریب ہیں۔ جب ریکارڈ کرتے ہیں (ہمارے) دو ریکارڈ کرنے والے دائیں بائیں بیٹھ کر، تو زبان سے لفظ نکلتے ہی (اچھی باتیں دائیں طرف کا فرشتہ اور بُری باتیں بائیں طرف کا فرشتہ لکھ لیتا ہے) پہرہ دار (اُسے لکھنے کے لئے) بغل میں موجود ہوتے ہیں (سورہ ۵۰ ۔ آیات ۱۶ تا ۱۸)

بقول شاہ عبدالقادر علیہ الرحمتہ رگ جاں باہر نمایاں ہے اور اللہ باہر اور اندر سب جگہ نہاں ہے ؎

جاں نہاں در جسم و اُو در جاں نہاں

فرشتوں کا لکھنا فعل عبث نہیں ہے۔ ایک ایک لفظ کی جزا ملے گی اور ایک ایک لفظ کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔

چھوٹا سا فقرہ ایٹم بم کا حکم رکھتا ہے۔ چھوٹا سا فقرہ دنیا میں انقلاب برپا کر سکتا ہے اور دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے۔ تقسیم ہند سے چند دن پہلے ایک فارمولا تجویز کیا گیا تھا جسے مسلم لیگ اور انڈین کانگریس دونوں نے مان لیا تھا۔ اس فارمولے کے مطابق عمل درآمد ہوتا تو پھر تقسیم کی ضرورت نہ پڑتی۔ مگر فارمولا منظور کر لینے کے بعد کچھ الفاظ پنڈت جواہر لال نہرو کی زبان پر اس نوعیت کے آ گئے کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا کہ بھائی! کام نہیں چلے گا۔ اب ہمیں پاکستان ہی چاہئے۔ پاکستان کے نقوش، جھم ہو گئے تھے، پنڈت جواہر لال نہرو کے دو چار لفظوں نے انہیں پھر اجاگر کر دیا۔ پنڈت جی ٹیپ ٹمنہ سیاست دان اور مدبّر شخص تھے، لیکن کبھی کبھی زبان کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔

ہماری اور آپ کی زبان بھی پکڑی جاتی ہے، مگر اہل سیاست اور اہل اقتدار کی زبان ہم سے اور آپ سے زیادہ پکڑی جاتی ہے ؎

جن کے رتبے ہیں سوا، اُن کی سوا مشکل ہے

اہل سیاست اور اہل اقتدار کو واقعی تول کر بولنا چاہئے اور جو تول کر کے نہیں بولتے ان کی سیاست اور ان کے اقتدار کی عمر طفلی کے دور سے آگے نہیں بڑھتی۔

عوام کی باتیں زخم لگاتی ہیں اور خواص کی باتیں ناسور بن جاتی ہیں۔ عوام کی باتیں گھر بگاڑتی ہیں اور خواص کی باتیں سلطنتیں تہ و بالا کر دیتی ہیں۔ کوئی بچہ کیچڑ کے قریب کھڑا تھا۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے اُسے سمجھایا کہ ذرا دور کھڑے ہو، ورنہ پیر پھسل جائے گا۔ وہ بچہ کیا تھا فرشتہ تھا اُس نے کہا قبلہ آپ بھی احتیاط سے قدم اٹھایئے۔ میں گروں گا تو اکیلا میں چوٹ کھاؤں گا، آپ گرے تو ساری قوم چوٹ کھا جائے گی آپ کا پھسلنا ساری قوم کا پھسلنا ہے۔

بہت نہیں بولنا چاہئے فقط بولنے کے وقت بولنا چاہئے۔ بولنے کے وقت نہ بولنا نقصان رساں ہے اور نہ بولنے کے وقت بولنا نقصان رساں ؎

حضرت علی تو ابتدائے اسلام کے بے لوث اور خدا کار مسلمان ہیں، ابتدائے اسلام کے نہیں روزِ اول کے مسلمان۔ ادھر نبوت کا اعلان
ہر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ایمان لے آئے، امیر معاویہ حضرت علی کے مقابلے میں آ گئے تھے تو حضرت علی نے امیر معاویہ سے کشمکش کیوں کی
یہ یزید تو نہ تھے کہ حضرت علی حضرت امام حسینؓ کی طرح سینہ سپر ہو جاتے۔ امیر معاویہ میں یزید سا کوئی عیب نہ تھا پھر امیر معاویہ اگر حضرت علی
بلے کے واسطے کھڑے ہو گئے تھے تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تو حضرت علی کا مقابلہ کرنے اٹھی تھیں۔ حضرت طلحہ اور
زبیر جیسے بے شمار جلیل القدر اور مقدس اصحاب جھگڑوں کو نمٹانے کی بجائے جھگڑوں میں تیغ بکف ہے۔ امیر معاویہ کے طرفدار بھی صحابہ ہی تھے
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نصف خلافت سے کشمکش شروع ہوئی اور برابر بڑھتی گئی۔ یہ کشمکش کیوں شروع ہوئی اور کیوں بڑھی۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسا زمانہ چلے جاتا تو کیا دنیا کا کوئی حصہ مسلمانوں کے قبضے میں آنے سے بچ سکتا تھا
اللہ کی کیا حکمت تھی کہ مسلمان آپس میں لڑ پڑے، براہ راست پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تربیت پانے والے ایک دوسرے کی گردنیں
لگے اللہ بڑا بے نیاز ہے۔ خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما درآں باشد۔

میری تمہید آپ نے پڑھ لی، اب مولانا نجیب آبادی کا بیان ملاحظہ فرمایئے :- اللہ تعالیٰ نے یہ اندرونی جھگڑے پیدا کر کے صحابہ کرام کی ایک
کو ان میں معروف کر دیا اور دوسری جماعت نے ان جھگڑوں سے بددل ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ جب تک یہ جھگڑے پیدا نہیں ہوئے
صحابہ کرام کی تمام ترہمت کفار کا مقابلہ کرنے میں صرف ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا زمانۂ خلافت معرکہ آرائیوں سے پر ہے
جمع قرآن کا کام اس زمانے میں انجام دیا گیا باقی یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام یکسو اور فارغ بیٹھ کر فقہی مسائل مرتب کرنے اور احادیث نبوی کی
ت کا انتظام فرماتے۔ جوں جوں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جنگی مصروفیت ترقی کرتی جاتی تھی، اور وہ حضرات جنہیں درس شریعت دینے اور
حکمت سمجھانے تھے، نیزوں کی انی کے سامنے سینے کھولنے میں زیادہ مصروف تھے، اس جنگی مظاہرے کی اُس وقت یقیناً ضرورت تھی۔ مگر اب
دنیا کی زبردست طاقت مان لی گئی تھی، اب ضرورت یہ تھی کہ اسلام کا مکمل نظام اور شریعت کے جملہ پہلو محفوظ و مامون ہو جائیں۔ صحابہ
موقع اور فراغت میسر ہو کہ وہ ایسی نسل تیار کر سکیں، جو آئندہ آنے والوں کی نگہداشت رکھے اور اسلام کی حفاظت کا سلسلہ جاری رہے
ہائے بزرگ و برتر نے عبداللہ بن سبا اور اُس کے متبع مسلم نما یہودیوں کو جنم دے کر حضرت عثمان کی شہادت اور جنگ جمل اور جنگ
کے سامان یکے بعد دیگرے مہیا فرمائے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے صحابی تلواروں اور تیر کمانوں کو توڑ کر اور سپہ سالاری چھوڑ کر علمی
میں لگ گئے۔ صحابہ کرام کی بہت کثیر تعداد ایسی تھی کہ انہوں نے ان جھگڑوں میں مطلق حصہ نہیں لیا یہ کثیر تعداد شریعت اسلام کی حقیقت
نے اور سیرت نبوی سے آگاہ کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے صحابہ کرام سے تعلیم اسلام کا فریضہ ادا کرانا چاہا تو مدینہ منورہ سے
لافت ہٹا دیا اور وہ مدینہ جو چند دن پہلے فوجی کیمپ تھا دارالعلوم کی شکل میں بدل گیا۔ حدیث و فقہ کی کتابیں تحقیق و تدقیق کی نگاہ سے
و، یہ حقیقت نظر آ جائے گی کہ حدیث و فقہ و تفسیر کا پورا مواد اُسی زمانے کا رہین منت ہے جس زمانے میں بعض صحابہ کے درمیان مشاجرات
تھے۔ اگر یہ مشاجرات برپا نہ ہوتے اگر حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی مرتضیٰ آپس میں نہ جھگڑتے تو ہم شریعت اسلام کے بڑے اور ضروری
سے محروم اور تہی دست رہ جاتے۔ مگر کیوں رہ جاتے خدائے تعالیٰ اسلام کا محافظ ہے اُس نے امیر معاویہ اور حضرت علی کے اختلاف کی

مگر اس کشمکش میں "حق" حضرت علی کے ساتھ تھا (م۔ق)

ں میں اسلام کی حفاظت کا سامان کیا ۔

اس مدعا کے ایک اور پہلو پر بھی غور کرو۔

ہر حکومت اور ہر نظام تمدن کے راستے میں جس جس قسم کی رکاوٹیں، دقتیں اور پیچیدگیاں آنی ممکن ہیں اور آج تک آتی رہتی ہیں
کے نمونے حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی مرتضیٰ کے مشاجرات میں موجود ہیں ۔ ان مشکلات کے رونما ہونے پر دوسرے حکمرانوں اور بادشاہوں
نکہ جن اخلاقی اور جن کوششوں اور اقدامات کا نمونہ پیش کیا ہے اُن سب سے بہتر اور قابل تحسین طرز عمل وہ ہے جو صحابہ کرام نے ظاہر فرمایا
زں کے بننے اور بگڑنے، قوموں کے گرنے اور اُبھرنے بلکہ خاندانوں کے عروج وزوال کے واقعات سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے ۔ چالاکیوں
روانیوں اور فریب کاریوں سے کوئی زمانہ اور کوئی عہد حکومت خالی نہیں رہا ان باتوں کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہ اور امیر معاویہ
فتوں کی روداد ہمارے سامنے نمونے پیش کرتی ہے اور ہم اپنے لئے بہترین طریقہ کار اور اعلیٰ ترین راہ عمل تجویز کرنے میں دشواری نہیں
یہ ہماری کور چشمی اور بدنصیبی ہے کہ ہم نے صحابہ کرام کی اجتہادی مخالفتوں اور امیر معاویہ اور حضرت علی کے مشاجرات کو بجائے اس کے کہ اپنے
یب عبرت وبصیرت اور باعث خیر ونفع بناتے اپنی نااتفاقی ودرندگی اور اپنی فلاکت ونکبت کا ذریعہ بنا لیا ہے ؎

ہرچہ گیرد علتی علت شود
آنچہ گیرد کاملے ملت شود

مسلمانوں کی علوم وفنون سے دلچسپی

قرآن وحدیث کی موجودگی میں ہمیں اور کتابیں پڑھنے اور علوم سیکھنے کی ایک تو اس لئے ضرورت ہے کہ اسلام نے اس کا حکم دیا ہے' دوسرے
ضرورت ہے کہ قرآن وحدیث کی صداقت اور برتری کے زیادہ سے زیادہ ثبوت بہم پہونچائیں ۔ عباسیوں کے زمانے سے پہلے مسلمانوں کو دوسرے
نون کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا عباسیوں میں مامون الرشید نے دوسرے علوم وفنون سے بے حد دلچسپی لی ——— دار الترجمہ اور
تصنیف کی بنیاد مامون الرشید کا باپ ہارون الرشید ڈال گیا تھا، مامون الرشید نے اُس سے اتنا کام لیا کہ شاید ہی کوئی بڑے سے بڑا حکمران
تا ہے ۔ مامون الرشید نے قیصر روم کو لکھا کہ میں ارسطو کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرانا چاہتا ہوں ارسطو کی کتابیں مجھے بھیج دیجئے، قیصر کتابیں بھیجنی
ہتا تھا، لیکن عیسائی پادریوں نے اُس سے کہا کہ ارسطو کی کتابیں مسلمانوں کے پاس ضرور جانی چاہئیں ۔ عیسائیوں کو مذہب سے برگشتہ ان ہی کتابوں
ہے مسلمان انہیں پڑھیں گے تو کچھ قرآن کا دینی جوش ٹھنڈا ہوگا ۔ لیکن عیسائی پادریوں کا اندازہ صحیح نہیں تھا۔ دوسرے علوم وفنون مسلمانوں
مان صرف اسی صورت میں پہونچا سکتے ہیں کہ مسلمان قرآن وحدیث سے بہرہ ور ہونے کی صورت میں مسلمان دوسرے علوم وفنون کی وہی چیزیں
رتے ہیں جن پر یہ حدیث صادق آتی ہے کہ حکمت مسلمانوں کی کھوئی ہوئی میراث ہے جہاں ملے اُسے لے لو ۔ باقی نامعقول خیالات کے مسلمانوں
چے اُڑا کر رکھ دیئے ہیں ۔ انہیں نے محض ترجمہ نہیں کیا، مضامین کو پرکھا بھی اُن پر کتابیں لکھیں ۔ حق کی تائید کی، اور ناحق کی تردید کردی، انہوں
سرے علوم وفنون کو نیا جامہ پہنا کر اپنا لیا ۔

مامون الرشید نے قیصر کے علاوہ اپنے عیسائی ملازم باہر روانہ کئے کہ جگہ جگہ سے علوم وفنون کی کتابیں جمع کرکے لائیں ۔ مجوسی علماء کو بھی اس
لایا ۔ بعض مترجموں کی تنخواہیں ڈھائی ڈھائی ہزار درہم تھیں اور مترجم دو چار نہیں تھے، بے شمار تھے، ترجمہ تیار ہو جاتا تھا تو ترجمہ جس حیثیت

کا قرار پاتا، اُسے چاندی یا سونے میں تولا جاتا اور چاندی سونا مترجم کو تنخواہ سے الگ دیا جاتا۔

ہندوستان کے راجاؤں نے مامون الرشید کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سنسکرت کے عالم خود حاضر کردئے تھے، غرض ہر ملک، بلکہ ہر شہر کا منتخب عالم مامون الرشید کے دربار میں جمع تھا۔ علمی مجلسیں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ مامون الرشید اُن میں شرکت کرتا تھا اور حصہ لیتا تھا

مامون الرشید کے دل میں علما کی قدر تھی۔ اصمعی، عربی لغت اور نحو کا امام مامون الرشید کے زمانے میں بڈھا ہونے کے باعث اس قابل نہیں رہا تھا کہ ترک وطن کرے اور بغداد آبسے۔ مامون الرشید اُس سے وطن ہی میں کام کراتا تھا اور وظیفہ دیتا تھا۔ فرّا نحوی کے واسطے شاہی محل کا ایک کمرہ وقف تھا جہاں بیدعلما، فرّا سے استفادہ کرنے تشریف لاتے تھے۔

مامون الرشید نے دارالمناظرہ بھی قائم کردیا تھا۔ جہاں ہر مذہب اور ہر مشرب کے لوگ آزادی کے ساتھ مناظرہ کرسکتے تھے۔ مامون الرشید علم کا فطرتاً قدردان تھا۔ اس کا اندازہ ایک واقعے سے کیجئے۔ مامون الرشید کے ایک استاد ابومحمد یزیدی کہتے ہیں کہ میں جب مامون کو پڑھاتا تھا، کسی نے مجھ سے شکایت کی کہ مامون آپ کے پیچھے نوکروں کی ٹھکائی کرتا ہے۔ میں نے اس پر مامون کو مارا۔ مامون رو رہا تھا کہ اُس کا اتالیق اور سلطنت کا وزیراعظم جعفر برمکی آ گیا۔ میں اب وہاں نہیں بیٹھ سکتا تھا، باہر جا بیٹھا۔ جعفر برمکی رخصت ہوا تو میں نے مامون سے پوچھا تم نے کہیں میری شکایت تو نہیں کردی مامون نے جواب دیا آپ کی شکایت تو میں والد سے بھی نہیں کروں گا۔ آپ استاد ہیں آپ نے مجھے دشمنی کی وجہ سے نہیں مارا تھا۔ میرے فائدے کے لئے مارا تھا۔

(صفحہ ۸ سے آگے)

نہیں کرسکتے، یہ فضیلت حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال کو حاصل ہے۔ وہ "زمین و آسمان مستعار" کو مٹا کر "اپنی دنیا آپ پیدا کر" کا پیغام سناتے ہیں۔ وہ تشخیص مرض کے بعد اس کا علاج بھی پیش کرتے ہیں، قوم کو اپنی منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے ایک منظم طریقۂ کار پیش کرتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر نذرالاسلام کے یہاں "بانگ درا" اور "ضرب کلیم" تو ہیں، مگر "خضر راہ" نہیں۔ رابندرناتھ کے یہاں "طاؤس و رباب" تو ملتا ہے مگر "شمشیر و سناں" نہیں ملتی۔ ہاں حکیم الامت ڈاکٹر اقبال کے یہاں "بانگ درا" بھی ہے "ضرب کلیم" بھی ہے اور "خضر راہ" بھی۔ "طاؤس و رباب" بھی ہے اور "شمشیر و سناں" بھی۔

ٹیگور کی شاعری، ان کی تشبیہات و استعارات، ان کے محاورے اور کہاوتوں میں عام طور پر ہندو تہذیب و تمدن کی ترجمانی ملتی ہے۔ دوسری طرف اقبال نے اپنی شاعری کو اسلامی جذبات و خیالات، مذہبی واقعات و سانحات کے لئے وقف کردیا۔ مگر نذرالاسلام کی شاعری گنگا، جمنا اور دجلہ فرات کا سنگم ہے۔ یہاں ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں کے تہذیب و تمدن کی ترجمانی نظر آتی ہے۔ انہوں نے ہر فرد و بشر میں اپنے اپنے مذہب کی انقلابی روح پھونک کر ان میں سیاسی اور سماجی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بہرحال تینوں قومی رہبر ملک کے علمبردار اور آفاقی شاعر ہیں۔ قومی تعمیر میں کسی کا حصہ کم نہیں، تینوں قومی تعمیر کی صف اولین میں دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ قوم تینوں کی مرہون منت ہے اور تینوں کو خراج عقیدت پیش کرتی ہیں۔ پاک و ہند کی آزادی پر تینوں کا زبردست احسان ہے۔

(صفحہ کا بقیہ)

معاشی کی طرف بھی رہنمائی ملتی ہے اور اس کے معاشی نظام کے بعض اہم مسائل بھی روشنی میں آجاتے ہیں اب رہی یہ بات کہ اسلام کے اس معاشی نظام کو اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ کس طرح عملی شکل دی جائے اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس کے لئے ہمیں تدریج اور حکمت کے اصول پر عمل کرنا اور بہت سے ان تنظیمی مصالح کا خیال رکھنا ضروری ہے جن کی اسلام نے موجودہ حالات میں ہدایت کی ہے ولہ مکان آخر انشاء اللہ۔

محمد حسام اللہ شریفی

نبی کریمؐ اور اصلاحِ معاشرہ

آج سے چودہ سو تینتیس برس پہلے ۱۲ ربیع الاول کو اُس ذات قدسی صفات نے اس دنیا میں ظہور کیا جسے کائنات کے لئے رحمت بنا کر
بھیجا گیا تھا اور جس نے اپنی اسی رحمت سے کام لیتے ہوئے کائنات کی ساری تاریکیوں اور ظلمتوں کو روشنی سے بدل دیا اور انسانی معاشرے کی
تمام خرابیوں کو دور کر دیا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ظہور سے پہلے کی دنیا کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی خرابی ایسی نہ تھی جو دنیا میں نہ پائی جاتی ہو
کوئی برائی ایسی نہ تھی جس میں اہل عرب مبتلا نہ ہوں یعنی سارا معاشرہ بگڑ چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے معاشرے کی
اصلاح و تطہیر کے لئے اپنے آخری پیغمبر جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جنہوں نے بہت قلیل عرصے میں دنیا بھر میں سب سے زیادہ بگڑے
ہوئے معاشرے کی اصلاح نہایت عمدہ اور احسن طریقے سے فرمائی۔

رسول معظم نبی آخر علیہ السلام نے زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح فرمائی اور معاشرے کا کوئی پہلو ایسا نہ رہا جس تک آپکی نگاہ نہ پہونچ سکی ہو
چہ معاشرے کی اصلاح کی خاطر نبی مکرمؐ کو ہر طرح کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں لیکن تمام مصیبتیں سہنے کے باوجود بھی آپ نے معاشرے کی اصلاح و
بہتری کا کام جاری رکھا اور عمر مبارک کے کسی لمحے میں بھی یہ مقصد آپ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکا اور آپؐ کی جہد مسلسل اور سعیٔ پیہم کے نتیجے میں
تیئیس سال کی مختصر سی مدت میں وہ مثالی معاشرہ وجود میں آگیا جس کی نظیر دنیا آج تک پیش نہیں کر سکی۔

کسی شخص کی عدم موجودگی میں اُس کی برائی بیان کرنے کو لوگ کتنا حقیر کیوں نہ سمجھتے ہوں لیکن بظاہر اس معمولی سی چیز سے معاشرے میں جو بگاڑ
پیدا ہوتا ہے اور گھر کے گھر جس طرح تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اُس سے ہر شخص واقف ہے اسی لئے ایک دوسرے کے دلوں میں کدورت، نفرت اور دشمنی
پیدا ہو جاتی ہے اور پھر یہی چیز معاشرے میں بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو روکا گیا اور ارشاد فرمایا:

لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُم بَعْضاً (القرآن) تم میں سے کوئی شخص کسی کی غیبت نہ کرے۔

دو غیبت کیا ہے؟

ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ

(مسلم عن ابی ہریرہ)

اپنے مسلمان بھائی کا ذکر ان الفاظ میں کرنا کہ اگر وہ ان الفاظ کو سن لے تو ناپسند کرے۔ پوچھا گیا: اگر وہ برائی جو بیان کی جا رہی ہے اس میں موجود ہو تب بھی؟ فرمایا: اگر وہ عیب جو تم نے بیان کیا ہے اس شخص میں موجود ہے تو غیبت ہے

اور اگر تمہارا بیان کردہ عیب اس میں نہیں پایا جاتا تو یہ
بہتان ہے (جو غیبت سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے)

رشوت ۔ معاشرے کا ایک رستا ہوا ناسور ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں اس کی مذمت کی جاتی رہی ہے حضورؐ نے اس کی مذمت ان الفاظ میں فرمائی

الراشی والمرتشی فی النار (الحدیث) رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے کا ٹھکانا جہنم ہے ۔ بلکہ اس کی جڑ بھی کاٹ کر رکھ دی ۔

عن ابن عمر نهینا عن التکلف (بخاری) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نقل فرماتے ہیں کہ ہمیں تکلف سے روکا گیا اور یہ تکلف اور نمود و نمائش ہی رشوت لینے کا سبب بنتے ہیں اور جب کوئی معاشرہ تکلف کی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو اور لوگ جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس کے بجائے طبقۂ اعلیٰ میں شامل ہونے کی خواہش ان میں پیدا ہو جائے تو پھر ان تکلفات میں اُن کی آمدنی ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیتی ہے اور لامحالہ انہیں "دست غیب" کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اپنی امت کو تکلفات میں پڑنے سے روک دیا ۔

سود کے ذریعہ جس طرح غریبوں کی دولت کو ان سے چھینا جاتا ہے اور جس حالتوں میں انہیں نان شبینہ تک سے محروم کر دیا جاتا ہے اُسے کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ پھر اس سے وہ لوگ جن کے پاس کچھ رقم ہوتی ہے نا جائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور بغیر محنت و کوشش کے اپنے سرمائے میں اضافہ اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں جس سے وہ لوگ کاہل اور معاشرے کے لئے ناکارہ ہو کر رہ جاتے ہیں یہ لوگ صرف اپنا بھلا چاہتے ہیں دوسروں کی بھلائی او نفع سے انہیں کوئی غرض نہیں ہوتی ایسے لوگوں سے معاشرے کی کسی قسم کی بھلائی کی توقع نہیں رکھی جاسکتی اور اسی وجہ سے اسلامی معاشرے میں سود کے لئے کوئی گنجائش نہیں ۔

عن ابن مسعود قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ رواہ مسلم زاد الترمذی وغیرہ وشاھدیہ وکاتبہ (ریاض الصالحین ص ۶۱۶)	جناب عبداللہ بن مسعودؓ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ نے سودی کاروبار کرنے والے (سود لینے اور سود ادا کرنے والے) سودی کاروبار کے متعلق گواہی دینے والے اور سودی کاروباری خط وکتابت کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے ۔

جب کسی قوم اور کسی ملک کے لوگوں میں امارت کی حرص پیدا ہو جاتی ہے اور ہر آدمی امیر قوم، ہر شخص امیر صوبہ اور ہر راہنما امیر ملک بننے کا خواہاں ہو اور اس مقصد کے لئے وہ ہر جائز و ناجائز ہتھکنڈے اختیار کرنا شروع کر دے تو سمجھنا چاہئے کہ اس معاشرے میں بگاڑ کی ابتدا ہو چکی ہے کیونکہ ایسے موقعے پر ہر شخص اپنے مقابل کی پگڑی اُچھالنے کی کوشش اور اُس کی معمولی سے معمولی غلطی اور برائی کو بڑھا چڑھا کر دوسروں کے سامنے پیش کرنے میں مصروف نظر آتا ہے ۔

وعین السخط تبدی المساویا

اسی لئے جناب نبی کریم علیہ التسلیم ارشاد فرماتے ہیں ۔

انکم ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامۃ یوم القیامۃ (بخاری عن ابی ہریرہ)	تم لوگ امارت کے خواہش مند ہو گے حالانکہ یہی چیز قیامت کے دن تمہارے لئے ندامت کا باعث ہو گی ۔

اور امت کی راہنمائی کرتے ہوئے اس سلسلے میں یہ وضاحت بھی فرما دی کہ تمہیں اپنے لئے امیر منتخب کرتے وقت کن امور کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور کس قسم کے لوگ کو اپنا حاکم بنانا چاہئے ۔

خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون	تمہارے بہترین حاکم اور امراء وہ ہیں جن سے تم محبت رکھتے

علیکم - وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم و یبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم قال: قلنا یا رسول اللہ، أفلا ننابذھم؟ قال: لا ما اقاموا فیکم الصلاۃ -

(مسلم عن عوف بن مالک)

ہو اور وہ تم سے محبت رکھتے ہیں۔ تم ان کے لئے دعائیں مانگتے ہو اور وہ تمہارے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اور تمہارے بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم نفرت کرتے ہو اور وہ تم سے عداوت رکھتے ہیں اور تم اُن پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسے حاکموں کی اطاعت کرنے سے ہم اپنے آپ کو آزاد نہ کرلیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں بہترین حاکم وہ لوگ کہلانے کے مستحق ہیں جو عوام سے قریب ہوں ان سے اپنا رابطہ قائم رکھتے ہوں اور ہمہ وقت ان کی بھلائی میں مصروف رہتے ہوں عوام ان کی حکومت کی سلامتی اور ان کی درازئ عمر کے لئے دعاگو ہوں۔ اور جن لوگوں نے عوام سے دوری کو اپنا شیوہ قرار دے رکھا ہو اور ان کی بھلائی سے انہیں کوئی غرض نہ ہو بلکہ ان کے لئے مزید مشکلات پیدا کرتے رہنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہو، ان کی زبان پر، ان کے قلم پر اور ان کی آواز پر پابندی لگا دینے کو اپنی کامیابی سمجھ رکھا ہو ان کا شمار ناپسندیدہ حاکموں میں ہوتا ہے۔

دوسری روایت میں اطاعتِ امیر کے متعلق مزید وضاحت فرمائی کہ ان کی اطاعت اسی وقت کے لئے ہے جب تک اُن کے احکام ۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام میں ٹکراؤ پیدا نہ ہو۔ اور اگر اس کے برعکس صورت پیدا ہو جائے تو پھر ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اُن کی بات سننا بھی گوارا نہ کرے۔

فان أُمِرَ بمعصیۃٍ فلا سمع ولا طاعۃ

(بخاری ومسلم عن ابن عمرؓ)

اگر اس کی جانب سے اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اسی صورت میں اس کی بات سننا بھی گوارا نہ کرو اور نہ اس کی اطاعت کرو۔

معاشی اور دوسری مختلف پریشانیوں کی بنا پر جب معاشرے سے ذہنی سکون واطمینان رخصت ہو جائے اور ہر طرف بے اطمینانی کا دور دورہ ہو جائے تو اس معاشرے میں معمولی معمولی باتوں پر دوسروں کو قتل کرنے اور اپنے آپ کو ختم کرنے کی وارداتیں عام ہونے لگتی ہیں ـــــ ضبط تولید کا پرچار کیا جانے لگتا ہے۔ مثبت اقدام اختیار کرنے کے بجائے منفی قدم اٹھائے جانے لگتے ہیں مگر اسلامی معاشرے میں ان میں سے کسی بھی چیز کو درست نہیں سمجھا گیا اسلام اور پیغمبرِ اسلام نے ضبطِ تولید کو کسی طور مستحسن قرار نہیں دیا ـــــــــــــ کہ اس کے ذریعے عصمت وعفت کے ختم ہو جانے کا امکان ہی نہیں بلکہ یقین ہے اور یہ چیز زنا کے پھیلنے میں معاون ثابت ہوتی ہے اور حالات وواقعات اس پر شاہد ہیں ـــــ تو کیا محض ایک موہوم امید کے سہارے اتنے عظیم نقصان کو برداشت کرنا عقلمندی اور دانائی کہا جا سکتا ہے؟

معاشرے سے اس برائی کو ختم کرنے کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق (القرآن) (بھوک سے ڈر کر اپنی اولاد کو ختم نہ کرو۔

اور جناب نبی کریمؐ نے معاشرے کی اس گندگی کو دور کرتے ہوئے فرمایا:

الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس

(بخاری عن عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ)

کبائر یہ ہیں - خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے اور والدین کی نافرمانی اور قتل نفس اور جھوٹی قسم کھانا یہ تمام افعال کبائر میں سے ہیں۔

رسول معظم نے ان چار باتوں کی نشان دہی کر کے ان سے بچنے کا حکم دیا اور ایک دوسری حدیث میں تنگیٔ رزق کا سبب بتلا دیا کہ جب کسی قوم میں زنا زت ہو جاتی ہے اور وہ لوگ ناپ تول میں کمی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے رزق میں کمی کر دی جاتی ہے اور غلہ کم پیدا ہونے ہے۔ اور پھر وہ لوگ یہ رونا روتے ہیں کہ غلہ کم اور کھانے والے زیادہ ہیں لیکن اس کے علاج کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ اپنے معاشرے سے زنا کو ختم کریں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو سختی سے اس حرکت سے منع کریں اور اسی طریقے سے معاشرے کو فساد سے بچایا جا سکتا ہے۔

معاشرے میں فتنہ وفساد اور خرابی پیدا کرنے میں مرد و زن کا آزادانہ اختلاط بھی نمایاں کردار ادا کرتا ہے اس سلسلے میں مغربی ممالک کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں وہاں مرد و زن کے آزادانہ اختلاط سے معاشرہ جس تیزی سے تباہی و بربادی کے گڑھے کی طرف جا رہا ہے اہل مغرب خود اس سے نالاں ہیں اور ہمارے کے اہل عقل و دانش ان حالات سے بخوبی آگاہ ہیں اسلامی معاشرے میں اس اختلاط کو روکنے کے لئے پردے کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور اپنے خاص رشتے داروں کے علاوہ کسی بھی مرد کے سامنے آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ حد یہ ہے کہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کو سب سے پہلے پردے کا پابند کیا اور اپنے رشتے داروں کے سوا سارے مسلمانوں سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا اس معاملے میں ان کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں برتی گئی:

وقرن فی بیوتکن (القرآن) اور وہ سب اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں۔

عن ام سلمة قالت کنت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعندہ میمونة فاقبل ابن ام مکتوم (وذلک بعد امرنا بالحجاب) فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: احتجبا منه. فقلنا: یا رسول اللہ الیس ھو اعمی۔ لا یبصرنا ولا یعرفنا؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أفعمیاوان انتما، الستما تبصرانه؟ (ابوداؤد۔ ترمذی)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ (پردے کا حکم نازل ہو جانے کے بعد ایک مرتبہ) میں اور میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ عبداللہ ابن ام مکتوم آ گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو پردہ کر لینے کا حکم دیا کہ تم دونوں پردے میں چلی جاؤ۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ یہ ہم کو دیکھتے ہیں اور نہ یہ ہمیں پہچانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم دونوں اندھی ہو۔ تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ (یعنی وہ تو دیکھنے سے معذور ہیں لیکن تم تو ان کو دیکھ رہی ہو اور پردہ دونوں ہی طرف سے ہے)

مرد و عورت کے دائرۂ کار بالکل الگ الگ ہیں اور اسلامی معاشرے کی جانب سے ان دونوں کی حدود متعین ہیں۔ گھریلو ذمہ داریاں — عورت کو سونپی گئی ہیں اور بیرونی معاملات مرد کے سپرد کئے گئے ہیں ان دونوں میں سے جو فریق بھی اپنے حدود سے تجاوز کر کے دوسرے کے معاملات میں دخل دینے کی کوشش کرتا ہے معاشرے میں فتنہ وفساد اور بگاڑ کی ذمہ داری اُسی پہ عائد ہوتی ہے۔

معاشرے کے بگاڑ میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے اور اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری انہی لوگوں پر ہے جو ذہنی غلامی میں مبتلا اور احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں اور جو صرف دوسروں کی نقالی کرنا جانتے ہیں خواہ یہ نقالی زبان کی حد تک ہو یا لباس، رہن سہن اور کھانے پینے کے طریقوں تک پہنچی ہو اور مرد زنانہ قسم کے لباس پہننا اور بال بنانا پسند کرتے ہوں یا عورتیں بالوں اور لباس میں مردوں کی نقالی شروع کر دیں یہ تمام باتیں کسی طرح بھی مستحسن قرار نہیں دی جا سکتیں اور اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ان تمام قسموں کی نقالی سے روکا ہے۔

المرء مع احبّ ۔
(بخاری وسلم عن ابی موسیٰ الاشعری)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبّھات من النساء بالرجال (بخاری)
نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تحلق المرأۃ راسھا ۔
(نسائی عن علی)

آدمی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن سے اُسے محبت اور تعلق ہو (اور جن کے راستے پر چلنا اسے پسند ہو)
جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ان مردوں پر جو عورتوں کیساتھ مشابہت پیدا کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتی ہیں۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو سر کے بال منڈوانے سے روکا ہے۔

درحلق راس میں وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کا آج کل عام طور پر رواج ہے کہ چٹیا کٹا کر مردوں کی طرح بال بنا لئے جاتے ہیں۔

پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پیغمبر آخر الزمان جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بگڑے ہوئے معاشرے کی مکمل اصلاح و تطہیر فرمائی اس کی بنیاد خوف خدا پر رکھی۔ جس معاشرے کی بنیاد خوف خدا کے علاوہ کسی اور چیز پر ہوگی وہ معاشرہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اور اس معاشرے کا درست ہونا اور اس کی اصلاح ہونا قطعی ناممکن ہے اسی بنا پر اسلام نے خوف خدا کو اپنے معاشرے کی اصلاح کے لئے بنیادی ستون قرار دیا ہے۔

حضورؐ نے معاشرے کے جن جن پہلوؤں کی اصلاح فرمائی ان میں سے چند پہلو آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے —— آج معاشرے میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں وہ اسی طرح دور ہو سکتی ہیں کہ ان معاملات میں نبی کریمؐ کی اطاعت کو اپنے لئے لازمی قرار دے لیا جائے اور ان ہدایات سے سرمو انحراف نہ کیا جائے۔ بصورت دیگر معاشرے کے بگاڑ میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور آخر ایک دن وہ آئے گا جب اس کی اصلاح ناممکن ہو کر رہ جائے گی اس دن کے آنے سے پہلے پہلے ہمیں معاشرے کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیئے

لیتی ہے یا معمولی تبدیلی سے مغالطے میں پڑ جاتی ہے۔ (عقل رہنمائی کرتی ہے یا اُن بدبختوں میں سے ہے، جن کی عقل رہنمائی نہیں کرتی۔ عقل ہوگی تو ہدایت پائے گی ورنہ ہدایت نہیں پائے گی۔ خیر) جب ملکہ آگئی تو (اُس سے) پوچھا کہ تمہارا تخت (بھی) کیا ایسا ہی ہے۔ وہ (اپنا تخت پہچان گئی لیکن چونکہ تھوڑی سی تبدیلی تھی) بولی گویا یہ (بعینہٖ) وہی ہے ہمیں تو اس (معجزہ کے دیکھنے) سے قبل ہی معلوم ہو گیا تھا (کہ آپ نبی ہیں اور قابل پرستش وہی اللہ ہے۔ جس نے آپ کو نبی بنایا ہے) ہم (یہاں آنے سے قبل ہی) مسلمان (ہو گئے) ہیں۔ سلیمان نے اُسے اللہ کے علاوہ اور چیزوں کی عبادت واطاعت سے روک دیا۔ البتہ (سابق میں) وہ اللہ کی منکر تھی۔ اُس سے کہا گیا کہ محل کے اندر تشریف فرما ہو جیئے۔ محل کے اندر قدم رکھا اور محل کے صحن کو دیکھا تو سمجھی کہ صحن میں پانی ہے، اُس نے اپنے دونوں پائنچے اونچے کرلئے اور پنڈلیاں کھول دیں۔ سلیمان نے کہا یہ ایسا محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوتے ہیں (اور شیشے ہی کا فرش ہے) ملکہ نے اللہ کو پکارا کہ اے پروردگار (اب تک) میں (شرک و کفر میں مبتلا تھی اور) اپنی جان پر ظلم کرتی رہی۔ (اب) میں (توبہ کر کے اور) تیری حکم بردار بن کر، کہ تو سارے جہان کا پروردگار ہے، سلیمان کا راستہ اختیار کرتی ہوں۔

(مفہوم سورہ ۲۷ - آیات ۱۵ تا ۴۴)
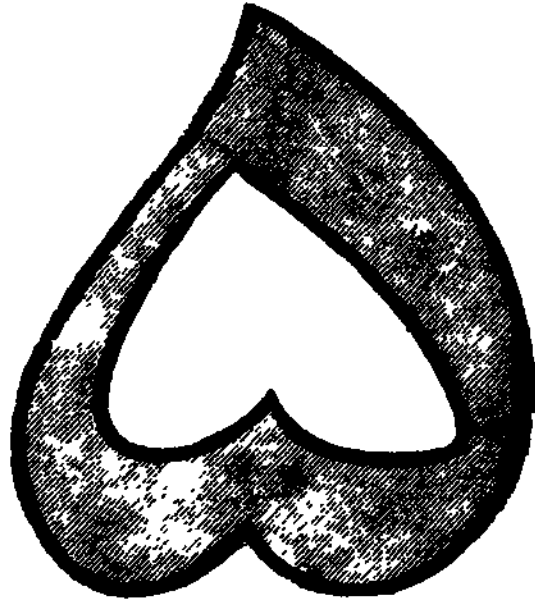
۵
آزمودہ دواؤں کا مرکب
انالجین
سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے
Opal
Spotlit
OI 63

ملّا واحدی

حضرت سلیمانؑ اور ملکۂ سبا

ہم نے داؤد اور سلیمان کو (ایک خاص) علم عطا فرمایا' اور (انہیں شکرگزاری کی توفیق بھی دی) دونوں نے (ہمارا شکر ادا کیا اور) کہا الحمدللہ
اللہ نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت بخشی ہے۔ سلیمان داؤد کے (بیٹے تھے، وہی داؤد کے) جانشین (اور قائم مقام) ہوئے اور انہوں نے (لوگوں
سے) کہا، اے لوگو ہمیں (اللہ نے) اڑنے والے جانوروں کی زبان بھی سکھا دی ہے اور (ایسی عظیم الشان سلطنت اور نبوت کے لئے جس جس چیز کی
ضرورت ہے) ہر (وہ) چیز مہیّا کر دی ہے۔ لاریب (اللہ کا یہ کھلا ہوا فضل ہے سلیمان کے پاس جن وانس اور طیور کے لشکر (کے لشکر) جمع کئے گئے
تھے اور ان میں (تنظیم وضبط) اور جماعت بندی تھی، حتیٰ کہ (ایک مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ سلیمان) جب (اپنی فوج کے ساتھ) اُس میدان میں پہنچے
جو چیونٹیوں کا میدان تھا، (جہاں چیونٹیاں ہی چیونٹیاں تھیں، تو) کسی چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں کو) سمجھایا کہ اے چیونٹیو! اپنے مسکنوں میں گھس
جاؤ، (نہیں) سلیمان اور سلیمان کے فوجی ظالم نہیں ہیں، جان بوجھ کر نہیں کچلیں گے، لیکن ممکن ہے بڑھتے چلے آئیں اور انہیں خبر نہ ہو (کہ یہاں چیونٹیوں
کی بستی ہے) سلیمان (چیونٹیوں کی زبان بھی جانتے تھے، انہوں نے چیونٹیوں کی بات سُنی تو) مسکرائے اور ہنسے اور (پھر) دعا مانگنے لگے کہ الٰہی! مجھے
توفیق عنایت کر کہ تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر نعمتوں کی جس قدر بارش کی ہے، اُس کا شکر بجا لاؤں، اور (محض زبانی شکر نہیں) وہ نیک عمل بھی انجام
دوں جو تجھے پسند ہیں۔ اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں شامل فرما۔ (ایک دن) سلیمان نے اُڑنے والے جانوروں کے لشکر کا جائزہ لیا تو
(ہُدہُد موجود نہ تھا) کہا کیا ماجرا ہے، ہُدہُد دکھائی نہیں دیتا۔ (مجھے نظر نہیں آتا) یا غائب ہوگیا ہے (اس کی شامت تو نہیں ماری گئی۔ غائب ہے تو) اُسے سخت سزا
دوں گا، (بال اور پر نوچ لوں گا) یا ذبح کر ڈالوں گا۔ (موجود ہو تو سامنے آئے) یا (پھر غیرحاضری کا) واضح عذر پیش کرنا چاہیے۔ (ہُدہُد واقعی غائب
تھا، لیکن) اُس نے پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ (جائزے اور پڑتال کے دوران ہی میں حاضر ہوگیا اور) بولا، میں ایک خبر لایا ہوں، (جو آپ کے لئے
نئی ہے،) جس سے آپ ابھی واقف نہیں ہیں میں آپ کی خدمت میں ملک قوم سبا سے ہوکر اور وہاں کی خبر لے کر آ رہا ہوں۔ میں نے (وہاں) ایک عورت کو
(قوم سبا پر) راج کرتے پایا۔ اُسے تمام (وہ) نعمتیں حاصل ہیں (جو مرد حکمرانوں کو حاصل ہوتی ہیں حُسن وجمال اُن کے علاوہ ہے) اُس کا تخت بڑا
(پُرتکلف، مرصّع اور بیش قیمت) تھا۔ (ایسا شاندار تخت کسی مرد بادشاہ کا بھی نہیں ہوگا، مگر) میں نے دیکھا کہ ملکہ اور ملکہ کی قوم اللہ کی بجائے (آفتاب
کے پرستار ہے، سب (آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔ شیطان نے اُن کے (مشرکانہ) عملوں کو اُن کی نظر میں اچھا بنا رکھا ہے، شیطان اُن کے راستے میں حائل
ہے اور وہ صحیح راستے پر نہیں پڑتے۔ (کیوں نہ آپ اُن کی طرف متوجہ ہوں اور) کیوں نہ وہ (آفتاب کی بجائے خالقِ آفتاب) اللہ کو سجدہ کرنے لگیں،
جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ اشیاء کو ظاہر کرتا رہتا ہے اور اُسے بھی جانتا ہے جسے تم پوشیدہ رکھتے ہو اور اُسے بھی جانتا ہے جسے تم ظاہر کر دیتے ہو
(سجدے کے لائق تو صرف وہی ہے۔ اُس ملکہ کو شاید اپنے شاندار تخت اور اپنی کامیاب حکومت کا زعم ہو، مگر) اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ——

رب العرش العظیم ہے۔ (تختِ عظیم کا پروردگار اور مالک جس کے تخت سے اُس ملکہ کے تخت کو نسبت نہیں دی جاسکتی) سلیمان نے کہا، اچھا ہم جانچ
کریں گے کہ تو سچا ہے یا (یوں ہی باتیں بگھارتا اور) جھوٹ بولتا ہے۔ لے یہ میرا خط لے جا اور ملکہ سبا (اور اس کے درباریوں) کے سامنے ڈال دے،
اور ملکہ اور ملکہ کے درباریوں کے پاس سے (جواب کے ساتھ) واپس آ۔ دیکھیں ملکہ اور ملکہ کے درباری کیا جواب دیتے ہیں۔ (خط پہونچا تو ملکہ سبا)
بولی۔ اے درباریو! مجھے ایک گرامی نامہ موصول ہوا ہے، جسے (شہنشاہ) سلیمان نے بھیجا ہے، اور وہ خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے ——
(مضمون) یہ ہے) کہ تم لوگ میرے مقابلے میں سرکشی (اور زور آزمائی) کا قصد نہ کرنا۔ (بہتر یہی ہے کہ اسلام قبول کرو اور) حکم بردار بن کر میرے حضور
حاضر ہو جاؤ۔ (خط سنا کر ملکہ سبا نے) کہا، اے (میرے) درباریو! مجھے اس معاملے میں مشورہ دو، (کیا کرنا چاہئے۔ کیا جواب لکھنا چاہئے) تمہیں
معلوم ہے) تمہارے مشورے کے بغیر میں کسی اہم معاملے کا فیصلہ نہیں کیا کرتی۔ درباری بولے۔ (ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے) ہم طاقت ور ہیں اور لڑنے کے
فن سے واقف ہیں۔ (ہمارے ہاں سامان حرب بھی بہ افراط ہے، ہم مقابلے کو تیار ہیں) باقی آپ مختار ہیں، آپ سوچ لیجئے۔ ہمیں جو حکم کیجئے گا بجا لائیں گے
(درباریوں کا رجحان لڑائی کی جانب تھا۔ لیکن ملکہ نے کہا (لڑائی اچھی شے نہیں ہے) بادشاہ جب (اپنے مقابل کی) بستی میں داخل ہوتے ہیں تو (اُس کا
بڑا بگاڑ دیتے ہیں) اُسے (تباہ اور) برباد کر ڈالتے ہیں، اور وہاں کے معززین کو بے عزت (اور خوار) کر دیتے ہیں اور (سلیمان بھی دستور کے مطابق)
ایسا ہی کریں گے۔ (تم ذرا صبر و ضبط سے کام لو) میں سلیمان کو (خط کے جواب میں) تحائف روانہ کرتی ہوں، اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا اثر لے کر لوٹتے
ہیں چنانچہ قاصد (تحائف اُٹھائے) سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو (سلیمان نے) کہا۔ (میرے خط کا کیا جواب دیا ہے۔ اپنی ملکہ سے کہنا) تم کیا
(یعنی) مال (و اسباب سے) میری مدد کرنا چاہتی ہو۔ اللہ نے مجھے اس سے بہتر (اور بڑھ کر مال و اسباب) دے رکھا ہے، جیسا تمہیں دیا ہے ——
(یہ تحائف تمہاری ملکہ ہی کو مبارک رہیں، ملکہ سے کہنا، مجھے مال اور اسباب کی طمع نہیں ہے) تم ہی ان تحائف سے محظوظ ہوتے جاؤ۔ (اے
سفیروں کے سردار! یہ تحفے لو اور) تم اُن ہی لوگوں میں واپس پہونچو (جنہوں نے تحفے بھجوائے ہیں، اور اُنہیں آگاہ کرو کہ) ہم (عنقریب
ایسے لشکروں کے ساتھ وہاں آئیں گے، جن کا مقابلہ وہ نہیں کر سکیں گے۔ ہم سب کو اس طرح ذلیل کر کے شہر بدر کریں گے کہ وہ عاجز ہو جائیں گے
(اطاعت نہ کرنے کا مزا چکھا دیں گے۔ ملکہ سبا نے روئداد سنی تو سمجھ گئی کہ اطاعت سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اطاعت کرنی ہوگی۔ چنانچہ چل
پڑی۔ ابھی راستے میں تھی کہ) سلیمان نے کہا۔ اے اہل دربار! تم میں کون ہے جو ملکہ سبا کے پہونچنے اور اظہار اطاعت کرنے سے پہلے اُس کا
تخت لے آئے، (تاکہ ملکہ جان جائے کہ میں عام قسم کا اور نرا بادشاہ نہیں ہوں۔) ایک دیو از قسم جنات بولا، جب تک آپ (دربار برخاست
کرکے) اپنی جگہ سے کھڑے ہوں گے، اُس سے پہلے میں لے آؤں گا اور آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ (تخت خواہ کتنا ہی وزنی ہو) میرے
بازو اس قدر مضبوط ہیں کہ اسے لا سکتا ہوں (نیز خیانت نہیں کروں گا) معتبر (اور قابل بھروسہ) ہوں۔ (اس پر) ایک اور صاحب نے کہا
جنہیں کتاب (آسمانی) کا علم حاصل تھا (اور جو اللہ کے اسما اور کلام کی تاثیر سے واقف تھے) کہ آپ (ذرا ادھر دیکھئے اور اُدھر سے) نگاہ
دوسرے رُخ کیجئے، میں نگاہ مڑنے سے پہلے تخت کو حاضر کئے دیتا ہوں (اور چشم زدن میں تخت حاضر تھا۔) سلیمان نے تخت اپنے قریب رکھا
دیکھا تو کہا، یہ میرے رب کا کرم ہے اعجاز و کرامت بندے کے بس کی نہیں ہوتی، مگر اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہ کرم اس لئے کیا گیا ہے) کہ مجھے
آزمایا جائے کہ شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت۔ شکر گزاری کا نفع شکر کرنے والے ہی کو ملتا ہے، اور جو کفران نعمت کرے تو اللہ تو (شکر) سے بے
ہے، (شکر کا محتاج نہیں ہے اور بڑا) کریم ہے (کہ کفرانِ نعمت پر فوراً نہیں پکڑتا۔ بہرحال کفرانِ نعمت کرنے والا اپنا نقصان کرتا ہے۔ کچھ کھوتا۔
سلیمان نے (اس کے بعد) کہا، (اچھا اب) ملکہ کی عقل کا اندازہ کرنے کے لئے اُس کے تخت (کی ہیئت) میں (تھوڑی سی) تبدیلی کر دو، (دیکھیں یہ

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

مولانا عبیداللہ کوٹی ندوی

معاشی مسائل اور اسلام

" ویسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمٰی والمساکین وبن السبیل وما
حلوا من خیر فان اللہ بہ علیم " لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں آپ فرما دیجئے کہ مال حلال جو بھی خرچ کرو وہ والدین، اعزا، یتامیٰ
اکین اور مسافروں کے لئے ہونا چاہئے ۔ اور جو بھلائی بھی تم کروگے اس کی حقیقت خدا پر عیاں ہوگی ۔

صحابہ کرام کی طرف سے دریافت کردہ دوسرا سوال ہے جس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جواب
ایت فرمایا ہے ۔ مگر غور کرنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوال میں جو بات دریافت کی گئی تھی قرآن نے اس کے جواب کو زیادہ اہمیت نہیں دی، سوال
یا گیا تھا کہ کیا کیا خرچ کریں، اس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ " حلال مال تم جو بھی خرچ کرو " اور یہ کہتے ہی وہ فوراً اسی فقرہ میں تفصیل یہ بیان کیا
رع کردیتا ہے کہ مال کا مصرف کیا ہوگا، دولت کہاں خرچ کی جائے گی، سرمایہ کے ذریعہ تعاون کے مستحق لوگ کون ہوں گے، گویا معاشیات کی اصطلاح میں
آن پیدائش دولت (Production) کے بجائے تقسیم دولت (DISTRIBUTION) کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے اور یہی وہ
بادی فرق ہے جو اسلامی نظام حیات کو دنیا کے دوسرے معاشی نظاموں سے ممتاز کرتا ہے دنیا کے تقریباً تمام ہی نظام فکر مفاسد کا سرچشمہ " پیدائش
ولت " کے غلط ذرائع کو قرار دیتے ہیں افلاطون کے یوٹوپیائی نظام سے لے کر موجودہ زمانہ کے مارکسی طرز فکر یا قدیم وجدید سرمایہ دارانہ نظاموں تک،
ب کے غور وفکر کا مرکز یہی حصول دولت کا مسئلہ قرار پایا ہے ۔

مفاسد کا سرچشمہ چند لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ حصول دولت کے غلط ذرائع فروغ پا چکے ہیں، سرمایہ داروں نے حصول دولت کے جو ناجائز
ریقے اپنا لئے ہیں انہیں کی وجہ سے معاشرہ میں بے اعتدالی اور عدم توازن رونما ہوتے ہیں۔ غربت وافلاس کا اضافہ ہوتا ہے اور حصول دولت کے غلط ذرائع
ختیار کرنے کی وجہ سے امیر امیر تر اور پھر خود غرض ہوتا چلا جاتا ہے دولت کے حاصل کرنے میں وہ فریب دھوکہ اور غریبوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتا،
دوسری طرف غریب اپنا یہ انجام دیکھ کر خود بھی رنگ بدلنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں چوری کرتے ڈاکہ ڈالتے اور ماحول کو فتنہ وفساد کا اکھاڑہ بنا لیتے ہیں،
ہٰذا ان حضرات کے نزدیک صحیح راہ عمل یہ ہے کہ غلط ذرائع حصول کو بند کرنے اور حصول دولت کے جائز طریقوں کو رواج دینے کے لئے دولت کو تو حیا لیا
جائے حکومت کو سارے اختیارات جزا وسزا دے کر ہی یہ ممکن ہے کہ مفاسد کا سرچشمہ خشک ہو اور معاشرہ امن وسکون سے ہمکنار ہو سکے ۔

ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ وہ ہیں جو پیدائش دولت کے غلط ذرائع کو منبع فساد قرار دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اسی رخ پر غور کرتے
رتے وہ یہ نتیجہ برآمد کرتے ہیں کہ دراصل مفاسد کا سرچشمہ حصول دولت کے غلط ذرائع ہی نہیں بلکہ خود حصول دولت بھی ہے دولت کی محبت ہی تو وہ مرض
ہے جس کی وجہ سے افراد غلط ذرائع اختیار کرتے ہیں اور پھر فساد اور خرابی کا لاوا پھوٹ پڑتا ہے اس لئے ان حضرات نے علاج یہ تجویز کیا کہ خود دولت سے ہی
لوگوں کو متنفر بنا دیا جائے دولت کی ناپاکی اگر ان لوں کے ذہنوں میں بیٹھ گئی تو وہ حصول دولت کے ان غلط ذرائع کو اختیار کرنے سے بچیں گے جو ملک وقوم

کو معاشی کشمکش میں مبتلا کرتے ہیں یہ معاشی نظریہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے وہی نظریۂ رہبانیت ہے جو کسی زمانہ میں عیسائیوں کو دنیا بیزاری پر آمادہ کرتا رہا، ایران میں اس نے مانی ازم کی شکل اختیار کی اور ہندوستان میں وہ جوگ کی صورت میں نمودار ہوا۔

انسان کی معاشی زندگی میں یہی دونوں نظریے کارفرما رہے ہیں مگر جس طرح کہ پہلے نظریہ نے ـــــــ جس کی مثال ہمارے سامنے کمیونزم کی شکل میں موجود ہے ـــــــ انسانیت کا علاج کرنے کے بجائے اس پر پے در پے ظلم وستم ڈھائے، حصول دولت کے غلط ذرائع کو طاقت کا سہارا دیا، ملک کے باشندوں کو آہنی دیواروں میں محبوس کر دیا۔ عوام کے ہاتھ سے سب کچھ چھین کر اس کی گردن میں غلامی کی سنہری زنجیر ڈال دی۔ اسی طرح دوسرے نظریہ نے خود انسانی فطرت سے بغاوت کی۔ اس نے فلاح وکامرانی عطا کرنے کے خوب صورت نعرے لگائے، پھر خود انسانوں اور انسانیت سے جنگ کرنے کی سازش کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ آگ اور بھڑکی اور رہے سہے تنکوں کو بھی بہا لے گیا اور آج گو یہ نظریہ کتابوں کے نقوش میں پنہاں ہے مگر اس کے نام لیوا دیکھتے ہی دیکھتے فنا ہو گئے۔

ان دونوں نظریوں کے بالمقابل قرآن اگرچہ حصول دولت کے غلط ذرائع کو ناجائز ٹھیراتا ہے لیکن وہ تنہا استعمال کے غلط ذرائع کو مفاسد کا اصل سرچشمہ قرار نہیں دیتا وہ اگرچہ دولت سے عشق کرنا نہیں سکھاتا مگر اس کی تعلیمات میں دولت کی نفرت کو امن وامان کی جنت کا ٹکٹ بھی نہیں قرار دیا گیا ہے اسلام کے نزدیک مفاسد کا سرچشمہ یہ نہیں ہے کہ انسان غلط ذرائع حصول اختیار کرتا ہے یا دولت سے اسے محبت ہے بلکہ مفاسد کا سرچشمہ اور خرابیوں کی جڑ یہ ہے۔

۱۔ انسان دولت وسرمایہ کو غلط راہوں میں صرف کرتا ہے۔

اور اس کی وجہ سے اس کے اور معاشرہ کے حق میں تخریب کے اسباب بہم پہونچتے ہیں۔

۲۔ انسان دولت وسرمایہ کو صحیح راہوں پر خرچ کرنا۔

اور اس کی وجہ سے معاشرہ میں تعمیری مقاصد کو تکمیل تک پہونچنے کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ "تقسیم دولت" کا نظام غلط بنیادوں پر قائم ہے اور تقسیم دولت کی صحیح راہیں مسدود ہیں اور اس طرح انفاق کی صحیح راہوں کے مسدود کرنے اور انفاق کے غلط دروازوں کے کھل جانے کی وجہ سے معاشرہ خرابیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے فتنوں کے پھوٹنے اور خرابیوں کے جڑ پکڑنے سے امن وامان غارت ہو کر رہ جاتا ہے اور انسانی سوسائٹی معاشی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے بھی بے اعتدالیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔

اسلام کا یہی انداز فکر اسلامی معاشیات کی بنیاد ہے دوسرے غلط معاشی نظاموں نے اپنے غور وفکر کا مرکز حصول دولت اور اس سے پیدا شدہ مسائل کو قرار دیا اور اسلام ان سب کے برخلاف "تقسیم دولت" کو اپنے فکر کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ حصول دولت کے غلط ذرائع کو اختیار کرنے کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا سبب بھی اگر غور کیا جائے تو دولت کی ناجائز تقسیم یا سرمایہ کا غلط مصرف ہی ٹھیرتا ہے یہ ایک واقعہ ہے کہ انسان زیادہ خرچ کرنے کے لئے ہی زیادہ حاصل کرتا ہے وہ اپنے دماغ میں دولت کو صرف کرنے کے لئے جائز اور ناجائز بہت سے "پلان" بناتا ہے۔ فخر وپندار اسے مجبور کرتے ہیں کہ وہ نمائشی کاموں میں یا سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے دولت کو زیادہ سے زیادہ لٹائے خوب لٹائے اور بے مروج لٹائے، خود غرضی اسے مجبور کرتی ہے کہ اپنے عیش اور تن آسانی کے لئے دوسروں کا بھی پیٹ کاٹے۔ غریبوں کا خون چوسے، انسانوں کو فریب دے کر حصول دولت کے زیادہ سے زیادہ آسان طریقے اپنائے راہ ہروں کو قتل کرے اور عوامی بیداری کے امکانات کو نامکمل بنا دے۔ غرض انفاق کا جذبۂ بے پایاں، حصول دولت کے غلط ذرائع پر آمادہ کرتا ہے۔ تعیش اور خود غرضی کا شیطان ہی وہ بدترین جذبہ محرکہ ہے جو دولت کے ناجائز استعمال سے بھی نہیں چوکتا۔ اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ انفاق کی ان راہوں کو بھی بند کیا ہے جن میں دولت کو بے اندازہ صرف کرنے کی وجہ سے ـــ نیز بیشتر انسان قلاش ہو جاتا ہے اور یہ قلاشی اسے بالآخر مفاسد اور جرائم کی طرف متوجہ کر دیتی ہے اسی طرح

اسلام نے انفاق کے ان طریقوں کو بھی رائج کرنے پر آمادہ کیا ہے جن کی وجہ سے معاشرہ کے دوسرے افراد ـــــ غریبوں، ناداروں، اپاہجوں وغیرہ ـــــ میں حصول دولت کے غلط ذرائع اختیار کرنے کا جذبہ ابھرنے نہیں پاتا۔

اسلام کے معاشی نظام کا ستون دراصل یہی مخصوص انفاقی نظام ہے جس کی طرف قرآن نے جگہ جگہ توجہ دلائی ہے اور یہ بات جو ہم نے قرآن کے معاشی نظریہ کے متعلق عرض کی ہے یہ کچھ میرا ہی نظریہ و خیال نہیں ہے بلکہ خود قرآن مجید نے اسے اپنے نظام فکر کی اہم بنیاد قرار دیا ہے اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ قرآن جو نظام حیات پیش کرتا ہے وہ اپنی اصل و فرع، بنیاد اور عمارت ہر لحاظ سے دنیا کے مذاہب اور نظریات سے یکسر مختلف ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کو ماننے والے بھی اپنے فکر و عمل میں، طور طریق میں، مزاج اور انداز میں دوسروں سے ہر طرح ممتاز ہیں مگر ان کے یہ امتیازات کیا ہیں۔ یہ قرآن ہی کی زبانی معلوم ہو سکتا ہے قرآن دو ٹوک الفاظ میں صاف صاف اعلان کرتا ہے۔

ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین، الذین یؤمنون بالغیب، ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون ـ یعنی عقائد میں قرآنی نظام فکر کی بنیاد "ایمان بالغیب" ہے، عبادات میں اس کا امتیازی نشان "اقامت صلوٰۃ" ہے اور حیات باہمی میں قرآن میں قرآنی نظام فکر کی اساس اس کی انفاقی تعلیمات ہیں،

گویا حیات باہمی یا اجتماعی زندگی میں مسلمانوں کے نظام عمل کا اصلی اور امتیازی نشان انفاق ہے، مسلمانوں کا انفاقی طرز عمل دراصل ایک ایسا عنصر ہے جو ان کے رہن سہن، طرز بود و باش، جذبات تعاون، معاملات باہمی، فکر اور مزاج غرض ہر شے کی تشکیل کرتا ہے۔

---

(۲)

اسلامی نظام انفاق اپنے وسیع معنوں میں مختلف پہلوؤں پر حاوی ہے ان کی طرف اگرچہ ابھی کئی جگہ اشارہ کیا جا چکا ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ ان کی وضاحت کر دی جائے۔ انفاق کے بارے میں اسلامی ہدایات کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس نے انفاق کی ان تمام راہوں کو مسدود قرار دیا ہے جو معاشرہ کو درہم برہم کرنے کا باعث ہوں اور جن کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں طرح طرح کی خرابیاں رونما ہوتی ہوں یہ چند چیزیں درج ذیل ہیں

۱:- دولت و سرمایہ کا ایک بڑا مصرف شراب ہے۔ زمانہ قدیم میں جس طرح اس پر پانی کی طرح دولت بہائی جاتی اور شراب کے پرانے ذخائر پر فخر کیا جاتا تھا اسی طرح آج بھی شراب دنیا کی ایک بڑی لعنت ہے جس پر ملک کے عوام اور خواص کروڑوں کا سرمایہ ضائع کر رہے ہیں دولت کا یہ مصرف اگر ایک طرف سرمایہ کی بڑی مقدار کی بربادی کا سبب ہے تو دوسری طرف اس کی وجہ سے صحت اور ذہن و دماغ پر جو دور رس اثرات پڑتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں پھر شراب کے نقصانات کی یہی حد نہیں بلکہ جنگ و جدل کرانے اور زندگی کے روز مرہ میں بڑے بڑے حادثات کو بروئے کار لانے میں بھی وہی ذمہ دار ہے پھر شراب کے کتنے ہی رسیا اسی نشہ نوشی کی بدولت دیکھتے ہی دیکھتے غربت و افلاس کا شکار ہو جاتے ہیں اور کتنے ہی نوجوانان قوم ہیں جنہوں نے شراب نوشی کی خاطر جرائم کی راہ اختیار کی۔

انہیں مفاسد کی وجہ سے اسلامی نظام انفاق میں دولت کا یہ مصرف ناجائز قرار دیا گیا ہے، شراب نوشی کا سدباب کرنے کے لئے اسلام نے صرف وعظ و پند یا محض اخلاقی نصیحتوں پر ہی قناعت نہیں کی ہے بلکہ ساتھ ہی خلاف ورزی کی صورت میں سزائے سخت کا بھی اعلان کیا ہے۔

۲:- شراب کے بعد قمار وہ دوسری لعنت ہے جس پر دولت کو زمانہ قدیم سے لے کر اب تک بے دریغ قربان کیا گیا ہے منٹوں میں دولت و سرمایہ کے بڑے بڑے ٹھیکیداروں کو بیچ چوراہے پر "ننگ و عار" سے ہمکنار کر دینا بس قمار ہی کی کرامت ہے زمانہ قدیم میں کیا ہند چین اور کیا عرب و عجم بڑی بڑی سلطنتوں یہاں تک کہ بیوی بچوں تک کی بازی لگا دی جاتی اور تب بھی قمار بازی کا بھوت سر پر سوار رہتا، باہمی اختلاف، غربت و افلاس اور غربت و افلاس کے بعد قمار کے شوق

کو پھر بھی ترفعانہ رکھنے کے لئے یا گھریلو ضرورتوں کو پورا کرنے کی خاطر پھر دولت کی مزید تلاش ہوتی اور چوری، ڈاکہ، فریب، لوٹ مار غرض کمائی کے تمام ہی ذرائع اختیار کئے جاتے، قماربازی کے یہ فیوض و برکات عہد قدیم میں گو موجود تھے، مگر موجودہ زمانہ کی سائنٹیفک دنیا میں اس نے معاشرہ کو ہزار ہا نت نئی خرابیوں سے دوچار کیا ہے۔

اسلام نے دولت کے اس مصرف کو بھی ناجائز قرار دیا ہے قمار خواہ کسی بھی صورت میں نمودار ہو اور خواہ اس کے چہرے پہ کیسے ہی خوبصورت پردے ڈالے گئے ہوں اسلام اس کی کسی حال میں بھی اجازت نہیں دیتا اور اس نظام میں قمار بازوں کے لئے سخت سے سخت سزائیں مقرر ہیں۔

۳: اسلام نے انفاق کی ان تمام صورتوں کو بھی ناجائز اور لائق نفرین قرار دیا ہے جس کا بنیادی محرک فخر و پندار ہو۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی نیک اور بھلے کام کو بھی محض نام آوری کے لئے انجام دے اسلام کے نزدیک وہ شخص بھی تعریف کا مستحق نہیں پہلے زمانہ میں جب کہ قوموں پر حکومتوں کی گرفت مضبوط نہ تھی اور ہر طرف جاگیرداری قائم تھی اس فخر و غرور کا شکار صرف افراد تھے۔ عرب میں ایک بدو اپنی سخاوت کا سکہ بٹھانے کے لئے اونٹ پر اونٹ ذبح کرتا جاتا دوسرا غیرت میں آکر اپنی عزت بچانے اور عار سے بچنے کے لئے مقابلہ میں خود بھی اونٹ ذبح کرنے لگتا، جس کے ہاتھ پہلے رک جاتے یا جس کے اونٹ جلد ذبح ہو جاتے وہ شکست خوردہ تسلیم کیا جاتا اور فخر و پندار عز و شرف کی خیالی دولت اس کے حریف کے حصہ میں آتی، لیکن آج جب کہ کثرت میں وحدت کا جلوہ نظر آتا ہے اور افراد بتدریج ایک طاقت ور مرکزیت کے گرد جمع ہوتے جا رہے ہیں فخر و پندار کی پرانی عادتوں میں حکومتیں بھی مبتلا ہو گئی ہیں۔ "معیار زندگی کو بلند کرنے" کے الفاظ جتنے خوبصورت ہیں اتنا ہی وہ ان کے لئے سند جواز ہیں ملک کے باشندے جنہیں روٹی کپڑا، مکان، دوا اور علاج کے ضروری سامان بھی میسر نہیں انہیں ملک کی اعلیٰ صنعتی ترقیاں، رسل و رسائل، آمد و رفت کے بیش قیمت ذرائع اور اونچی عمارتوں کے ذریعہ خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس دولت و سرمایہ سے ملک کی غریبی کو مٹانا ضروری تھا اور لازم تھا کہ اس کے ذریعہ قوم کی تعلیمی، معاشی اور دیگر بنیادی ضرورتوں کو پورا کیا جاتا آج اسی دولت کو دوسرے ملکوں اور قوموں سے مفاخرت پر صرف کیا جا رہا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کی طرح ہمارے ممالک میں بھی جلد از جلد تمدن کی آب و تاب آئے ثقافتی رنگ و روغن بڑھے اور بازار کی رونق میں اضافہ ہو۔ ہر ملک اس کوشش میں ہے کہ اس کے سالانہ منصوبوں کی چمک دمک دوسرے ملکوں سے کچھ زائد ہی ہو اسے اس کی مطلق پرواہ نہیں کہ بزم حیات کے ان تکلفات سے ملک کی غریبی مٹے گی بھی یا نہیں۔

فخر و غرور کا جذبہ افراد میں ہو یا قوموں اور ملکوں میں، وہ تنگ نظری کی آغوش میں ہی جنم لیتا ہے اس کی پرورش کے لئے وہی ماحول سازگار ہوتا ہے جہاں حقیقی کے بجائے سطحی، اصلی کے بجائے نقلی، اور فطری کے بجائے مصنوعی زندگی پر زور دیا گیا ہو، فخر و غرور جہاں بھی بنیادی کار کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے وہاں زندگی جلد ہی بے اعتدالی اور عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہے دولت کا مصرف غیر ضروری مواقع بن جاتے ہیں اور بالآخر پوری قوم سب کچھ ہونے کے باوجود اپنی بنیادی ضرورتوں کو بھی پورا کرنے نہیں پاتی۔

۴:۔ دولت و سرمایہ کا ایک بڑا مصرف موجودہ زمانہ میں تصاویر اور مجسمے[1] ہیں زمانہ قدیم میں بھی ان کا رواج تھا البتہ اس زمانہ میں یہ کام مت اور بت پرست قوموں کے ہاتھ میں تھا اور وہ اپنے بزرگوں معبودوں اور مقدس شخصیتوں کی یادگار تصویروں، مجسموں کے ذریعہ باقی رکھتے لیکن موجودہ زمانہ میں جاہلیت جدیدہ یہ مقدس کام اپنے سرپرستی میں انجام دے رہی ہے وہ اپنے بابرکت ہاتھوں سے قوم کا بیش قیمت سرمایہ ایسے ہی کاموں بے دریغ صرف کرتی ہے اور آرٹ کا نام لے کر چاہتی ہے کہ دولت کی یہ بربادی فنکاری کے پرفریب لفظوں کے ذریعہ ہنرمندی کا لبادہ اوڑھ لے۔ اسلام

---

[1] اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابھی مصر کے شہر قاہرہ میں فرعون کا جو مجسمہ نصب کیا گیا ہے اس پر لاکھوں روپے کی لاگت آئی ہے۔

کے نزدیک دولت کا یہ مصرف بھی فضول ہے۔ حیرت ہے کہ جو لوگ غربت و افلاس کو ختم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں وہ قوم کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بجائے دولت کی ایک بڑی مقدار کو تصویروں اور مجسموں پر کیوں کر قربان کر دیتے ہیں۔

۵۔ اسی طرح اسلام نے ان رسموں کی بھی ممانعت کی ہے جن میں دولت کو بے حساب خرچ کیا جاتا ہے اور ان کی بدولت قوم دن بدن غربت میں مبتلا ہوتی جاتی ہے۔ یہ رسمیں عموماً شادی بیاہ اور غمی کے موقعوں پر ہوتی ہیں یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ شادی بیاہ میں گھر کا سارا اثاثہ صرف کر دیا جاتا ہے اور خمسہ کے جذبات لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ قرض لے کر اپنی خواہشوں کو پورا کریں غمی کے موقعوں پر اہل شرک اور مسلم عوام میں عجیب غریب رسمیں پائی جاتی ہیں، یہی رسمیں عربوں میں بھی کم و بیش موجود تھیں۔ عہد جدید کی حکومتوں اور موجودہ زمانہ کی مہذب قوموں میں یادگاری دن منانے کی وبا عام ہو گئی ہے۔ اور انسانوں کی آبادی میں بڑے آدمیوں کا جتنا اضافہ ہوتا جاتا ہے دولت کو ضائع کرنے کے مواقع بھی اتنے ہی زیادہ فراہم ہوتے جاتے ہیں کسی کی یادگار منانا بجائے خود کوئی عیب نہیں لیکن اسے فیشن بنا دینا اور ان کی یاد میں سال بسال بے مقصد تقریبات منعقد کرنا یہ قوم اور ملک دونوں کی تباہی کا سامان ہے۔

انفاق کے یہ سب طریقے اسراف ہیں۔ دولت کی بایں طور بربادی غربت کا باعث بنتی ہے اور اس غربت کو مٹانے کے لئے بے چارہ انسان اپنے گھر کی خوشی یا غم کی قیمت قوم کو فریب دے کر جائز طریقوں سے وصول کرتا ہے۔ دولت کو حاصل کرنے کے لئے وہ ایسے ایسے عجیب و غریب طریقے ایجاد کرتا ہے جو پوری قوم کو تنگ حالی، معاشی بدامنی اور بے کرداری میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

---

(۳)

دولت کے مندرجہ بالا پانچ مصرف ایسے ہیں جن کی اسلام کسی صورت میں بھی اجازت نہیں دیتا لیکن انفاق کی بعض ایسی بھی صورتیں ہیں جن میں دولت کے ناجائز استعمال کا قوی خدشہ موجود ہے اس لئے اسلام نے ان کے بارے میں "ترمیم و اصلاح" کا طریقہ اختیار کیا ہے وہ ان صورتوں میں دولت کو صرف کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ترغیب بھی دیتا ہے مگر اس نے چند ایسی شرطیں بھی لگا دی ہیں جن کی وجہ سے ان میں دولت بے حد تک صرف ہونے سے محفوظ رہتی ہے یہاں چونکہ تفصیل کی گنجائش نہیں اس لئے چند صورتیں بطور نمونہ بیان کی جاتی ہیں جن سے اسلام کے انفاقی نظام کا یہ پہلو بھی روشنی میں آ جائے گا۔

۱۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی "روم و عجم میں جو شخص ایک لاکھ درہم کا پٹہ یا اتنی ہی قیمت کا تاج استعمال نہ کرتا لوگ اسے عار دلاتے"۔[1] اسی طرح جیسا کہ ہندوستان کے راجوں مہاراجوں میں رواج رہا ہے کہ وہ اور ان کی عورتیں لمبی لمبی شلواریں استعمال کرنے اور خدام یا کم سن بچے شلوار کے زائد حصوں کو پیچھے سے اٹھائے رہتے، عربوں میں بھی لوگ فخر و غرور کے طور پر محض اپنی خوش پوشی اور کشادہ حالی کے اظہار کے مظاہرہ کے لئے بڑی بڑی ازاریں سلواتے پہنا کرتے تھے۔ یہ صورتیں اگر دولت کی بربادی کا سبب ہیں تو ان کی وجہ سے معاشرہ میں نازک مزاجوں اور عیش پرستوں کی ایک بالاتر سوسائٹی بھی آہستہ آہستہ جنم لینے لگتی ہے۔ اور ان کے نشو و نما پانے سے عزت حاصل کرنے کا ایک ایسا معیار وجود میں آ جاتا ہے جس پر پورا اترنا غریب عوام کے بس کی بات نہیں، وہ عزت و شرف کو حاصل کرنے کے لئے یا تو پر فریب طریقوں سے دولت حاصل کریں گے یا ننگ و عار کے احساس میں ڈوب کر اپنی خود داری کو ہی ڈالا کر کے احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے۔ اسلام باوجود اس کے کہ لباس کو انسان کی زینت قرار دیتا ہے لباس کے ان فیشن ایبل طریقوں کے حق میں نہیں وہ اگرچہ اچھے لباس، اچھے مکان، اور اچھی غذا کو خدا کی نعمت اور اس لئے پسندیدہ قرار دیتا ہے لیکن چونکہ اسے بہت سی دیگر خرابیوں کا بھی سدباب کرنا ہے اس لئے وہ مردوں کے لئے ریشمی لباس کو عام حالات میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ ص ۲/۱۰۱

۲۔ اسی طرح مردوں کے لئے اسلام نے سونا چاندی کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا ہے دونوں کو لباس میں استعمال کیا جائے یا کھانے پینے کے برتن بنائے جائیں بہرحال مرد کے لئے ان دونوں کا استعمال ناجائز ہے اور چونکہ سونا چاندی کے برتن استعمال کرنا دولت کی بربادی کا سبب ہونے کے ساتھ ہی انسان کی عیش پرستی اور حد سے بڑھی ہوئی تن آسانی کی علامت ہیں اس لئے ان برتنوں کا مرد اور عورت کسی کے لئے بھی استعمال کرنا جائز نہیں[1]

اسلام کے نظام انفاق کے اس پہلو پر غور کیجئے ، اسلام نے زیب و زینت کے سامان رکھنے ، اچھے سے اچھا لباس پہننے کی اجازت دی ہے لیکن چند قیود کے ذریعہ اس نے ان راہوں کو بھی مسدود کر دیا ہے جن کی وجہ سے کوئی فرد یا قوم دولت کا بے جا استعمال نہیں کر سکتی ، کیونکہ دولت کا غلط مصرف اگر ایک طرف تنگ دستی کو جنم دیتا ہے تو دوسری طرف عوام کو بھی اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ لباس میں کھانے کے برتنوں اور دوسرے استعمالی سامانوں میں اس معیار کو برقرار رکھیں جو ان کے ماحول میں عزو شرف کا نشان سمجھا جاتا ہے اس طرح پوری قوم میں دولت کے ناجائز استعمال کا جذبہ بیدار ہوگا اور پوری کی پوری قوم سرمایہ دارانہ کشمکش میں مبتلا ہو جائے گی ، رشوت ، چوری ، قمار اور فریب دہی کے جو بھی طریقے ایک فرد کو اس کی قوم کے مطلوبہ معیار تک پہونچانے میں معاون ہوں گے وہ ان طریقوں کو اپنانے میں دریغ نہ کرے گا ۔ لہذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انفاق کے ان غلط مصرفوں کو فوراً ہی ممنوع قرار دیا جائے جو ایسے غلط نتائج کا باعث بنتے ہوں ۔ اسلام نے یہی کیا ہے اور اس کے نظام کی کامیابی کا ایک راز اس کی تعلیمات کا یہ پہلو بھی ہے ،

اسلام نے اپنے انفاقی نظام میں دولت کی جن صورتوں میں صرف کرنے سے منع کیا ان کی تفصیل گزر چکی ، قرآن مجید نے صحابہ کرام کے سوال کا جو جواب دیا ہے اس کی تشریح کے لئے ضروری ہے کہ ہم انفاق کے منفی پہلو کا بھی ذکر کریں ، ہم نے اس سے پہلے عرض کیا تھا کہ اسلام کے نزدیک معاشی زندگی کا بگاڑ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ انسانی معاشرہ کا انفاقی نظام نادرست ہے انسان اپنا سارا سرمایہ غلط راہوں پر خرچ کر دیتا ہے پھر جب اس کے جیب و دامن مزید انفاقی جذبات کو تسکین دینے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو وہ حصول دولت کے غلط طریقوں کو اپناتا ہے اور پھر جس طریقہ سے بھی ممکن ہوتا ہے وہ دولت کو حاصل کرنے کے لئے فریب و دغا سے کام لیتا ہے اس طرح پوری کی پوری قوم انفاقی عدم توازن کے برے نتائج سے دوچار ہو جاتی ہے پھر فرد سے گزر کر یہ بدامنی معاشی لوٹ کھسوٹ اور جرائم پسندی قومی سطح پر ابھرنے لگتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ ان تکلیف دہ حالات کی وجہ سے چیخ پکار کرتا ہے انتشار اور بدامنی کی وجہ سے پوری کی پوری قوم تڑپتی اور دم بدم کروٹیں بدلتی ہے مگر اسے کسی پہلو سے بھی چین نہیں ملتا ۔

اسلام نے پہلی ضرب انفاق کی ان غلط راہوں پر ہی لگائی ہے جو قوم کی بدحالی اور انتشار کا باعث بنتی ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ انفاق کی ان چند راہوں کو بند کر دینے سے ہی قوم کی معاشی حالت درست نہیں ہوتی جب تک کہ انفاق کے لئے مثبت (POSITIVE) ہدایات موجود نہ ہوں ، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انفاق کی بعض صورتوں کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ وہ خامیاں جو پچھلے طریقۂ کار کی بدولت یا بعض ناگہانی حالات کی وجہ سے قوم میں پیدا ہو گئی ہیں ان کو دور کیا جا سکے یہ بات کہ دولت کو فلاں اور فلاں موقعوں پر خرچ نہ کیا جائے ، ایک طرح سے احتیاطی تدبیریں ہیں تاکہ اس کے ذریعہ قوم میں غربت و افلاس یا بعض دوسری مزید خرابیاں پیدا نہ ہوں ، لیکن وہ غربت جس میں کہ [illegible] پوری قوم مبتلا ہے اور جو قوم کو طرح طرح کے اخلاقی امراض میں مبتلا کرنے کا سبب بن رہی ہے اسے کیسے ختم کیا جائے ، اس کے لئے مثبت تدبیر کی ضرورت ہے ۔ قرآن نے صحابہ کرام کو جو جواب دیا ہے اس میں اس مثبت پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ دولت کا مصرف اور امداد کے جائز حقدار کون لوگ ہیں ——— یہ اشخاص قرآنی بیان کے مطابق بترتیب حسب ذیل ہیں ۔

---

[1] احادیث کی روشنی میں فقہاء نے صرف تین ماشہ کے برابر چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دی ہے ۔

والدین، رشتہ دار، یتامیٰ، مساکین اور مسافر (قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل، وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم)

---

(۴)

زیر بحث آیت پر غور کرنے سے پہلے اسلام کے سماجی انشا کے متعلق جو چند رہنما اصول ملتے ہیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کی طرف بھی اشارے کر دئے جائیں۔

ا۔ پہلی بات یہ کہ آیت میں جن افراد کو مدد کا مستحق قرار دیا گیا ہے ان کی تقسیم مذہب اور نظریہ کی بنیاد پر نہیں کی گئی ہے بلکہ مستحق افراد خواہ وہ کسی بھی مذہب اور نظریہ کے حامی ہوں وہ سب احتیاج کی بدولت امداد کے یکساں مستحق ہیں، والدین، دیگر اعزا، یتامیٰ، مساکین اور اہل سفر خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم الغرض مستحق سب ہی لوگ ہیں۔ چنانچہ خلافت راشدہ کے دور میں جو کہ بعد کی مسلم حکومتوں کے لئے ایک اسوۂ اور نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے اپاہج اور نادار ذمیوں کی کفالت کا ذمہ دار بیت المال ہی تھا[۱]

فتح حیرہ کے موقعہ پر جو معاہدہ ہوا تھا اس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں "اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے یا کوئی آفت آئے یا دولت مندی کے بعد غربت سے دوچار ہو اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور ——— اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا"[۲]

یہ معاہدہ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں ہوا تھا حضرت فاروق اعظمؓ نے اسے برقرار رکھا اور قرآنی استدلال کے ذریعہ اس امداد کے لئے مزید ثبوت بہم پہونچا دیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دست سوال دراز کرتے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا بھیک کیوں مانگتا ہے اس نے عرض کیا مجھ پر جزیہ لگا دیا گیا ہے اور مجھے اس کو ادا کرنے کی قدرت نہیں یہ سن کر آپ اُسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے اور فرمایا کہ "قرآن مجید کی آیت" انما الصدقات للفقراء والمساکین " میں "فقرا" سے مراد مسلمان اور مساکین اہل کتاب ہیں۔ بخدا یہ انصاف نہیں ہے کہ ان لوگوں کی جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں لیکن جب بڑھاپا آ جائے تو ان کو ہم گھروں سے نکال دیں[۳]۔

غریبی کو مٹانے کے لئے اسلام تو یہ بھی نہیں دیکھتا کہ جو ملک غربت سے دوچار ہوا ہے وہ مسلم ہے یا غیر مسلم، دوست ہے یا دشمن، چنانچہ امام محمد کی کتاب سیر کبیر کے "باب صلۃ المشرک" کی درج کردہ روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس ماۃ دینار الی مکۃ حین قحطوا وامر بدفع ذالک الی ابی سفیان بن حرب وصفوان بن امیۃ لیفرقا علی فقراء اھل مکۃ فقبل ذالک ابوسفیان وابی صفوان وقال ما یرید محمد بھذا الا ان یخدع شبابنا[۴]

مکہ میں جب قحط پڑا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچسو دینار روانہ فرمائے اور فرمایا کہ مکہ کے نادار باشندوں پر تقسیم کرنے کے لئے یہ رقم ابوسفیان اور صفوان بن امیہ کے سپرد کر دی جائے ابوسفیان نے تو قبول کر لیا لیکن صفوان نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ محمدؐ اس طرح ہمارے نوجوانوں کو فریب دینا چاہتے ہیں۔

---

[۱] کتاب الخراج [۲] کتاب الخراج ص ۸۵ [۳] کتاب الخراج ص ۲، [۴] دیکھئے امام شمس الائمہ سرخسی کی شرح سیر الکبیر ص ۶۹ ج ۱ باب صلۃ المشرک۔

۱۲- آیت میں دولت کا مصرف سب سے پہلے والدین کو قرار دیا گیا ہے اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں کو، پھر یتیموں کو اس کے بعد مسکینوں اور مسافروں کو، یہ ایک قدرتی ترتیب ہے جس میں اسی اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اصلاح کی ابتدا ہمیشہ اپنے قریبی ماحول سے کرنی چاہئے یہ انداز فکر خالص تعمیری ہے اپنے گھر یا گرد وپیش کو بھول کر ملک وقوم کی غربت کو مٹانے کے لئے قدم بڑھانا ایک سنہرا خواب تو ہو سکتا ہے لیکن عملی دنیا میں ایسے تجربات ناکام ہوتے ہیں اس سے غربت مٹتی نہیں بلکہ نظر انداز ہو جاتی ہے، امداد کا مستحق جن لوگوں کو قرار دیا گیا ہے اس میں قرآن کی بیان کردہ ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے اس طرز عمل سے ہمیں " الاقرب فالاقرب " کا اصول ملتا ہے یعنی جو جتنا قریب ہو وہ تعاون کا اتنا ہی زیادہ مستحق ہے علاقائی قرب کا بھی اسی لئے لحاظ کیا گیا ہے حدیث شریف میں ہے " تؤخذ من اغنیاء ھم وترد علی فقراءھم " یعنی جس علاقہ کے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کی جائے اسی علاقہ کے فقراء پہلے تقسیم بھی کر دیا جائے اور اس کے بعد جو کچھ بچ رہے اسے مرکزی حکومت اپنی تحویل میں لے کر ملک کے دوسرے غریبوں کی ضرورتوں کو بھی پورا کرے حکومت اگر چاہے تو انتظامی سہولت کے لئے ملک کو مختلف انفاقی منطقوں میں بھی تقسیم کر سکتی ہے تاکہ ایک علاقہ کا سرمایہ اسی علاقہ کی فلاح وبہبود میں زیادہ منظم طریقہ سے صرف کیا جا سکے، حضرت عمرؓ اپنے صوبائی گورنروں کو اس کے متعلق ہمیشہ تاکید کرتے رہتے مصر کے والی (گورنر) حضرت عمرو بن عاص کو انہوں نے جو فرمان دیا وہ یہ تھا " خزانہ میں جو آمدنی جمع ہوتی ہو اس میں سے سب مسلمانوں کے وظائف اور ضروری اخراجات سے جو کچھ بچ جائے اس کو میرے پاس بھیج دو "

۱۳- آیت پر غور کرنے سے ہمیں ایک بات اور معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آیت میں اس کا تذکرہ تو کیا گیا ہے کہ والدین، رشتہ دار، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کو مالی امداد دی جائے ان کی ضرورتوں کو جنہیں وہ خود پورا کرنے سے قاصر رہے ہیں ہم تکمیل تک پہونچانے کی سعی کریں مگر کیا یہ ضرورتیں صرف غذا مکان اور خوراک تک ہی محدود ہیں ؟ ضرورتوں میں تو ہر وہ احتیاج شامل ہے جو شریعت کے نزدیک صحیح ہو اور حالات اس کو پورا کرنے کی بھی اجازت دیں۔

اہل حاجت کو تعلیم وتربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور دوا علاج اور شادی بیاہ کی بھی، یہ اور ایسی جو بھی ضرورتیں ہوں انہیں پورا کرنا، ملک اور قوم کے ذمہ ہے اسی طرح ملکی اور غیر ملکی باشندوں میں تبلیغ اسلام بھی ایک نہایت اہم قومی خدمت ہے اور یہ کام اس وقت تک منظم نہیں ہو سکتا جب تک کہ خود حکومت اسے اپنے ہاتھ میں نہ لے اس لئے یہ کام بھی اسلامی حکومت کو اپنے ذمہ لینا چاہئے تبلیغ اسلام کے ذریعہ اسلامی حکومت نہ صرف یہ کہ اپنے اسلامی فریضہ سے عہدہ برآ ہوگی۔ بلکہ اس کی وجہ سے اسے ملک کے اندر داخلی استحکام بھی نصیب ہوگا اور بیرونی ممالک میں دائرہ اسلام کی وسعت خود اسلامی حکومت کے بین اقوامی وقار اور وزن میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

۱۴- آیت میں مدد کا حکم حاجت کی وجہ سے دیا گیا ہے جس سے قرآنی حکم کی حقیقی روح کا اندازہ ہوتا ہے اب اگر کوئی شخص امداد میں اس حد کو پہونچ جائے کہ خود وہ بھی اپنی حاجت پوری کرنے کے قابل نہ رہے تو اس سے قرآنی حکم کی تعمیل کے بجائے آیت کے مقصد اور اس کی اصلی روح ہی کو نقصان پہونچ جائے گا ادھر غربت مٹے گی اور ادھر وہ پھر نمودار ہو جائے گی، اسی وجہ سے قرآن حکیم نے صحابۂ کرام کے سوال کا ایک دوسری جگہ جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو ـــ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ فرما دیجئے کہ تمہاری ضرورتوں سے جو کچھ بچ رہے اسے خرچ کرو۔ ایک دوسری آیت میں اس بات کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے " ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسوراً "

۵- آیت میں انفاق کے حکم سے " غربت کی بیخ کنی " مقصود ہے اور اسی لئے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے حالات کا بھی خیال رکھے اور اتنا خرچ کر ڈالے کہ بعد میں اسے اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے دست سوال دراز کرنا پڑے جس طرح انفاق کا یہ انداز چونکہ قرآنی حکم کی اصل روح کے

کے خلاف تھا اس لئے اس سے منع کیا گیا ۔ اسی طرح اگر معاشرہ کے ہر فرد کو اس کی یا دوسروں کی دولت میں تصرف کرنے کا حق دے دیا جائے تو یہ بھی قرآنی حکم کی روح کے خلاف ہوگا ، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام ایسے افراد کو جن کے ہاتھوں میں دولت انفاقی عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہے اپنے اور دوسروں کے سرمایہ میں تصرف کے حق سے محروم کر دیتا ہے ، مجنون اور پاگل قسم کے اشخاص ، نادان بچے ، یتیم نابالغ اور اس کے علاوہ بعض مخصوص قسم کے افراد کو تصرف کے حقوق سے یا تو بالکل محروم کر دیا گیا ہے یا پھر کم قیمت کے معاملات کو چھوڑ کر اہم تر اور بڑے کاروباروں میں انہیں تصرف کی اجازت نہیں دی گئی ، موجودہ زمانہ کے فیشن پرست نوجوان جنہیں غیر سنجیدہ اور مخش تفریحات میں والدین کی پونجی برباد کرنے کا چسکہ لگ جاتا ہے اسلام بعض حالات میں انہیں بھی تصرف کے حقوق سے محروم کرنے کی اجازت دیتا ہے اور اس طرح ان کے "عاق" ہو جانے کی وجہ سے دولت کے ضائع ہونے یا عیش کی دلدادہ اولاد کی وجہ سے غربت میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ باقی نہیں رہتا ۔

۴ :۔ معاشیات سے دلچسپی رکھنے والے جانتے ہیں کہ دولت صرف دھات سے بنے ہوئے سکوں اور کاغذ کے نوٹوں کا ہی نام نہیں ہے بلکہ دولت کے ذیل میں وہ تمام چیزیں آ جاتی ہیں جو کسی بھی اعتبار سے انسانی ضرورتوں کو پورا کرتی ہوں ، خارجی دنیا میں زمین ، مویشی ، سامانِ تجارت ، زیورات پھلوں کے باغات ، یہ سب دولت کی مختلف قسمیں ہیں انسان کی اندرونی دنیا کو دیکھئے تو صحت و تندرستی ، طاقت اور قوت ، ذکاوت اور ذہانت مختلف کاموں کی صلاحیتیں اور ہنرمندی ، شخصی ، خاندانی یا علمی اثرات یہ سب انسانوں کا بیش قیمت سرمایہ ہیں مختلف ضرورتوں کو پورا کرنے میں ان کا بھی بڑا حصہ ہوتا ہے اس لئے قرآن مجید نے انفاق کا جو حکم دیا ہے اس سے صرف سکوں اور کاغذ کے نوٹوں کا ہی انفاق مراد نہیں لینا چاہئے ، انفاق کا قرآنی حکم دولت کی تمام قسموں پر حاوی ہے البتہ خارجی دنیا میں دولت کی جو قسمیں پائی جاتی ہیں ان کا شمار آسان ہے ان کی مقدار کا اندازہ لگانا عام لوگوں کے لئے کچھ مشکل نہیں اس لئے اسلام نے ان کے انفاق کے لئے حدود مقرر کئے ہیں اور حکومت پر یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ملک کے باشندوں کو اس انفاق پر مجبور کرے ، سامانِ تجارت میں ، زیورات میں ، غلہ جات اور پھلوں کے باغات میں ، مویشیوں اور آمد و رفت کی سواریوں غرض خارجی دنیا کی تمام ہی دولت کی اقسام میں اسلام نے انفاق کے لئے احکام دئے ہیں اور ہر جگہ اور ہر حال میں باشندوں پر یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اپنے سرمایہ کی مخصوص مقدار نکالیں اس کے بعد اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سرمایہ کو صحیح اور بہتر جگہوں پر صرف کرے ۔

دولت کی دوسری قسم جس کا انسان کی اندرونی دنیا سے تعلق ہے یعنی صحت اور صلاحیت وغیرہ ان کے بارے میں بھی اگرچہ اسلام میں متعین اور واضح احکام موجود ہیں لیکن چونکہ ان کو صرف کرنے اور استعمال میں لانے کے لئے کسی شخص کو قانونی طور پر مجبور کرنا مشکل ہے اس لئے اسلام نے اخلاقی نصائح کے ذریعہ انسانی پونجی کے اس اندوختہ کو ملک اور قوم کے لئے نفع بخش بنانے پر آمادہ کیا ہے ، خدا کا خوف ، آخرت کا ڈر ، رضائے الٰہی کی امید ، جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کی توقع یہ تمام باتیں انسانوں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اپنی صلاحیت ، ذہانت ، تندرستی اور اپنے شخصی اور خاندانی اثرات سے ملک اور قوم ا[illegible] ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کے فائدے کے لئے کام کریں ، دولت کی یہ قسم جس کا ہر شخص کی اپنی اندرونی دنیا سے تعلق ہے اس کو صرف نہ کرنے پر اگرچہ اس دنیا [illegible]ب دار و گیر ممکن نہیں تاہم محض اس بنا پر اس پونجی سے اہل حاجت کو محروم رکھنے والوں کو اس دن سے ڈرنا چاہئے جب کہ احکم الحاکمین ان کی صلاحیتوں [illegible]ب سے ایک ایک کے بارے میں دریافت کرے گا اور یہ پوچھے گا کہ "ہم نے تمہیں بھی دولت کا جو یہ خزانہ عطا کیا تھا تم نے اس سے اہل حاجت کی ضرورتیں کس حد تک پوری کیں " کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگ خدائے ذوالجلال سے یہ کہیں گے کہ :

<u>ہمیں معلوم نہ تھا کہ ہماری ان صلاحیتوں میں دوسروں کا بھی حق ہے !!</u>

یہ چند اہم سائل ہیں جن کی طرف آیت انفاق ہماری رہنمائی کرتی ہے ۔ صحابہ کرام نے جو سوال کیا تھا اس کے قرآنی جواب سے اسلام کے نظریۂ

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

پروفیسر اسرار احمد سہاوری
(ایم۔ اے)

حصولِ مسرت

مسرت ہم اس کیفیت کو کہہ سکتے ہیں جو ہمارے دل میں کسی مفید اور لذت بخش چیز کو حاصل کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ مفید اور لذت بخش چیز ہر شخص کے اپنے نقطۂ نظر کے لحاظ سے مختلف اور مخصوص ہو سکتی ہے۔ مثلاً کوئی دولت حاصل کرکے نسبتاً زیادہ خوش ہو سکتا ہے اور کوئی عزت حاصل کرکے، کوئی کسی بے کس کی خدمت کرکے اطمینان حاصل کر سکتا ہے لیکن دوسرا کسی کمزور کا خون چوس کر فرحت محسوس کر سکتا ہے۔ مسرت کی نوعیت اور کیفیت دراصل زندگی کو دیکھنے کے زاویۂ نظر کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے اگر ہم مسرت کی نوعیت میں یکسانیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم زندگی کو دیکھنے کے زاویۂ نظر میں یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا کرلیں۔ لیکن زندگی کے زاویہ نظر میں یکسانیت اس وقت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ زندگی کے خیر و شر کے پیمانے یکساں نہ ہوں اور اخلاقی قدروں میں یگانگت نہ پیدا کی جائے۔ نیکی اور بدی کی ایک متفقہ بین الاقوامی فہرست مرتب ہو اور اس مسئلے کو انسانی سطح پر لاکر دیکھا جائے جیسا کہ اسلام نے دیکھا ہے ان مسلمہ اخلاقی اقدار کو انسانی معاشرے کی بنیاد قرار دیا جائے۔ بلاشبہ جزوی معاملات میں ہر معاشرے کو اختیار ہو کہ وہ اس خاکے میں اپنا مقامی رنگ بھر سکے لیکن بنیادی اصول ہر جگہ یکساں ہوں۔ اس اخلاقی انتشار پیدا کرنے والے اصول کو ہرگز نہ ابھرنے دیا جائے کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی ذاتی خواہشات اور رجحانات کی بنا پر وہ جو معیار خیر و شر چاہے وضع کرے۔ اصطلاحی طور پر اس اصول کو اخلاقی اضافیت کہتے ہیں اس اصول نے لوگوں کے اخلاق کو بری طرح تباہ کر ڈالا ہے اخلاق کا فلسفۂ اضافیت اس وجہ سے بھی نامعقول اور ناممکن العمل ہے کہ انسانی معاشرہ ایک اکائی ہے۔ اس اکائی سے کسی فرد اور اس کے اعمال کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ـــ کسی انسان کا کوئی فعل بشرطیکہ وہ انسانوں میں رہتا ہو ایسا نہیں ہو سکتا جس کا عمل اور رد عمل اس کی اپنی ذات تک ہی محدود رہتا ہو۔ بلکہ اس کا ہر فعل اس کے عزیزوں، دوستوں، پڑوسیوں، ہم وطنوں کو ضرور متاثر کرتا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی شخص یہ دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے یا اس کو دعویٰ کرنے کی کس طرح اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے افعال کے لئے خود مختار ہے اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے لئے جس چیز کو چاہے رد کرے۔ جس فعل کو چاہے نیکی شمار کرے اور جس کو چاہے بدی کی فہرست میں رکھ دے وہ یہ دعویٰ اسی وقت کر سکتا ہے جب کہ وہ انسانی معاشرے سے بالکل کٹ جائے اور سماج سے کسی قسم کا تعلق باقی نہ رکھے اگر ہر شخص اپنی مرضی کا مالک ہو جائے اور دوسروں کی پسند و ناپسند کا خیال نہ کرے تو معاشرے کا شیرازہ ہرگز قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح بین الاقوامی نقطۂ نظر سے بہت سی اخلاقی قدریں اس قسم کی نکالی جا سکتی ہیں جن پر تمام دنیا متفق ہو جائے۔ مثلاً کمزوروں کی مدد۔ سچ بولنا، ماں باپ کی خدمت۔ استاد کا احترام وغیرہ اس کے بعد ہر قوم اور ہر ملت کے اپنے مقامی اصول و ضوابط بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی اپنی ضرورت اور روایات کے لحاظ سے وضع کئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ بین الاقوامی اصول سے ٹکرائیں یہ مقامی یا قومی اصول و ضوابط بھی مستقل اور پائیدار ہونے ضروری ہیں تاکہ قوم کا ہر فرد اپنے لئے علیحدہ اصول مقرر یا اختراع کرکے سوسائٹی کے لئے باعث انتشار نہ بن جائے۔

اب مسرت اور اس کے حصول کے ذرائع کی نوعیت کے لحاظ سے بنی نوع انسان کو ہم دوسرے قسم کے دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک گروہ اس

لحاظ سے وہ ہے جو کہ خدا - حیات بعد الموت - سزا و جزا وغیرہ کا قائل ہے اس گروہ کے نزدیک خدا نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور اس کو اس پر پوری پوری قدرت حاصل ہے اس نے ہمیں اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے کچھ قوانین دئے ہیں اگر ہم اس کی مرضی کے مطابق ان قوانین پر عمل کرتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے اور اس کی خوشی ہی ہمارے لئے سب سے بڑی مسرت ہے اور اس ذاتِ واحد کی خوشنودی سے تمام جسمانی اور روحانی مسرتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اتفاق سے یہ غلط فہمی عام طور پر مغربی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے کہ مشرق کا ہر مذہب رہبانیت کی زندگی پر زیادہ زور دیتا ہے اور جو شخص خدا اور مذہب کا دلدادہ ہے وہ زندگی کی تمام مسرتوں سے اپنے آپ کو محروم کر لیتا ہے لیکن اسلام میں رہبانیت کے خلاف بالکل واضح احکام موجود ہیں۔ اسلام میں زندگی کا پیش کردہ نقشہ ہی اس قسم کا ہے کہ ترکِ دنیا اور رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ ایک جگہ قرآن شریف میں آتا ہے "تم بہترین امت ہو جسے ہم نے یہ فرض سپرد کیا ہے کہ نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے" ایسا آدمی کیا کسی کو نیکی کا حکم دے سکتا ہے اور برائیوں سے روک سکتا ہے جو دنیا کو چھوڑ کر ایک غار میں جا کر بیٹھ گیا ہو۔ دراصل اسلام کے متعلق یہ خیال کہ اس میں رہبانیت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے چند خانقاہ نشین صوفیوں کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے اول تو یہ اسلام کی صحیح اور مکمل پیروی نہیں۔ پھر انہیں صوفیا میں ایسے حضرات بھی ہیں جو کہ پیہم اور متحرک زندگی کا پیغام دیتے ہیں۔ مثلاً مولانا روم نے مثنوی میں بے عمل زندگی کی انتہائی برائی کی ہے اور فرمایا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کو ہاتھ، پیر، آنکھ وغیرہ اسی لئے دئے کہ ان سے کام لیا جائے ان اعضا کو معطل کر دینا سخت کفرانِ نعمت ہے اور پیدا کرنے والے کی خواہش اور اس کے احکام سے سرتابی ہے۔ پھر اکثر صوفیا جو کسی سبب سے خانہ نشین بھی ہو گئے تھے وہ ہرگز جمود و تعطل کی زندگی نہیں گزارتے تھے بلکہ ہر وقت قوم اور حکومت وقت کی اصلاح میں سعی بلیغ کرتے رہتے تھے، مثال کے طور پر ہم حضرت مجدد الف ثانی اور خواجہ اجمیری کے اسمائے گرامی پیش کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے خدا نے کہیں انہیں یہ حکم نہیں دیا کہ تم ترکِ دنیا کر دو۔ کسی نعمت سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ بلکہ اس نے تو یہ حکم دیا ہے کہ میں نے جو نعمت تم کو بخشی جائے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ خود کھاؤ دوسروں کو کھلاؤ۔ خود پہنو دوسروں کو پہناؤ۔ خزانے کا سانپ بن کر نہ بیٹھو بلکہ غربا پر اور خوش حالی پہنچانے کی کوشش نہ کرو۔ اپنی آسودہ حالی کی وجہ سے مفلسوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو بلکہ اپنی سلامتی کے شکرانے میں اپنے غریب بھائیوں کی حتی المقدور مدد کرو۔ ان کا احترام ملحوظِ خاطر رکھو۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہر لذت اندوزی اور مسرت آفرینی کی اس نے ایک حد مقرر کر دی۔ تاکہ انسان لذتوں میں ایسا نہ ڈوب جائے کہ خدا ہی کو بھلا دے۔ حلال و حرام میں تمیز نہ کرے۔ بے خودی میں خدا بننے کی کوشش کرنے لگے اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ حدود مقرر نہ ہوں تو بے مہار زندگی سے ایسی ابتری پھیلے کہ ہر شخص کی زندگی وبال ہو کر رہ جائے۔

اب حصولِ مسرت کے سلسلے میں جو دوسرا گروہ ہے اس کا خیال ہے کہ اس دنیا کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ ساری کائنات خود بخود پیدا ہو گئی ہے۔ ہماری زندگی اسی دنیا میں ختم ہو جاتی ہے اس دنیا کے اعمال کا کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔ خوشی و غم۔ راحت و تکلیف۔ کامرانی و ناکامی اسی دنیا پر منحصر ہے اس لئے ہمیں اسی دنیا کی نعمتوں میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ مل جائے۔ مال و دولت، عز و جاہ وغیرہ ان کی منزلِ مقصود ہے اس کم قدر تصورِ حیات کی وجہ سے بہت سی قباحتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس دنیا کی زندگی بڑی مختصر اور ناپائیدار ہے اس لئے ہر وہ شخص جو حیات بعد الموت میں اعتقاد نہیں رکھتا حصولِ نعمت کے معاملے میں بڑا بد حواس ہو جاتا ہے اور انتہائی بے قراری سے یہ کوشش کرتا ہے کہ جو مل سکے جلد از جلد حاصل کر لے۔ اس بد حواسی میں جائز و ناجائز کا بھی خیال نہیں کرتا۔ جوا۔ سود خواری۔ چور بازاری۔ عصمت فروشی، چوری وغیرہ اس کے نزدیک جائز ہو جاتی ہیں وہ صرف مقصد پر نظر رکھتا ہے ذرائع و وسائل کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے مطمئن اور سیر نہیں ہوتا

اس کی حرص و آز اس کو ہمیشہ بے قرار رکھتی ہے اور وہ کامیاب ہو کر بھی ناکام ہی رہتا ہے قرآن کریم نے ایسے لوگوں کے متعلق صحیح فرمایا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان حریص لوگوں کو آسیب کا اثر ہو گیا ہو کہ کسی پہلو سکون میسّر نہیں۔ دوسری قباحت اس ضمن میں یہ آپڑتی ہے کہ حصولِ مسرت کے معاملے انسانی خواہشات کو اعتدال پہ کون رکھے۔ یہاں ہر شخص کا خیر و شر کا پیمانہ اپنا علیحدہ ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی فرد اور کوئی قوم نقطۂ اعتدال پر نہیں ٹھہر سکتی ہر فرد اور ہر قوم اپنی خواہشات کی تکمیل کے درپے ہے اس کے نزدیک دوسرے افراد اور اقوام جہنم میں جائیں بلکہ افراد و اقوام آپس میں ایک دوسرے کا شکار کرتے ہیں اور دوسروں کو اپنی تکمیل خواہش کا آلۂ کار بناتے ہیں۔ ان کو غلام بنا لیتے ہیں۔ ان کی عزت و عصمت کو برباد کر ڈالتے ہیں ان کی دولت اور سرمائے کو غصب کر لینا جائز تصور کرتے ہیں۔ کوئی کسی کی فریاد سننے کے لئے تیار نہیں۔ چنانچہ آج کل آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ جہاں دولت جمع کرنے، آزاد تجارت کرنے اور دوسرے معاملات میں مسابقت کی عام اجازت ہے وہاں آگے بڑھنے اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے انتہائی شرمناک طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ مثلاً میں امریکہ کی تجارتی انجمنوں کے متعلق انگریزی اخبار میں ایک مضمون پڑھ رہا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ یہ تجارتی انجمنیں اپنے ملازمین کی بیویوں کو بھی مجبور کرتی ہیں کہ وہ بڑے بڑے خریداروں کو خوش کرنے کے لئے ان کے ساتھ رقص کریں اور ان کو مستقل گاہک بنانے کے لئے دوسرے ذرائع استعمال کریں۔ یہ تو ایک معمولی سی مثال تھی سینکڑوں اس سے زیادہ شرمناک اور ظالمانہ مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ دوسری طرف جہاں تجارت آزاد نہیں ہے اور ساری تجارت حکومت کے ہاتھ میں ہے وہاں دوسری قسم کے مظالم توڑے جاتے ہیں۔ مثلاً فرد کی آزادی بالکل ختم کر دی جاتی ہے۔ تمام ضروریات زندگی حکومت کے قبضے میں آجاتی ہیں پھر کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ باوجود انتہائی مظالم کے کوئی حکومت پر اعتراض کر سکے۔

تیسری خرابی اس سلسلے میں یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ ایسے معاشرے سے جہاں حصولِ مسرّت اور لذت اندوزی پر کسی فطرت مافوق کی کڑی نگرانی نہ ہو اور ہر شخص کے خیر و شر کا پیمانہ الگ ہو اخلاقیات پر تباہی آجاتی ہے۔ بلکہ اخلاق کا تصور ہی سرے سے ختم ہو جاتا ہے چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ جیسے جیسے حصولِ مسرت کے ذ... ہم آزاد ہو رہے ہیں ویسے ویسے بداخلاقی کی تباہ کاریاں بڑھتی جا رہی ہیں اور نہایت تیزی سے دنیا کو لپیٹ میں لے رہی ہیں اس خطرے کو امینوئل کانٹ نے صحیح طریقے پر سمجھ لیا تھا۔ اور اس نے اپنی تحریروں میں بارہا یہ لکھا ہے کہ زندگی میں توازن اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اخلاق کا وجود ناگزیر ہے اور اخلاقیات میں پائیداری اور وزن پیدا کرنے کے لئے تصور خدا اور اعتقادات حیات بعد الموت نہایت ضروری چیزیں ہیں اس لئے کہ بغیر ان تصورات کے ہم اپنے اخلاقی قوانین میں استحکام پیدا نہیں کر سکتے۔ کوئی دنیاوی سیاسی اقتدار اعلیٰ اخلاقی قوانین کا نفاذ خاطر خواہ طریقے پر نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے ہمیشہ مافوقی اعتقادات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ تصور خدا اور حیات بعد الموت کی گرفت ڈھیلی پڑ جانے کی وجہ سے جو اخلاقی تباہی کا سیلاب امنڈ آیا ہے اس کا بیان تحصیل حاصل ہے۔

نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مسرت اسی معاشرے میں صحیح طور پر حاصل کی جا سکتی ہے اور اس سے بدرجہ اتم لطف اٹھایا جا سکتا ہے جہاں اخلاق کا جنازہ نہ نکل گیا ہو اور لوگوں کے اعمال کی نگرانی کسی مافوقی طاقت کا تصور اور اعتقاد کرتا ہو ان کی خواہشات کو اعتدال پر رکھنے کے لئے اس مافوقی طاقت کی طرف سے کچھ اصول و ضوابط مقرر کر دئے گئے ہوں۔ لوگوں کو یہ خیال رہے کہ اگر ہم نے اپنے جرائم کو سیاسی اقتدار اعلیٰ اور سماج کی آنکھوں سے چھپا بھی لیا تو ایک ایسی ہمہ بیں اور ہمہ داں طاقت موجود ہے جو ہمیں بہرصورت دیکھ لے گی اور اگر اس دنیا میں ہم تعزیر... رسوائی سے بچ بھی گئے تو دوسری دنیا میں ہم ضرور اپنے کیفر کردار کو پہونچیں گے، وہاں ہمیں نہ دولت بچا سکے گی نہ طاقت۔ وہاں نہ کوئی سفارش چلے گی اور نہ کوئی ہمدردی کام دے گی۔ وہاں بالکل صحیح صحیح فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور حقدار کو اس کا واجبی حق دلا دیا جائے گا۔ اس تصور کا

ساتھ ہی انسانی معاشرے میں سکون اور مسرت کا حصول ممکن ہے ورنہ تو یہی ہوگا کہ کسی ایک پہلو میں مسرت حاصل بھی ہوئی تو دس پہلی قباحتیں اور پریشانیوں کے پیدا ہو جائیں گے۔ ہمہ گیر مسرت و سکون۔ زندگی میں توازن۔ معاشرت میں اعتدال یعنی ایک قادر مطلق خدا کے تصور سے ہی وابستہ ہے۔ آئندہ ہم حصولِ مسرت کے کچھ ذرائع اور وسائل سے بحث کریں گے۔

بنیادی طور پر ہم خوشی کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ یعنی روحانی یا ذہنی خوشی اور جسمانی یا دل کی خوشی یا وہ خوشی جو مادی چیزیں حاصل کرکے محسوس ہوتی ہے لیکن یہ دونوں قسم کی مسرتیں اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں جب کہ انسان نے حصول مسرت کے راستے میں کچھ مشکلات کا سامنا کیا ہو۔ پریشانیاں اُٹھائی ہوں اور اس دوران میں کامیابی اور ناکامیابی دونوں مشتبہ رہی ہوں۔ بقول رسل کے غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ کامیابی حاصل کرکے بھی بھرپور مسرت حاصل نہیں کر پاتے جو اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ اعتماد رکھتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کے اندازے کے بارے میں مبالغہ سے کام لینے کے عادی ہوتے ہیں[1]۔ اس کے برخلاف جو شخص اس بارے میں انکسار اور عاجزی کا عادی ہوتا ہے اس کو ہر کامیابی خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو ایک خوشی کا سرچشمہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح خود اعتماد آدمی ذرا سی ناکامی سے گھبرا جاتا ہے اور بہت جلدی مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے لیکن منکسر المزاج اور خاکسار طبیعت کا مالک بڑی سی بڑی ناکامی سے نہیں گھبراتا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ نہ تو آدمی اتنا مغرور اور خود اعتماد ہو کہ بڑی سے بڑی خوشی کا صحیح لطف حاصل نہ ہو سکے اور ذرا سی ناکامی سے مایوس ہو جائے اور نہ اس قدر اپنے آپ کو کم مایہ اور بے قدر خیال کرے کہ کسی بڑے کام کی طرف اقدام ہی نہ کر سکے یہاں بھی رسول کریم کا یہ قول ہی بہترین ثابت ہوتا ہے کہ بہترین راستہ درمیان کا راستہ ہے میانہ روی ہر جگہ کامرانی اور مسرت کی ضامن ہوتی ہے۔

خوشی کی سب سے بڑی قاتل بیکاری ہے ہمارے بہت سے نوجوان اس لئے بھی خوشی سے محروم ہو جاتے ہیں کہ ان کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق کام نہیں مل پاتا۔ ڈاکٹری کے لئے موزوں ہیں تو کلرکی کرنی پڑتی ہے۔ کامیاب وکیل بن سکتے ہیں لیکن کاروبار کرنے کے لئے مجبور ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ لوگ بھی کام کرنے کی خوشی سے محروم نہیں اور بیکاری کی بلا سے محفوظ رہتے ہیں۔ آج کل عموماً لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مشین سے کام کرنے میں کوئی خوشی محسوس نہیں ہوتی۔ پہلے زمانے میں لوگ تمام کام ہاتھ سے کیا کرتے تھے تو انہیں اپنے کام میں ایک فنکار کی سی خوشی حاصل ہوتی تھی لیکن رسل اور ایوربیٹ دونوں اس کے قائل نہیں ان کا خیال ہے کہ مشین سے کام کرنے والے کو بھی اگر اپنے کام سے شغف ہے تو وہ بھی اپنے کام میں رنگینی اور لطافتیں پیدا کرکے ایک فنکار کی سی خوشی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن شرط صرف یہ ہے کہ کوئی ایسا کام اختیار کرنے پر وہ مجبور نہ ہو گیا ہو جس سے اس کی طبیعت کو بالکل مناسبت نہ ہو اور روزی کمانے کی مجبوری سے اس کو وہ کام اختیار کرنا پڑا ہو ان دونوں کا یہ بھی خیال ہے کہ کوشش کرکے کسی کام سے دلچسپی پیدا بھی کی جا سکتی ہے اور بہتر یہی ہے کہ جس کام کے کرنے کے لئے آدمی مجبور ہو گیا ہو اس میں آہستہ آہستہ دلچسپی بھی پیدا کرے اس طرح وہ بہت بڑی حد تک کام کرنے کی اکتاہٹ سے محفوظ ہو جائے گا اور کام کرنے سے تکان بھی محسوس نہیں کرے گا۔ بقول رسل کے تعاون۔ دوستی اور ہم مشربی کی فضا مسرت حاصل کرنے کے لئے بہت ضروری ہے اور تینوں چیزیں ایک فیکٹری میں کام کرنے والے کو بڑی حد تک میسر آ جاتی ہیں اس لئے فیکٹری کی زندگی سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل لوگ دیہات کی تنہائی کی فضا سے گھبرا کر شہر کی پررونق زندگی کی طرف زیادہ مائل معلوم ہوتے ہیں اور دنیا کی آبادی شہروں میں مرتکز ہوتی چلی جا رہی ہے۔ شہر میں آکر انسان گونا گوں

---

[1] The Conquest of Happiness — RUSSELL

مصروفیات اور دل چسپیوں میں کھو جاتا ہے۔

خوشی کی ایک اعلیٰ اور مفید قسم (دین دونیا دونوں کے لحاظ سے) یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کی خو
میں شریک ہونا سیکھے بلکہ خود زیادہ سے زیادہ لوگوں کی مسرت کا باعث بن سکے۔ اپنی ذات سے انتہائی دل چسپی فطرتی طور پر ہر شخص کو ہوتی ہے
لیکن دوسرے لوگوں میں دل چسپی پیدا کرنے کے لئے تھوڑی سی کوشش کرنی پڑتی ہے جو شخص دوسرے لوگوں کی زندگی میں دل چسپی لیتا ہے تو ر
طور پر دوسرے لوگ اس کی زندگی میں دل چسپی لینا شروع کر دیتے ہیں اور اس کی خوشی و غم میں برابر کے شریک رہتے ہیں اور یہ ایک انسان ک
بڑی خوش قسمتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کی خوشی و غم میں شریک ہونے کے لئے تیار رہیں۔ ایسا شخص دنیا میں کبھی تنہا نہیں رہ سک
خدا کے یہاں اس کو جو اس کا اجر ملے گا وہ اس کے علاوہ ہے ایسے شخص [illegible] ناشکر گزاری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیوں کہ اس نے جس شخص
بھی خدمت کی ہوگی بے لوث کی ہوگی اس کی اپنی کوئی غرض وابستہ نہیں ہوگی اس بنا پر شکر گزاری اور ناشکر گزاری کا اس کے لئے سوال ہی پیدا نہ
ہوتا۔ البتہ ایسے لوگ ناسپاس گزاری کی وجہ سے ضرور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں جو کسی کی کوئی خدمت کسی عوض کے لئے کرتے ہیں۔ اپنی تعریف
توصیف کے خواہش مند ہوتے ہیں یا سیاسی طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسے لوگوں کو اکثر اپنی خدمات کا صلہ ان کی خواہش اور توقعات کے مط
نہیں مل پاتا۔ مخلص اور بے لوث آدمی ہمیشہ بہترین ساتھی اور بے مثال دوست ثابت ہوتا ہے وہ دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے او
نتیجہ کے طور پر خود اس کے خوش رہنے کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حصول مسرت کا بڑا اصول یہ ہے کہ ہماری دلچسپیا
زیادہ سے زیادہ وسیع ہوں محدود نہ ہوں دوسرے یہ کہ جس شخص سے واسطہ ہو اس کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کریں سرد مہری سے پیش نہ آ

ماہرالقادری

یادِ رفتگاں

مولانا صبغتہ اللہ شہید انصاری مرحوم و مغفور

متحدہ ہندوستان میں خلافت اور کانگریس کی تحریکیں جب زوروں پر تھیں اُس دور میں مولانا صبغتہ اللہ شہید انصاری فرنگی محلی کا نام بار بار اخبارات میں سے گزرا اس وقت میں انگریزی مڈل اسکول کی پانچویں یا چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ پھر ۱۹۲۲ء میں مولانا مرحوم کے ہفتہ وار اخبار "خدام الحرمین" میں میری نظمیں اور مضامین چھپنے لگے۔ میری مضمون نگاری کا آغاز ہی اس اخبار سے ہوا! برسوں کے اس غائبانہ تعارف کے بعد اُن سے پہلی بار ملاقات جبل پور میں ہوئی، یہ غالباً ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے۔

جبل پور میں مسلم لیگ کی کانفرنس کے ساتھ مشاعرے کا بھی اہتمام تھا مجھے اس میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی، اُن دنوں بلدۂ حیدرآباد میں میرا مستقل طور پر قیام تھا، وہاں سے اٹارسی ہوتا ہوا جبل پور پہونچا، وہ جو کسی نے کہا ہے —— یوں چلے آئیو دِلّی کو بخارا ہو کر —— تو ترتیب کے راستہ کو چھوڑ کر اس طویل راہِ سفر اختیار کرنے میں ناواقفیت کے علاوہ میری مسافرانہ بدحواسی بھی شامل تھی۔ جبل پور کی مشہور "محبوب بیڑی مارکہ کمپنی" کے مالک کی کوٹھی میں باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کو ٹھیرایا گیا۔ شاندار کوٹھی، وسیع لان، آرام دہ فرنیچر، سیٹھ صاحب کے نوکر مہمانوں کے اداشناس، اچھے اور لذیذ کھانے، فراوانی کے ساتھ! ہر طرح کا آرام اور امیرانہ انداز کی خاطر مدارات!

مولانا حسرت موہانی (جو انہی دنوں انگلستان کے سفر سے واپس آئے تھے) مولانا صبغتہ اللہ شہید، الٰہ آباد کے مولوی ظہور احمد ایڈووکیٹ، پٹنہ کے مشہور بیرسٹر اور بہار مسلم لیگ کے روح رواں سید عبدالعزیز جو بعد میں حکومت حیدرآباد دکن میں وزیر عدالت و قانون مقرر ہوئے۔ اور راقم الحروف اس کوٹھی میں مہمان تھے ان بڑے آدمیوں میں ہر اعتبار سے سب چھوٹا میں ہی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میرے ساتھ سب کا برتاؤ عزت و قدرشناسی کا برتاؤ تھا۔ مولانا شہید انصاری مرحوم اس نیازمند سے بڑے تپاک کے ساتھ بغل گیر ہوئے، تین دن اُن کا ساتھ رہا، جلسہ عام میں مرحوم کی پرجوش تقریر بھی سُنی۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ جبل پور کی ملاقات کے بعد مولانا شہید انصاری مرحوم سے دوسری بار ملاقات حیدرآباد دکن میں ہوئی! تقسیم ہند کے بعد اُن سے نیاز حاصل ہونے کی کیا توقع ہوسکتی تھی کہاں لکھنؤ اور کہاں کراچی بیچ بیچ بُعد المشرقین۔ پھر ویزا وغیرہ کی الجھنیں اور پابندیاں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشرقی پاکستان میں اُن سے ملنے کی سبیل پیدا کر دی، مولانا مرحوم جاڑوں میں سال کے سال اپنے صاحبزادے حبیب انصاری اور ان کے بال بچوں سے ملنے کے لئے ڈھاکہ تشریف لایا کرتے تھے، حبیب میاں کی ذات اور اُن کا مکان شعر و ادب کی دلچسپیوں کا مرکز ہے، کئی بار مشاعروں میں شرکت کے لئے ڈھاکہ جانا ہوا اور وہاں مولانا صبغتہ اللہ شہید انصاری مرحوم کے ساتھ ملنا جلنا، کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا رہا اُن سے آخری ملاقات پچھلے سال ہوئی تھی اور آہ! کہ اب ایک برس بعد ۱۹۶۵ء میں اُن کے نام کے ساتھ "مرحوم" لکھنا پڑ رہا ہے۔ اس عالم

آب وگل اور دنیائے فانی میں جل چلاؤ لگا ہوا ہے سہ آج وہ کل ہماری باری ہے !

مولانا مرحوم کئی سال سے بلڈ پریشر کے مریض تھے، ڈھاکہ جاتے ہوئے کلکتہ میں اُن کی طبیعت بگڑی اور ذرا سی دیر میں حالت اتنی نازک ہوگئی کہ ڈھاکہ کا سفر جاری رکھنے کی بجائے کلکتہ کے اسلامیہ ہسپتال میں انہیں پہونچا دیا گیا، وہاں دو دن دو رات مسلسل غشی طاری رہی اور اسی عالم میں وہ اللہ کو پیارے ہوگئے ! ۲۵ ر دسمبر کو کلکتہ سے میت ریل کے ذریعہ لکھنؤ لائی گئی اور ہزاروں مسلمانوں نے جنازہ کی نماز پڑھی جن میں سُنّی علماء کے علاوہ شیعہ علماء اور مجتہدین بھی نمازیوں کی صف میں موجود تھے، سوگواروں اور تعزیت کرنے والوں میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو بھی شامل تھے، مغربی بنگال کے گورنر نے بھی تعزیت کا پیام بھیجا۔

مولانا صبغۃ اللہ شہید انصاری فرنگی محل کے مشہور علمی و دینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، عربی کے عالم، اردو کے شاعر و مضمون نگار اور شعلہ بیان خطیب ! عربی کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا، انجمن خدام کعبہ، خلافت کمیٹی، کانگریس، خدام الحرمین، جمعیۃ علما اور مسلم لیگ کے پرجوش کارکن بلکہ لیڈر رہے اور آغازِ شباب ہی سے سیاسی، قومی اور دینی تحریکوں سے وابستہ ہوگئے، علی برادران، مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا حسرت موہانی جیسی مشہور و محترم شخصیتوں کے ساتھ سیاسی اور دینی تحریکوں میں کام کرنے کا شرف حاصل ہوا، تقریر و خطابت اُن کا سب سے زیادہ نمایاں وصف تھا ! تقریر کا انداز و اسلوب ہی نہیں لب و لہجہ بھی مخصوص تھا ! خاص طور سے سیرت النبیؐ پر بولتے تو سننے والوں کو رُلا رُلا دیتے ! سرکارِ دو عالم، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے قابلِ رشک عقیدت و محبت تھی !

مولانا مرحوم بڑے ہنس مکھ، بذلہ سنج اور باغ و بہار آدمی تھے، شاعری تو اُن کی گھٹی میں پڑی تھی، اچھا شعر سُن کر والہانہ انداز میں داد دیتے۔ افسوس ہے کہ اُن کے داد دینے کے انداز کی نقل اُتارنے والے شوکت تھانوی بھی اس دنیا میں نہیں رہے۔

"فاران" ان کم سواد ایڈیٹر کے قدر شناس ! فاران کا "توحید نمبر" بڑے شوق سے منگایا اور اُسے پسند کیا ! حالانکہ بریلی، بدایوں اور فرنگی محل کے مشائخ و علماء "توحید نمبر" پڑھ کر خوش نہیں ہو سکتے۔ پچھلے سال کئی خط بھی راقم الحروف کو لکھے، خط کی عبارت بہت مختصر ہوتی، بہت سے بہت چار پانچ سطریں بس ضرورت اور کام کی بات ! ریڈیو سے میری غزل سُن کر خط لکھا کہ تمہارے اس شعر۔

گرفتارِ محبت پہ خدا رحم کرے
آج اس شخص کی پہلی شبِ تنہائی ہے

میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "اس شخص" کی جگہ "کم بخت" ہونا چاہئے میں نے جواب میں عرض کیا کہ "اس شخص" کو نکال دیا گیا تو شعر کا سارا لطف ہی جاتا رہے گا۔

مولانا صبغۃ اللہ شہید انصاری مرحوم اس دنیا سے کیا گئے اپنے ساتھ دین و اخلاق اور شرافت و انسانیت کی بہت سی روایتیں بھی لے گئے، لکھنؤ کا نام آتے ہی اُن کی شخصیت ضرور نگاہوں کے سامنے آجاتی تھی، اللہ تعالیٰ آخرت میں ابرار و صلحا کی معیت و رفاقت انہیں نصیب فرمائے (آمین)

ظریف دہلوی مرحوم

ماہنامہ "ساقی" (دہلی) میں ظریف دہلوی کے مضامین چھپتے رہتے تھے، اسی واسطے سے اُن سے غائبانہ تعارف تھا۔ ۱۹۴۰ء میں میرا

دلی آنا ہوا تو میرے بے تکلف دوست صابر دہلوی (مرحوم) نے پہلی ملاقات میں چھوٹتے ہی کہا کہ ماہرؔ! ایک شخص حسنِ اتفاق سے ہاتھ آگیا ہے، خود شاعر ہے، شاعروں کا قدر دان بھی ہے اور مشاعروں میں جانے کا تو اُسے وہ شوق اور چسکا ہے کہ کوئی حد و نہایت نہیں! تم ظریفؔ دہلوی کے نام سے ضرور واقف ہوگے، تمہاری دعوت اُن کے یہاں پکّی ہے! اس گفتگو کے دوسرے دن ظریفؔ صاحب سے اُردو بازار میں ملنا ہوا دیکھتے ہی لپٹ گئے اور فرمایا کہ میرے یہاں دعوت کھائے بغیر آپ دلّی سے جا نہیں سکتے! پھر اُن کے یہاں دعوت ہوئی، کوچہ چیلان میں آصف علی مرحوم کے مکان سے قریب اُن کا نو تعمیر مکان کیا اچھی خاصی کوٹھی تھی! ایک دو ملاقاتوں ہی میں ہم ایسے بے تکلف ہوگئے، جیسے لنگوٹیا یار ہیں! پھر کچھ دنوں کے بعد کراچی کا مشاعرہ نکل آیا میں نے کہا کہ بھئی! راستہ میں اترتے اور سیر کرتے کراچی چلیں گے!

شاعروں کے اس قافلہ میں تین ساتھی تھے، صابر دہلوی، ظریفؔ دہلوی اور راقم الحروف! پہلے ہم لاہور اترے، دن بھر سیر کی، رات کی ریل گاڑی سے چل کر سکھر پہونچے، وہاں دریائے سندھ کا مشہور "بند" (بیریج) دیکھا، سکھر میں یہ لطیفہ پیش آیا کہ روہڑی ریلوے اسٹیشن سے سکھر بیریج جانے کے لئے تانگہ کیا تو تانگہ والے نے سرکس کے گیٹ پر جا کر ہمیں اُتار دیا! سکھر سے روانہ ہو کر یہ قافلہ حیدرآباد (سندھ) اُترا اور وہاں سے چل کر کراچی پہونچا کہ یہی منزلِ مقصود تھی! پیر الٰہی بخش صاحب اُن دنوں وزیرِ تعلیم تھے انہوں نے اپنی کوٹھی کے قریب ایک دو منزلہ مکان میں شاعروں کے قیام و طعام کا انتظام کیا تھا، بابائے اُردو مولوی عبد الحق، پیر صاحب کی کوٹھی میں ٹھیرے، مولوی صاحب ہی کے ایما و پر ہم نے کراچی کا دُور دراز سفر اختیار کیا تھا! ہم تین کے علاوہ خمار بارہ بنکوی بھی شاعروں کی اس "چوکڑی" میں شامل ہوگئے، کئی دن خوب لُطف رہا! ظریفؔ دہلوی مرحوم عمر میں بہت بڑے تھے مگر ہر لطف و رنگینی میں برابر کے شریک! وہ بوڑھے تھے لیکن دل جوان تھا! طبیعت بڑی ملنسار پائی تھی، پورے سفر میں اُن کی کسی بات سے کسی ساتھی کو کوئی شکایت نہیں ہوئی!

اس سفر کے بعد بہت سے مشاعروں میں اُن کا ساتھ رہا، ہندوستان تقسیم ہوا تو ظریفؔ دہلوی بھی پاکستان چلے آئے اور کراچی کی کسی کمپنی میں معقول مشاہرہ پر ملازم ہوگئے، حساب کتاب (ح ج ٢ ٨ ٨ ٨ ٨ ٨ ٨ ٨ ٨ ٨ ٨) کا انہیں بڑا تجربہ تھا، انگریزی حکومت کے پنشن یافتہ اکاؤنٹنٹ تھے، بڑھاپے میں جوانوں سے زیادہ کام کرتے ۔ ملازمت کے معاملہ میں بڑے فرض شناس، وقت کے پابند اور دیانت دار! انہوں نے کئی بار نوکری سے چھٹکارا بھی چاہا مگر کمپنی والوں نے انہیں نہ چھوڑا دو سال سے وہ خانہ نشین تھے، عمر اسّی سال سے کیا کم ہوگی، مگر شعر و شاعری کی محفلوں میں اس حالت میں بھی شریک ہوتے کہ کانپتے ہاتھوں میں بیاض ہے اور آواز ہے کہ ناتوانی اور پیرانہ ضعف کے سبب ساز کے ٹوٹے ہوئے تار کی طرح جھنجھنا کے رہ جاتی ہے۔

ظریفؔ مرحوم کثیر الاولاد تھے آخری عمر میں اپنی ایک لڑکی کی، بیوگی کا غم دیکھنا پڑا، دوسرا غم بیٹے کا تھا جس نے بمبئی میں کسی گانے والی سے شادی کرلی اور وہیں کا ہو رہا، بوڑھا باپ جوان بیٹے کی صورت دیکھنے کو ترس گیا اور مرتے دم تک ترستا رہا۔

"فاران" بڑے شوق و دلچسپی کے ساتھ پڑھتے، میں نے اُن کے خط محفوظ نہیں رکھے ورنہ انہیں یکجا کر دیا جاتا تو راقم الحروف کے مناقب کا ایک کتابچہ تو ضرور بن جاتا! کبھی کبھار زبان و بیان کی غلطی پر مجھے ٹوک بھی دیتے! دلّی کے اُس محلہ کے رہنے والے تھے جو علم و فضل کا مرکز رہا ہے، زبان کی نزاکتوں پر بڑی گہری نظر رکھتی، شاعری تو اُن کا اصل رنگ اور سرمایہ حیات ہی تھا مگر نثر نگاری میں بھی بڑے مشاق تھے!

اُردو کے مزاح نگار شاعروں میں ظریفؔ دہلوی ممتاز مقام رکھتے تھے فکر و خیال میں ندرت و شوخی اور اظہار و بیان میں پختگی! زبان کا رچاؤ سونے پر سہاگا! نظم و غزل، قطعہ اور رباعی سبھی کچھ کہتے، غالبؔ کی غزلوں پر اُن کی "تضمینیں" بہت خوب تھیں، جس مشاعرے اور

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

شعلہ و شبنم

منظر کلیمی

راہ میں تیری مسافر! کوئی حائل تو نہیں
کیوں یہاں ٹھہر گیا یہ تری منزل تو نہیں

ساتھیو! موڑ لو ہاں، موڑ لو رخ کشتی کا
ڈوب جاؤ گے یہ طوفان ہے ساحل تو نہیں

نظارۂ جمال کی حسرت کے ساتھ ساتھ
نظارۂ جمال کا کچھ حوصلہ بھی ہو

تجھ سا کوئی جہان میں دیکھا نہیں گیا
تجھ سا کوئی جہان میں پیدا ہوا بھی ہو

اب ہم ہیں اور کوئے محبت کی ذلتیں
جائیں کدھر غریب کوئی راستا بھی ہو

سوز ککراوی

کہاں کا جام کس کی آرزو کیا مے کشی ساقی
ترستی ہے ابھی تو زندگی کو زندگی ساقی

تم نے جب سے نگاہ پھیری ہے
خیریت پوچھتے ہیں بیگانے

ہو سکے تم سے تو خود کوئی مداوا کر دو
ساری دنیا سے مرا حال پریشاں نہ کہو

یہ تمہاری ہی محبت میں ہوئے ہیں برباد
ان غریبوں کو خرابِ غمِ دوراں نہ کہو

میں نے ہر دور میں دیکھی ہے دہکتی ہوئی آگ
تم مرے سامنے رودادِ بہاراں نہ کہو

خار و خس بھی تو ہیں پروردۂ آغوشِ بہار
صرف پھولوں کے تصور کو گلستاں نہ کہو

ہم نے تو وقت کو گزارا ہے
وقت کے ساتھ ہم کہاں گزرے

ماہر القادری

میری قسمت سے توجہ پر جو مائل ہو گئیں
وہ نگاہیں اور قاتل اور قاتل ہو گئیں

اس قدر آشفتہ منظر اس پہ یہ رعنائیاں
کیا مری حیرانیاں جلووں میں شامل ہو گئیں

مشکلیں جب تک رہیں ذوقِ سفر تازہ رہا
کیا کروں آسانیاں رستے میں حائل ہو گئیں

آئیے مشقِ خرامِ ناز کا وقت آ گیا
حسرتیں پامال ہو جانے کے قابل ہو گئیں

پرسشِ احوال کا اے دوست! پھر بھی شکریہ
اُلجھنیں کچھ اور نازک اور مشکل ہو گئیں

مجھ کو ماہرؔ عشق کی خودداریوں پر ناز ہے
اور اگر یہ بھی شریکِ رنگِ محفل ہو گئیں

ہماری نظر میں

روح تصوف تالیف عربی ــــ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شرح اردو:۔ مفتی مولانا محمد شفیع۔ ضخامت ۱۹۲ صفحات (مجلد، رنگین گرد پوش) قیمت تین روپے ۶۵ پیسے، ملنے کا پتہ:۔ دار الاشاعت مولوی مسافر خانہ۔ کراچی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے صحابہ کرام، تابعین عظام اور صوفیا کرام کے مختصر حالات اور منتخب اقوال ایک مستقل مجموعہ میں جمع فرمائے تھے، یہ مجموعہ دراصل رسالہ قشیریہ اور طبقات شعرانی کا ایمان افروز انتخاب تھا۔ رسالہ ہذا عربی زبان میں تھا۔ اس لئے اُردو جاننے والوں کے استفادہ کی خاطر حضرت حکیم الامت کے ایماء سے مفتی محمد شفیع مدظلہٗ نے اس کا اردو ترجمہ اور شرح کی، مفتی صاحب موصوف نے دیباچہ میں لکھا ہے

"ترجمہ میں بغرض افادہ عوام احقر نے تحت اللفظ ترجمہ کو چھوڑ کر خلاصہ مطلب پر اکتفا کیا ہے ــــ ۲۰ محرم ۱۳۵۵ھ"

اس کتاب میں صوفیائے کرام کے جو اقوال جمع کئے گئے ہیں وہ اخلاق و احسان کی روح اور تزکیہ نفس کی جان ہیں ان کے مطالعہ سے زخارف دنیوی سے بے رغبتی، ہوائے نفس سے بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ اور تعلق باللہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا ہے!

چند اقوال:۔

- ــــ وہ آدمی آخرت کی حلاوت نہیں پا سکتا جو اس کا خواہش مند ہو کہ لوگ مجھے پہچانیں (حضرت بشر حافیؒ)
- ــــ حضرت ابو عثمان مغربی (متوفی ۳۷۳ھ) فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کو امیدیں ہی دلاتا رہے وہ بیکار ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنے نفس کو ہمیشہ خوف ہی دلاتا رہے وہ مایوس ہو جاتا ہے اس لئے یوں چاہئے کہ کبھی امید دلائے اور کبھی خوف!
- ــــ اہل طریق کا اس میں اختلاف ہے کہ دعا کرنا افضل ہے یا ساکت اور راضی برضا رہنا، علامہ قشیری نے اس کے متعلق مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک جماعت نے فرمایا بندہ پر یہ واجب ہے کہ زبان سے تو صاحب دعا ہو اور دل سے صاحب رضا تاکہ دعا و رضا کی دونوں فضیلتوں کا جامع ہو جائے۔ (مولانا تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ زبان سے صاحب دعا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ زبان اور دل دونوں[1] سے صاحب دعا ہو نہ یہ کہ صرف زبان سے دعا کرے اور قلب اس سے غافل ہو، کیونکہ غافل دل کے ساتھ دعا کرنے کی حدیث میں مذمت وارد ہوئی ہے۔
- ــــ شریف آدمی جب علم پڑھتا ہے تو متواضع (منکسر مزاج) ہو جاتا ہے اور رذیل علم پڑھ لیتا ہے تو متکبر ہو جاتا ہے (حضرت عبداللہ بن وہب منبہ)
- ــــ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا کہ میری بیوی آپ کو سلام کہتی ہے فرمایا عورتوں کے سلام ہمیں نہ پہونچایا

---

[1] ترجمہ میں یا ہی لکھا ہے۔

کدورت ـــــ گو بعض مواقع پر جائز بھی ہو مگر پوری احتیاط یہی ہے)

● ـــــ حضرت محمد بن سعید وراق کے ارشادات میں سے ہے کہ مکارمِ اخلاق کا تقاضا خطا کی معافی میں یہ ہے کہ جب تم نے اپنے بھائی کا قصور معاف کر دیا تو پھر اس کا کبھی ذکر نہ کرو۔

● ـــــ حضرت ابوالقاسم بن براہیم فرماتے تھے کہ تصوف کی اصل یہ ہے کہ قرآن و حدیث کا التزام خواہشات و بدعات سے اجتناب اور بزرگوں کی تعظیم و تکریم کرے اور مخلوق کے اعذار کو درست سمجھے (یعنی جہاں تک شریعت اجازت دیتی ہو ان مباحات پر ملامت نہ کرے اور جہاں عذر کی گنجائش ہو اُن کے عذر کو قبول کرے) اور اوراد و معمولات پر مداومت کرے اور رخصتوں اور تاویلات کے پیچھے پڑنے سے اجتناب کرے (مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ رُخص پر تاویلات کا عطف، عطف تفسیری ہے، یعنی رُخصتوں سے وہ رخصتیں مراد ہیں جو بتاویل نکالی جائیں، کیوں کہ جن امور میں صراحۃً شریعت نے رخصت دی ہے وہ تو مقاصد شرعیہ میں سے ہے)

صوفیاء کرام کے "خاص احوال و واردات" اور صوفیانہ مصطلحات" کی بجائے اگر ان کے اس قسم کے اقوال و ارشادات" پیش کئے جائیں تو اُن کی افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے! کتاب کے آخر میں "آداب الشیخ والمرید" (شیخ اکبر محی الدین عربیؒ) کا اردو ترجمہ شائع ہے۔

یہ رسالہ (روح تصوف) نفس کے تزکیہ و تہذیب کے لئے بہت مفید اور کار آمد ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو رضاء الٰہی کے مطابق زندگی گزارنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے !

اسلام اور معجزات

از:- علامہ شبیر احمد عثمانی، ضخامت ۱۲۸ صفحات (مجلد) قیمت ایک روپیہ ۵۰ پیسے۔

ملنے کا پتہ:- ادارہ علوم شرعیہ آفندی منزل، آرام باغ کراچی۔

یہ کتاب حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کے دو رسالوں ـــــ اسلام اور معجزات ـــــ پر مشتمل ہے جس میں فاضل مصنف نے کلامی اور سائنٹفک انداز میں "اسلام اور معجزات" سے بحث کی ہے اور ایسے نکتے بیان کئے ہیں جو دل و دماغ اور عقل و ضمیر کو اپیل کرتے ہیں! خاص طور سے خارق عادت، قدرت اور سنت الٰہی کی بحث اگرچہ دقیق ہے مگر عام فہم ہے، حیرت ہے کہ علامہ موصوف انگریزی نہ جاننے کے باوجود بعض مغربی سائنسدانوں اور فلسفیوں کے اقوال و نظریات پر بھی نظر رکھتے تھے ـــــ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نظر سے یہ رسالہ ضرور گزرنا چاہئے کہ اس میں عقلی استدلال کا رنگ غالب ہے اور آج کل ذہن عقلی دلائل کا اثر زیادہ قبول کرتا ہے!

تعبیر کی غلطی

جماعت اسلامی کا جائزہ

از:- وحید الدین خاں۔

ضخامت ۵۲۰ صفحات، قیمت چھ روپے۔

ملنے کا پتہ:- اسلامک بلڈنگ ہاؤس ۶ - بدرقہ اعظم گڑھ (انڈیا)

یہ کتاب ہمارے پاس بہت دنوں سے تبصرہ کے لئے آئی ہوئی رکھی ہے، ایک طرف لکھنے والے کا خلوص اور دردمندی ہے دوسری طرف واقعات و حقائق ہیں۔ ہم متامل رہے کہ اس پر تبصرہ کریں نہ کریں مگر تفکر و تامل کے بعد قلب و ضمیر نے یہی فیصلہ کیا کہ جس غرض و مقصد (تبصرہ) کے لئے کتاب بھیجی گئی ہے اُس کے مدنظر اس پر تبصرہ کیا جائے اور محتاط سے محتاط اور نرم سے نرم لب و لہجہ جو ہمارے امکان میں ہے ملحوظ رکھا جائے!

اس تامل کا سبب یہ تھا کہ ایک شخص ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مزاج و فکر رکھ کر سیاسیات و معاشیات پر گفتگو کرتا ہے، جہاں تک زخارف دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر کا تعلق ہے اس معاملہ میں جتنی بھی شدت برتی جاسکتی ہے اُس کی تقدیس، خلوص اور دردمندی پر کون بدنصیب حرف گیری

کر سکتا ہے، مگر یہ گفتگو اگر ایسا رنگ اختیار کر جائے کہ اُس کے آئینہ میں خلافتِ راشدہ کے انتظامی امور ـــــ سفارت، زکارت نافذ، عسکری تنظیم اور بیت المال کے نظام (وغیرہ) ـــــ پر دنیوی رنگ کی جھلکیاں دکھائی دینے لگیں تو پھر ایک فرض شناس اور خدا ترس نا قد بڑی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لئے کہ لیڈری فکر کا احترام جس قدر ضروری ہے صدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی شئون و احوال کی تائید بلکہ مدافعت و تحسین اُس سے بھی زیادہ ضروری ہے (بلا تشبیہ)

جناب محترم وحید الدین خاں صاحب نے کوئی شک نہیں بڑے اخلاص و دردمندی کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے، اُن کے افکار پر فقر لیڈری کا غلبہ ہے جس کا بہر حال احترام ہی کیا جائے گا مگر جہاں تک دین کے تشریعی احکام کی عملاً تنفیذ اور اسے زندگی کے مختلف شعبوں میں برتنے کا تعلق ہے وحید الدین خاں صاحب کے افکار کو محترم و مقدس ہونے کے باوجود کسی "ربذہ" تک محدود کر دینا ہی مناسب ہوگا۔

اس کتاب کی "تمہید" کے دوسرے صفحہ پر یہ عبارت نگاہ سے گزری :-

> "... اس تعبیر کے تحت پیدا شدہ لٹریچر زبانِ حال سے اور اس کی بعض عبارتیں (مثلاً قرآن کی چند بنیادی اصطلاحیں کا دیباچہ) زبانِ قال سے اس بات کا اعلان ہے کہ اسلاف نے دین کو صحیح شکل میں نہیں سمجھا" (ص ۶)

اسی انداز کا اعتراض امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بھی کیا گیا تھا کہ اُنہوں نے فقہی مسائل کی جس خاص طرز پر تشکیل و تعبیر کی ہے اس میں قیاس و رائے کا غلبہ پایا جاتا ہے! حقیقت یہ ہے کہ اپنے دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر جو ذہین مفکر اور صاحب بصیرت داعی، دین کو "فعال قوت" (ACTIVE ENERGY) کی صورت میں پیش کرے گا اس کے بارے میں بعض ذہنوں میں اسی قسم کے شبہات اُبھریں گے! یہی صورت مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی تحریروں کے ساتھ پیش آ رہی ہے۔

> "... اس طرح یہ تعبیر گویا اپنے پورے وجود کے ساتھ اسلاف کے تصورِ دین کے بارے میں ایک قسم کی بے اعتمادی کا اظہار ہے ...... میری یہ کتاب اسلاف کے اوپر وارد ہونے والے اعتراض کی مدافعت ہے۔ میں اپنے عاجزانہ قول وجود کے ساتھ ان کی طرف سے دفاع کرنے کے لئے اٹھا ہوں" (ص ۲۰۶)

یہ جماعتِ اسلامی کے لٹریچر پر اعتراض ہے حالانکہ جماعت کے لٹریچر میں علمائے متقدمین اور اسلاف کے اقوال اور تحریروں سے جگہ جگہ استدلال کیا گیا ہے جو اُن پر اعتماد کی نمایاں دلیل ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جماعت کے لٹریچر میں اسلاف کو "مُطاع" کی حیثیت نہیں دی گئی کہ یہ منصب صرف ذاتِ رسالت کے لئے مخصوص ہے جہاں اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب رہا دین کے پیش کرنے کا انداز تو پھر اسلامی تاریخ کے ہر دور کے مصنف، مفکر اور عالم پر یہی اعتراض وارد کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اسلاف کے مقابلہ میں جدید قسم کی فکر پیش کی ہے! مثال کے طور پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار اور تحریروں کو دیکھئے انہوں نے معیشت و اقتصاد اور عمرانیات پر جو گفتگو کی ہے وہ انداز، اسلاف کے یہاں کہاں ملتا ہے؟ فقہ، حدیث اور سیاسیات و عمرانیات کی جو فنی بحثیں علمائے کی ہیں صحابہ کرام کے یہاں یہ انداز نہیں پایا جاتا! طرزِ استدلال او انداز بیان کے اس تنوع پر یہ طنز تو نہیں کی جا سکتی کہ "اسلاف کے تصورِ دین کے بارے میں یہ ایک قسم کی بے اعتمادی کا اظہار ہے"۔ دیکھئے کہ خود صاحبِ کلام پر اور لکھنے والے کی کیا فکر ہے فن تاریخ میں ابن خلدون کا مقدمہ پڑھ کر کیا تمام اگلے مورخین پر سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ کہ انہوں نے اس انداز سے فلسفۂ تاریخ پر گفتگو نہیں کی؟ اور سامنے کی بات یہ ہے کہ کئی سال سے حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں رابطہ عالم اسلامی کی کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں اور اُن میں کشمیر و فلسطین تک کے سیاسی مسائل تک زیر بحث آتے ہیں، تو ان کانفرنسوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کیا یہ کانفرنسیں اسلاف کے طرزِ عمل کی مخالف ہیں؟

اور ان اجتماعات پر اس قسم کی تنقید کیا فراستِ مومن کا اچھا نمونہ سمجھی جائے گی کہ ان کانفرنسوں میں نیم سیاسی تقریریں کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے اُسے کعبۃ اللہ کے طواف میں صرف کیا جاتا تھا اور یہ کانفرنسیں فریضۂ حج کی اصل روح اور تعلق باللہ کی کیفیت کو دبا دیتی ہیں !

"..... میرے لئے پورا موقعہ تھا کہ جس طرح جماعت کے دوسرے مقررین اور محررین اس چڑیا خانہ میں اپنی بولیاں بول رہے ہیں، اسی طرح میں بھی اپنی آواز فضا میں نشر کرتا" (ص ۸)

جماعت اسلامی پر "چڑیا خانہ" کی طنز خود تحریر و بیان کی شائستگی و سنجیدگی پر طنز ہے !

ص ۹ پر وحید الدین خاں صاحب فرماتے ہیں :—

"دوسری بات یہ ہے کہ رسالہ زندگی کے ذریعہ میں نے اس حلقہ میں چند سال جو کام کیا ہے اُس نے مجھے اس نتیجہ تک پہونچایا ہے کہ موجودہ حالت میں محض مثبت طور پر کام کرتے رہنے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے اس کی وجہ وہ مخصوص نزاکت ہے جو مولانا مودودی کے لٹریچر نے پیدا کر دی ہے اس لٹریچر کی غلطی عام غلطیوں سے مختلف ہے اُس نے یہ نہیں کیا ہے کہ دین، عقیدہ و عمل کے جس مجموعہ کا نام ہے اُس میں کوئی کمی بیشی کی ہو، وہ سارے دین کو تسلیم کرتا ہے مگر اس مجموعہ کے مختلف اجزاء کی واقعی حیثیت اس کی تشریح سے بدل گئی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ اس سے متاثر افراد بظاہر سب کچھ مانتے ہیں مگر اس "سب کچھ" کو اس طرح نہیں مانتے جس طرح "حقیقتاً" انہیں ماننا چاہیے"۔ (ص ۱۰)

فاضل ناقد جب اس بات کو مانتے ہیں کہ مولانا مودودی کے لٹریچر نے دین کے مجموعہ عقیدہ و عمل میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی تو پھر ان کی تشریح پر یہ الزام کہ اس سے دین کے مختلف اجزاء کی واقعی حیثیت بدل گئی ہے۔ خاصہ تحقیق طلب ہے ! اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل ہے اور اُس شخص کے حصہ میں کتنی بڑی سعادت آتی ہے کہ وہ ہزاروں صفحوں کا دینی لٹریچر پیش کرتا ہے اور اس قدر شرح و اطناب کے باوجود دین کے مجموعہ عقیدہ و عمل میں اُس کا قلم سے کسی قسم کی کمی بیشی کا ارتکاب نہیں ہوتا ——— ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء ! اس صورت میں اُس شخص (مولانا مودودی) کی تشریح پر یہ الزام کہ اُس سے دین کے مختلف اجزاء کی واقعی حیثیت بدل گئی ہے، عجیب الجھا ہوا الزام ہے ! کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ خود ناقد کے ذہن و فکر میں اس قسم کا الجھاؤ ہو کہ جس کے سبب مولانا مودودی کی "تشریح" میں انہیں "مخصوص نزاکت" دکھائی دیتی ہے ——— پھر یہ فرمانا :—

"نتیجہ یہ ہے کہ اس سے متاثر افراد بظاہر سب کچھ مانتے ہیں مگر اس سب "کچھ" کو اس طرح نہیں مانتے جس طرح حقیقتاً انہیں ماننا چاہیے"

جماعت اسلامی کے وابستگان و متاثرین کے "یقین و ایمان" پر طنز نہیں براہ راست چوٹ ہے ! یعنی دین کی قدروں اور اجزاء پر اُن کا ایمان "بظاہر" جو ہے وہ "بہ باطن" نہیں ہے ! اور وہ شدید قسم کے نفاق اور ظاہر و باطن کی دورنگی میں مبتلا ہیں، راقم الحروف تو ان لفظوں کا یہی مفہوم سمجھتا ہے ! ——— اور سنئے :—

"مجھے یہ خوش فہمی نہیں ہے کہ اس طرح تنقید ہو جانے کے بعد ایک طرف سے جماعت کے تمام لوگ اپنے خیالات سے توبہ کر کے دوسری فکر کو قبول کر لیں گے" (ص ۱۲)

اصل میں توبہ "گناہ" سے کی جاتی ہے اور عقائد میں ضلالت سے ! تو محترم وحید الدین خاں صاحب جماعت اسلامی سے تعلق و وابستگی رکھنے والوں کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ مولانا مودودی کے لٹریچر نے یا تو انہیں عملاً "گنہگار" بنا دیا ہے یا فکر و عقیدہ کی "ضلالت" میں مبتلا کر

یا ہے، جس سے انہیں توبہ کرنی چاہئے ! مگر یہ الزامات کتنے سنگین اور کس قدر اذیت کوش ہیں !

صاحب موصوف کو جماعت سے جو شکایت واختلاف ہے اور جس کے سبب وہ برسوں جماعت سے وابستہ ہو کر اس سے علیحدہ ہوئے ہیں۔
ن کا خلاصہ اور لب لباب خود انہیں کے لفظوں میں یہ ہے :۔

"قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز خدا سے تعلق پیدا کرنا ہے اور آخرت کے عذاب سے ڈرنے کا مسئلہ ہے
اسی کو ہمیں اپنانا ہے اور اسی کی طرف اہلِ دنیا کو بلانا ہے مگر اس فکر نے آخرت اور تعلق باللہ کی بات کو
تربیت کی بات بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس کا تشریح کے خانے میں یہ چیزیں ایسی حیثیت اختیار کر گئی ہیں گویا یہ کارکن
تیار کرنے کی تربیتی بنیادیں ہیں نہ کہ یہی اصل بات ہے جس کے لئے ہمیں متحرک ہونا ہے، اصل مسئلہ دنیا میں انقلاب
برپا کرنے کا مسئلہ ہے اور آخرت کا خوف اور اس طرح کی چیزیں اس لئے ہیں تاکہ جو لوگ انقلاب عالم کے اس
پروگرام کے لئے اٹھیں یا انقلاب کے بعد نظام دنیا کو سنبھالیں ان میں تنقید کی لگن اور کردار پیدا ہو" (ص ۱۰)

ارکان دین (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کی پابندی اور اسلامی اخلاق کی قدروں کے امکانی احترام کے ساتھ کوئی فرد یا جماعت اس کے
ٔ جدوجہد کرتی ہے کہ اللہ اور رسول کے اجتماعی احکام عملاً نافذ ہو کر نظام دین متشکل اور برپا ہو ـــ تو کیا اس جدوجہد اور تصور و فکر کو
ق باللہ اور خوفِ آخرت سے عاری سمجھا جائے گا ؟ ایک شخص دینی درسگاہ قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرتا ہے، کیا اس کی اس کوشش پر یہ طنز
جا سکتی ہے کہ شخص مذکور تعلق باللہ اور خوفِ آخرت کی بجائے قرطاس و قلم اور کتابوں کی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے ! حالانکہ حقیقت حال یہ ہے
دینی درسگاہ کے قیام کے تصور میں تعلق باللہ بھی شامل ہے اور خوفِ آخرت بھی ! ورنہ وہ شخص کسی آرٹ سرکل اور فلم اسٹوڈیو کے لئے بھی جدو
جہد کر سکتا تھا ـــ ایک شخص آخرت کے خوف کے سبب شراب پینے سے باز رہتا ہے دوسرا آدمی شراب بھی نہیں پیتا اور ساتھ ہی معاشرے
ں ایک ایسے انقلاب کے لئے جدوجہد کرتا ہے کہ قانونی طور پر شراب پینا ممنوع قرار دے دیا جائے ـــ انصاف سے بتایئے کہ اس
جدوجہد کو کیا تعلق باللہ اور خوفِ آخرت سے غیر متعلق سمجھا جائے گا ؟

معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا عبارت لکھنے کے بعد فاضل ناقد کے ضمیر نے چٹکی لی ہے، جس کے نتیجہ میں اُن کے قلم سے ذیلی حاشیہ میں یہ عبارت
نکل آئی :ـــ

"اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جماعت کے لوگ آخرت کی کامیابی کے بجائے دنیا میں کامیاب ہونے کو اپنا
حقیقی مقصد بنائے ہوئے ہیں ان کا حقیقی مقصد تو بلاشبہ آخرت ہی کی کامیابی ہے مگر آخرت کے مقصد کو حاصل
کرنے کے لئے دنیا میں کیا کرنا ہے اس کے متعلق ان کا تصور غلط ہو گیا ہے، ایک شخص اگر یہ نظریہ قائم کرلے کہ دنیا
کی مادی قوتوں کی تسخیر آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے یہ سوچ کر وہ اس کے لئے کام کرنا شروع کر دے تو اس کے
بارے میں یہی کہا جائے گا کہ اصل مقصد کی حیثیت سے تو بے شک اس نے آخرت میں خدا کی ہی رضا کو اپنے سامنے
رکھا ہے مگر اس رضا کو حاصل کرنے کی کیا صورت ہو دوسرے لفظوں میں، دنیا میں ہم کیا پانے کی کوشش کریں تاکہ
آخرت میں ہم خدا کو پا سکیں، اس کے متعلق اس کا تصور بدل گیا ہے" (ص ۱۰)

اس نقد و احتساب کا صحیح ہدف اور مصداق یا تو کفار ہیں کہ جو ایمان و یقین کے بغیر صرف مادی قوتوں کی تسخیر ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں یا پھر

وہ مسلمان ہیں جو ارکانِ دین کی پابندی سے بے نیاز ہو کر اور اسلامی اخلاق کو پس پشت ڈال کر مادی قوتوں کی تسخیر کو دین و دنیا کی کامیابی کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہیں مگر جو خدا کے بندے ایمان و یقین کی دولت بھی رکھتے ہیں ارکانِ دین کے بھی پابند ہیں، منکرات و فواحش میں بھی مبتلا نہیں ہیں۔ وہ اگر دین کی خاطر مادی قوتوں کی تسخیر کو بھی آخرت کی کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو ان کا یہ مسلک، روش اور خیال دینی اعتبار سے کسی طرح لائقِ گرفت اور مستحقِ طنز و اعتاب نہیں ہے! اللہ تعالیٰ نے انسان کو مادی دنیا میں پیدا کیا ہے، جہاں قدم قدم پر مادی اسباب و ذرائع اور مادی قوتوں سے واسطہ پڑتا ہے، اُن کو کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے، جب کہ مومن کو اس کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ آخرت کی بھلائی کے ساتھ دنیا کی بھلائی (ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ) کی بھی دعا کرتا رہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر پر غلبہ پانے کے لئے دعا کے ساتھ ــــ مادی قوتوں سے کیا کام نہیں لیا تھا! گھوڑے، اونٹ، تلواریں، نیزے، زرہ بکتر، کھانے کے لئے رسد کی فراہمی کیا یہ سب کے سب مادی اسباب و ذرائع نہیں ہیں ان میں ایک ایک سے حضورؐ نے کام لیا۔ اور فتح و نصرت کے لئے ان کو ذریعہ اور آلۂ کار بنایا۔ ایک مشہور غزوہ میں "خندق" کھودی گئی تاکہ اس مادی تدبیر و ذریعہ سے مسلمانوں کا بچاؤ ہو سکے! آج کی دنیا میں اگر کوئی فرد یا جماعت اللہ اور رسول کا پیغام پہونچانے کے لئے ریڈیو، پریس اور حمل و نقل و مواصلت کے دوسرے ذرائع کے حصول اور ان قوتوں کی تسخیر کے لئے جدوجہد کرتی ہے! تو اس پر کیا اس قسم کا حکم لگانا قرینِ عدل و صواب ہوگا کہ ایسا کرنے سے خوفِ آخرت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا ہے یا تعلق باللہ میں ضعف واقع ہو گیا ہے۔

"مولانا مودودی کے لٹریچر میں دین کی جو تشریح کی گئی ہے اس کے متعلق میرا شدید احساس ہے کہ وہ دین کے صحیح تصور سے ہٹی ہوئی ہے اس تشریح کے اجزاء ترکیبی تو وہی ہیں جو اصلاً خدا کے دین کے ہیں مگر نئی ترکیب میں اس کا حلیہ بگڑ گیا ہے کہ وہ بجائے خود ایک نئی چیز نظر آنے لگا ہے اور دین کی اصل حیثیت اس میں بری طرح مجروح ہو گئی ہے" (ص ۱۷)

یہ وحید الدین خاں صاحب کا احساس و تصور ہے لیکن عرب و عجم میں ایسے متعدد اہلِ فکر مسلمان بھی پائے جاتے ہیں جن کا یہ یقین ہے کہ مولانا مودودی نے دین کی جو تشریح کی ہے وہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے دین کے صحیح تصور کے مطابق ہے اور شام کے وزیرِ معارف جناب زرقا کے لفظوں میں مودودی غزالی اور ابنِ تیمیہ کی صف کا آدمی ہے!

مولانا مودودی نے نہ تو کوئی ایسی بات کہی جس سے دین کا کوئی بنیادی عقیدہ ذرہ برابر متاثر و مجروح ہوتا ہو نہ انہوں نے ارکانِ دین میں کسی قسم کے تغیر و تصرف کا ارتکاب کیا نہ انہوں نے معاذ اللہ کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھیرایا۔ غلامی، ارتداد، پوتے کی وراثت، پردہ، سود، اقتصادی مساوات، تعددِ ازدواج، ضبطِ ولادت وغیرہ جیسے مسائل میں بھی اُن کا مسلک جمہورِ امت کے مسلک کے مطابق ہے حالانکہ ان مسائل میں اُن جیسے ذہین مفکر سے تجدد و آزاد خیالی کا ظہور خلافِ توقع نہ ہوتا! ان تمام خوبیوں کے ہوتے ہوئے مولانا موصوف کی تشریح پر "دین کا حلیہ بگاڑنے" کی طنز محترم خاں صاحب کے ذہن کی اُپج ہے، جو واقعہ کے خلاف ہے! اور اس کو کسی عنوان درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا، غلطی کس مجتہد، محدث، مفسر اور عالم و مفتی سے نہیں ہوئی، مولانا مودودی بھی انسان ہیں فرشتہ نہیں ہیں، اُن کی تحریریں اور کتابیں بھی غلطیوں سے پاک نہیں ہیں، مگر اُن سے حاشا و کلا اس قسم کی غلطی سرزد نہیں ہوئی جس نے بقول وحید الدین خاں صاحب دین کے حلیہ کو بگاڑ کر رکھ دیا مولانا مودودی کی تشریح نے تو دینی ادب کو بگاڑا نہیں سنوارا ہے! ہندوستان اور پاکستان اور بعض مسلم ممالک میں لاکھوں آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جو مولانا مودودی کی کتابیں پڑھ کر دین سے قریب ہوئے ہیں اور ان کی زندگیوں میں دینی انقلاب آیا ہے! مودودی صاحب کا پیش کیا ہوا لٹریچر

طنز کی بجائے مدح وستائش اور تبریک وتحسین کا مستحق ہے۔

تمہید کے بعد اس کتاب میں ڈیڑھ سو صفحات پر وہ گفتگو اور خط وکتابت پھیلی ہوئی ہے۔ جو وحید الدین خاں صاحب اور جماعت اسلامی کے مقتدر رہنماؤں کے مابین ہوئی ہے! خاں صاحب موصوف کو جماعت والوں کا کوئی مشورہ، گفتگو، تحریر اور دلیل مطمئن نہ کرسکی، اس کے بعد اُن کے نزدیک اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ جماعت اسلامی کے "فتنہ" سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے اعلانِ حق فرمادیں۔ اور مولانا مودودی کی تحریروں کی غلطیوں کی نشان دہی کردیں، یہ کتاب اسی جذبہ کے ساتھ تحت لکھی گئی ہے! اگر ہم اس کتاب پر تفصیلی تبصرہ کریں تو "فاران" کی پوری ایک اشاعت بھی اس کے لئے کافی نہ ہوگی! اس لئے ہم انتہائی ایجاز واختصار بلکہ اشاریت سے کام لیں گے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے لٹریچر میں ـــــ سیاست، حکومت، اقتدار، ربوبیت، نظام دین وغیرہ کی جو اصطلاحیں آئی ہیں، یہ اصطلاحیں اپنے مفہوم ومعنی اور تشریح کے ساتھ فاضل ناقد کے نزدیک دین کے اصل مزاج (یعنی "روح تعبد") سے پوری طرح مطابقت نہیں کرتیں، وہ لکھتے ہیں! ـــــ

> "... اس میں اجزائے دین کی ترتیب کچھ اس ڈھنگ سے ہوئی ہے کہ دیکھنے والا جب اس کو دیکھتا ہے تو اس میں اسلام بہ حیثیت نظام تربیت ابھرا ہوا نظر آتا ہے، مگر اس میں تعبد کا پہلو کمزور پڑ جاتا ہے اس تصویر میں ایمان، اسلام، تقویٰ، احسان سب کچھ موجود ہے مگر یہ الفاظ اصلاً تعلق باللہ کے مراحل کو ظاہر نہیں کرتے، بلکہ وہ "تحریک اسلامی" کی اخلاقی بنیادیں ہیں وہ تعلق باللہ کے ان مخصوص مظاہر کے پیمانے ہیں جو امامتِ صالحہ اور "نظام حق کے قیام" کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے" جو اس تعبیر کے نزدیک دین کا حقیقی مقصود اور دنیا میں مسلمان کی سعی کا منتہا ہے، یہ حقیقتِ ایمانی کے ظہور کے وہ مراتب ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ آدمی مذکورہ بالا انقلابی جدوجہد کے اعتبار سے کس مقام پر ہے"
>
> جب دین کا یہ تصور ہو جائے تو پھر آپ کو تعجب نہ کرنا چاہئے اگر ایسے افراد کا دینی تعلق ایک مخصوص سیاسی ڈھانچہ کے نفاذ کے بارے میں تو خوب ظاہر ہوتا ہے مگر ذکر وشکر اور اخبات وانابت کی حقیقتیں ان کے یہاں غائب ہو گئی ہوں" (ص ۳۴۳-۳۴۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں جاکر اُس کی جھوٹی خدائی اور غیر دینی اقتدار کو جو چیلنج کیا تھا اس وقت حضرت موسیٰ فرعون کے مقابلے میں "اخبات" (فروتنی) دکھاتے تو یہ بات پیمبرانہ حکمت کے خلاف ہوتی، وہ موقعہ شانِ جلالت دکھانے کا تھا۔ فرعون کے دربار میں جو معاملہ پیش آیا اُس کو کسی طرح بھی ذکر وشکر اور اللہ کے دربار میں اخبات وانابت سے عاری قرار نہیں دیا جاسکتا! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ارتداد اور منع زکوٰۃ کے جو فتنے ابھرے تھے کیا وہ صرف ذکر وشکر پر مشتمل دعاؤں اور اوراد و وظائف سے دبائے جاسکتے تھے کیا ان فتنوں کے استیصال کے لئے محض نوافل کی کثرت اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے صرف رونا کافی تھا۔ یہ اسلامی حکومت کی برکت اور اُس کی قوتِ قاہرہ تھی جس نے ان فتنوں کا قلع قمع کردیا اور اسلام واخلاق کو غلبہ حاصل ہوا! کیا ان روشن حقائق کی موجودگی میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کی اس دینی جدوجہد میں سیاست کے مقابلے میں "تعبد" کا پہلو کمزور تھا اور یہ جدوجہد ذکر وشکر اور اخبات وانابت سے خالی تھی (معاذ اللہ)

اسلام کی سربلندی اور نظامِ حق کے برپا کرنے کی جدوجہد میں ذکر و شکر، اخبات و انابت، اور خشیت الٰہی اور تعبد و بندگی اس طرح شامل ہیں جیسے شہد میں مٹھاس اور پھول میں خوشبو ہوتی ہے! یہاں تک کہ کوئی پابندِ صوم و صلوٰۃ مسلمان کسی ملک کی اسمبلی میں رُکن کی حیثیت سے شریک ہو کر اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت و مدافعت کرتا ہے، تو وہ اُس شخص سے زیادہ بڑا عابد ہے جو اسلامی قدروں کی پامالی پر راتوں کو نوافل پڑھ کر اور ذکر و دعا میں اللہ تعالیٰ کے حضور بس گریہ و بکا کر کے رہ جاتا ہے اور اعلانِ حق کی ہمت نہیں رکھتا۔

جماعتِ اسلامی کے لٹریچر میں دین کے لئے اسٹیٹ، نظام جامع، نظامِ حق وغیرہ اصطلاحیں جو استعمال کی گئی ہیں ان سے فاضل ناقد کو خاصی وحشت ہوتی ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرزِ فکر سے مسلمان "سیاسی دیندار" بن کر رہ جاتا ہے اور اس میں انابت، اخبات اور خشیت کی تعبدی کیفیت پیدا نہیں ہوتی! جماعت کا اس خصوص میں یہ نقطۂ نگاہ اور طرزِ فکر ہے کہ مسلمان کی پوری کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تابع ہو چاہئے، زندگی کو عبادت، سیاست و تجارت وغیرہ خانوں میں نہیں بانٹا جا سکتا، اس حقیقت کو ہم ایک چھوٹی سی مثال کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک محلّہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت تو ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے منکرات اور لہو و لعب میں مبتلا نہیں ہے، اس جماعت سے جو لوگ متعلق ہیں وہ راتوں کو ذکر و شغل کرتے ہیں، نوافل کی کثرت، انابت و دعا اور انکسار و فروتنی اُن کی امتیازی خصوصیات ہیں محلّہ کے لوگوں کو یہ جماعت نماز، روزہ کی بڑی دلسوزی کے ساتھ تلقین کرتی ہے ان کی تبلیغی جدوجہد کی بدولت کتنے ہی بے نمازی نمازی بن گئے ہیں! اس جماعت کا کوئی دفتر نہیں، ارکان کے رجسٹر نہیں، ان کی سرگرمیوں کی اطلاعیں اخبارات میں نہیں چھپتیں، ان کے بڑے سے بڑے جلسوں کے لئے اشتہار یا پمفلٹ وغیرہ شائع نہیں ہوتے، کوئی استقبالیہ کمیٹی نہیں بنتی! اس للّٰہیت، سوزِ تعبد اور زہد و ورع کے ساتھ وہ محلّہ کے دوسرے معاملات سے بے تعلق ہے۔ پولیس وہاں کے لوگوں کو ستاتی ہے اس ظلم کے خلاف وہ کوئی احتجاج نہیں کرتے، محلّہ کی نالیوں میں غلاظت کے انبار لگے ہیں، اس کے دور کرنے کی کوئی تدبیر اور سعی ان حضرات کے دینی پروگرام میں سرے سے شامل ہی نہیں ہے اس محلّہ میں شراب کی کئی دکانیں ہیں، اس جماعت کے افراد نے شراب کی بو بھی نہیں سونگھی وہ اس کو مطلق حرام ہی سمجھتے ہیں مگر شراب کا کاروبار کس طرح بند ہو؟ اس نہج پر وہ نہیں سوچتے! یہی حال دوسرے معاشرتی معاملات کا ہے!

اُسی محلّہ میں

ایک دوسری جماعت بھی ہے جس سے جو لوگ متعلق ہیں وہ بھی دینی ارکان کے پابند ہیں اور منکرات و معاصی میں مبتلا نہیں ہیں، اُن کے عقائد میں بھی متذکرہ بالا جماعت سے متعلق حضرات کے عقائد کی طرح مشرکانہ رسوم و بدعات کا کوئی فساد نہیں پایا جاتا، یہ جماعت نماز، روزہ وغیرہ دینی ارکان کی پابندی کے باوجود اس پہلی جماعت کا "ذکر و شغل اور ورد و وظائف" میں تو یقیناً مقابلہ نہیں کر سکتی —— مگر اس جماعت کا محلّہ میں ایک دفتر بھی ہے، جس میں سرکاری دفتر کے کلرکوں کی طرح کارکن کام کرتے ہیں، ٹیلی فون ہے، ٹائپ رائٹر ہے، رجسٹر اور فائلیں ہیں! اس جماعت نے محلّہ میں دار المطالعہ بھی قائم کر رکھا ہے جس میں اخباروں کے علاوہ دینی لٹریچر بھی پڑھنے والوں کو دیا جاتا ہے۔

جماعت پولیس کی زیادتیوں کی روک تھام کے لئے بھی جدوجہد کرتی ہے، محلّہ کے جن لوگوں کو پولیس غلط قسم کے مقدمات میں پھانس لیتی ہے یہ جماعت عدالت میں اُن کے مقدموں کی پیروی بھی کرتی ہے اس جماعت نے بیت المال بھی قائم کر رکھا ہے جہاں سے ضرورت مندوں کو قرض حسنہ بھی دیا جاتا ہے اور ناداروں کی امداد بھی کی جاتی ہے، اس بیت المال کے قائم ہونے کا محلہ والوں کو دینی فائدہ بھی پہونچا ہے کہ سود پر قرض لی

تا کاروبار بہت کچھ مندا پڑ گیا ہے! اس جماعت نے محلہ کی صفائی کے لئے بھی کوشش کی ہے اور سڑکوں اور نالیوں کو صاف کرا دیا ہے اس مقصد کے لئے جماعت مذکورنے میونسپلٹی کی انتظامیہ کمیٹی میں انتخاب کے ذریعہ محلہ کے معتبر اور معاملہ فہم آدمی بھی بھجوائے ہیں تاکہ اُن کی آواز موثر ثابت ہو سکے!

اس جماعت نے امتناع شراب کے لئے میونسپل کمیٹی میں امن پسند ارکان کے ذریعہ ایک منظم جدوجہد شروع کر رکھی ہے جس کے لئے اُسے کئی کانفرنسیں بھی کرنی پڑتی ہیں اخبارات میں بیان بھی چھپوانے پڑتے ہیں! اس جماعت کے جلسے بڑی تنظیم، سلیقہ اور اہتمام کے ساتھ ہوتے ہیں! اس جماعت کا لٹریچر بھی ہے جس میں اس قسم کی تمام سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کی نشان دہی کر کے بتایا گیا ہے کہ دین کا "نظام جامع" ان پر حاوی اور محیط ہے، نماز، روزہ اور ذکر و انابت کے ساتھ یہ امورِ سیاست و معاشرت بھی اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہی انجام دئے جاتے ہیں اور ان امور کی غرض و غایت بھی آخرت میں فوز و فلاح کا حصول ہی ہوتی ہے!

محترم وحید الدین خاں صاحب کے مزاج کو پہلی جماعت سے مناسبت ہے، دوسری جماعت کی سرگرمیوں میں انہیں وہ "سیاسی دنیداری" نظر آتی ہے جو تعلق باللہ اور تعبد کے احساس کو کمزور بنا دیتی ہے! یہ دار المطالعے، دفتر، رجسٹر، پریس کانفرنسیں، پبلک اجتماعات میں رضاکاروں کے سینوں پر لگے ہوئے بلّے، یہ شعبہ استقبالیہ ہے، یہ شعبہ اطلاعات ہے، یہ ڈسپنسری ہے، یہ ریلیف کمیٹی ہے، اس قسم کے تمام مظاہر میں فاضل ناقد کو سیاست، دنیا داری اور تعلق باللہ کی کمی دکھائی دیتی ہے اور وہ بڑے خلوص و دل سوزی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ کیا انبیاء کرام نے اس طرز پر کوئی نظام قائم کیا تھا؟ وہ اس انداز پر سوچتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بستی کے گلی کوچوں کی صفائی کے لئے کیا کوئی کمیٹی بنائی تھی، وہ پوچھتے ہیں کہ یا دعوت مقدس ہستیوں کا تعلق باللہ مضرب المثل ہے انہوں نے اتنے ہم کے سماجی مسائل سے کس قدر واسطہ رکھا تھا؟؟ —— اس کے جواب میں فاضل ناقد کو مطمئن کرنے کے لئے ——

—— کوئی سمجھاؤ کہ ہم سمجھائیں کیا!

یہ تو افہام و تفہیم کی غرض سے ایک چھوٹی سی مثال دی گئی ہے جو اپنی جگہ جامع نہیں ہے مگر اس ناقص و مختصر مثال سے ہمارا مفہوم سمجھنے میں بہرحال مدد تو ملتی ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی —— جو انسانیت کے لئے "آخری و قطعی معیار" ہے اُس میں تعبدی امور کے ساتھ تجارت، قضاۃ، سیاست، جنگ و صلح، معاہدے، سفارت اور تبلیغی کے مظاہر آداب اور تعلیمات و اصول ملتے ہیں، ایک طرف شراب کے مٹکے توڑے جا رہے ہیں، دوسری طرف مجرمین پر حد جاری ہو رہی ہے، حضور بازار میں جا کر غلّہ کے ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر دیکھتے ہیں کہ بیچنے والے نے کہیں ایسا تو نہیں کیا کہ اوپر تو سوکھے دانے رکھ چھوڑے ہوں اور ڈھیر کا اندرون نم آلود ہو! حرام و حلال کے احکام کی صرف تلاوت ہی پر کفایت نہیں کی جاتی بلکہ حکومت و ریاست کی قوت سے اس نظام کو عملاً نافذ کیا جاتا ہے! —— کوئی جماعت اس "نظام جامع" کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرتی ہے تو وہ دیندار طبقہ کے تعاون و تائید کی مستحق ہے یا علیحدگی و بیزاری اور طنز و استہزاء کی سزاوار ہے!

جناب وحید الدین خاں صاحب کا برسوں جماعت سے تعلق رہا ہے کیا انہیں ایسی بہت سی مثالیں نہیں ملیں کہ جماعت کا لٹریچر اور خاص طور سے مولانا مودودی کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھ کر لوگ الحاد، تشکیک، اشتراکیت، رفض و بدعت سے کنارہ کش ہو کر دین کی طرف آئے غیر اخلاقی اور غیر ذمہ دارانہ زندگیوں میں اخلاقی انقلاب رونما ہوا ہے، جماعت کا مالیاتی نظام کس قدر دیانت دارانہ ہے، جماعت کے ارکان نے رزق حلال کے ذرائع پر ناجائز آمدنی کے کتنے امکانات اور موقعوں کو قربان کر دیا ہے! حقوق اللہ اور حقوق العباد کا کیسا توازن اُن کے یہاں پایا جاتا

ہے ۔ حکومت یا کوئی سیاسی پارٹی وابستگان جماعت کو خرید نہیں سکتی ۔ اعلانِ حق کے معاملے میں وہ حکومتوں کے احتساب و دارو گیر کی بھی پروا نہیں کرتے، آزمائش کا وقت جب بھی آیا ہے انہوں نے قید و بند کے مصائب اور دوسری قسم کی پریشانیوں کو برداشت کیا ہے مگر جی نہیں چھوڑا اور ہمت نہیں ہاری ! خاں صاحب موصوف کی اس کتاب کو پڑھ کر وہ نوجوان جو جماعت کے لٹریچر کے واسطہ سے دین سے قریب ہوئے ہیں اگر دین کے بارے میں حیران و متشکک ہو جائیں اور جو دین کے قریب آ سکتے ۔ وہ رک جائیں تو اس صورت میں اس کتاب پر دینی نقطہ نگاہ سے کیا حکم لگایا جائے گا ؟ اور اس کتاب سے "منبعِ خیر" کو فائدہ پہونچے گا یا "رفیعِ شر کو" !

کتاب کے آغاز میں وحید الدین خاں صاحب نے لکھا ہے ۔۔۔۔

"اس کتاب کی اشاعت میرے اوپر کتنی سخت ہے اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے شائع ہونے کے بعد میں کسی ایسی جگہ چھپ جاؤں جہاں کوئی شخص مجھے نہ دیکھے اور اسی حال میں مر جاؤں"

کاش ضمیر کی اس سخت چبھن پر اُن کو انتباہ ہوتا اور اس کتاب کی عدم اشاعت پر وہ کسی طرح صبر کر لیتے بلکہ جی کڑا کر کے اپنی اس علمی محنت و کاوش کو برباد کر دیتے !

محترم خاں صاحب کو دراصل جماعت ہی میں رہ کر کام کرنا تھا، اپنے رفقاء میں احسان، اخبات و انابت کی کمی محسوس ہوتی تھی تو ان کی کو دور کرنے کے لئے حکمت کے ساتھ کوشش کر سکتے تھے ان میں اشراق و تہجد ذکر و تسبیح اور گریہ نیم شبی اور آہ صبحگاہی کا ذوق پیدا کرنے کے لئے انہیں محنت کرنی تھی، تعلق باللہ کی تخم ریزی یا اس فصل کی نشوونما کے لئے اتنی زرخیز زمین ! نہیں اور کہیں مشکل ہی سے مل سکے گی ! انہیں یہ بھی سوچنا چاہئے تھا کہ اخلاق و پاکیزگی کے اس دورِ انحطاط میں جماعتِ اسلامی کی کمزوریوں کے باوجود اس کے وجود اور جدوجہد سے مجموعی طور پر دین و اخلاق اور شرافت و نیکی کو فائدہ پہونچ رہا ہے یا نقصان ؟

تبلیغی جماعت سے بھی بعض لوگ علیحدہ ہوتے ہیں اُن سے ہماری گفتگو ہوئی ہے، ایک دو حضرات نے ہمیں خط بھی بھیجے مگر ہم نے اس گفتگو اور خط و کتابت کو "فاران" میں نہیں چھاپا، اس لئے کہ ہمارے نزدیک تبلیغی جماعت کے ذریعہ جس دینی خیر کی اشاعت ہو رہی ہے اس کو کسی نہ کسی درجہ ہی میں سہی اس نقد و احتساب سے نقصان پہونچ جاتا ۔

محترم وحید الدین خاں صاحب نے جن "سیاسی دینداروں" سے کٹ کر اُن کی روحانی کمزوریوں پر کئی سو صفحوں کی کتاب لکھی ہے اور اب وہ جس خالص دینداری کے ماحول میں ہیں اگر وہاں انہیں ذوالنون مصریؒ اور سفیان ثوریؒ مل جائیں تو سیاسی دینداروں کو بھی اس کی خبر کر دیں ۔

اس کتاب پر تنقید کے سلسلہ میں ایک بات جو دل میں کھٹک رہی ہے اس کا اظہار غالباً نامناسب نہ ہوگا ۔۔۔۔ وہ یہ کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے عربی مجلہ "البعث الاسلامی" میں وحید الدین خاں صاحب کی جماعت سے علیحدگی سے قبل اُن کے اردو مضامین کا ترجمہ پڑھ کر مسرت کے ساتھ حیرت بھی ہوتی تھی کہ جماعت کے اہلِ قلم میں خاں صاحب ہی کی تحریروں کو "تعریب" کے لئے کیوں منتخب فرمایا جاتا ہے مگر خاں صاحب موصوف کی علیحدگی کے بعد حیرت دور ہوئی کہ ۔۔۔۔

؎ آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

دینی جماعتوں اور مذہبی لوگوں میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے، اختلاف سے تو صحابہ کرام جیسے نفوسِ قدسیہ بھی محفوظ نہ رہ سکے مگر جہاں

دین کی بنیادی خیرخواہی اور اس کے تقاضوں کا تعلق ہے اختلافات کے باوجود دینی لوگوں میں اشتراک و تعاون پایا جانا چاہئے! مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دورِ حاضر کے ذہن کو مولانا مودودی کا طرزِ استدلال اور اسلوب نگارش جس قدر متاثر کرتا ہے اس کے نمونے دوسروں کے یہاں کم ہی نظر آتے ہیں اس لئے "البعث الاسلامی" میں مولانا مودودی کی منتخب تحریریں زیادہ سے زیادہ ترجمہ ہو کر شائع ہونے کی مستحق تھیں، عرب دنیا ان کے نام اور کام سے متعارف بھی ہے مگر بالقصد ایسا نہیں ہو رہا ہے! کاش! دین کے ہر محاذ پر ہم سب ایک دوسرے کے شریک اور رفیق بن سکتے! اور ایسی دیوار بن جاتے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے رہتی ہے!! اونچے درجہ کے لوگوں میں اس جذبہ کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے!

ادب اور اسلامی قدریں

از:- اسرار احمد خاں سہاوری (ایم-اے، ایل، ایل بی) ضخامت ۱۹۲ صفحات (مجلد، گرد پوش کے ساتھ) قیمت دو روپے پچاس پیسے، ملنے کا پتہ:- ندوہ سنز- فریر روڈ، کراچی

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۰ء میں اور دوسرا ایڈیشن پچھلے سال ۱۹۶۲ء میں چھپا ہے! کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں کیا ہوگا؟ وہ لوگ جو اسلام کے نام سے چڑتے ہیں، یا اسلام کے بارے میں ان کا تصور محدود ہے، انہیں اس نام (اسلامی ادب) میں اجنبیت محسوس ہوگی بلکہ وحشت ہوگی! فاضل ناقد نے ادب، مقصدیت اور اسلامی ادب کے شئون و مظاہر اور اس کی خصوصیات کو جس بالغ نظری، جامعیت اور سلیقہ کے ساتھ پیش کیا ہے، اس پر وہ ادبی دنیا کی جانب سے تحسین و تبریک کے مستحق ہیں! جو بات کہی ہے وزنی ہے، جس خیال کو پیش کیا ہے اس میں سلجھاؤ اور زبان و ادب کا رچاؤ پایا جاتا ہے!

اس کتاب کے دوسرے حصہ میں بائیس شاعروں کا منتخب کلام پیش کیا گیا ہے، شاعروں کے مختصر سوانح حالات کے ساتھ ان کی شاعرانہ حیثیت سے بھی بحث کی ہے! خواجہ میر دردؔ سے یہ سلسلہ شروع ہو کر افتخار اعظمی پر ختم ہوتا ہے

"شوکت علی خاں فانی یو۔ پی کے ضلع بدایوں کے رہنے والے تھے" (ص ۱۲۸) "شہر بدایوں کے رہنے والے تھے" لکھنا تھا۔ ضلع سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ وہ بدایوں ضلع کے کسی قصبہ یا گاؤں کے باشندے تھے! ہاں! یہ ضرور ہے وہ پیدا ضلع بدایوں کے قصبہ بسولی میں ہوئے تھے جہاں ان کے والد پولس سب انسپکٹر تھے —— "حیدرآباد کے ایک اسکول میں ماسٹر کی حیثیت سے زندگی گذاری" —— فانی بدایونی ماسٹر نہیں ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے، اور اس ملازمت سے بہت سے بہت پانچ سال سے زیادہ ان کا تعلق نہیں رہا —— یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ فانی حیدرآباد دکن میں ریاستی تعصب کا شکار ہو گئے۔

فانی کی ایک غزل کا انتخاب صفحہ ۱۳۰ پر نظر آیا، اس میں ان کا شاید سب سے اچھا شعر انتخاب میں آنے سے رہ گیا۔

بچھ گئے کوئے یار میں کانٹے　　کس کو عذرِ برہنہ پائی ہے

اسی طرح اس زمین میں جگر مرادآبادی کی غزل کا جو انتخاب دیا ہے اس میں یہ بے مثال شعر چھوٹنا نہیں چاہئے تھا۔

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا　　کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

"اسلامی ادب" پر یہ کتاب شعر و ادب سے شغف رکھنے والوں کو ضرور پڑھنی چاہئے۔ اس کے مطالعہ سے ادب کے بعض نئے گوشے نگاہوں کے سامنے آتے ہیں۔

انوارِ بُردہ شرح قصیدۂ بُردہ

از :- پروفیسر فضل احمد عارف ایم .اے ، ضخامت ۲۵۰ صفحات (مجلد ، رنگین گرد پوش) قیمت ، تین روپے ، ملنے کا پتہ :- علمی کتاب خانہ ، اُردو بازار ، لاہور

ابو عبداللہ ابو علی محمد بن سعید بو صیری (۶۰۸ھ ـــ ۶۹۴ھ) کے نام و لقب سے اسلامی شعر و ادب اور نعت و منقبت کی دنیا میں غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں ، انہی کے شہرہ آفاق قصیدہ "بردہ شریف" کی یہ اُردو شرح "انوار بُردہ" کے نام سے منظر عام پہ آئی ہے ۔ اس کتاب پہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے پیش لفظ اور مولانا محمد ناظم ندوی نے دیباچہ لکھا ہے ۔

فاضل شارح و مترجم نے امام بُوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور اس نعتیہ قصیدہ کی خصوصیات جس تفصیل و تحقیق کے ساتھ عالمانہ انداز میں بیان کی ہیں ، اس نے کتاب کی افادیت اور ادبی عظمت کو چار چاند لگا دیئے ہیں ! "شارحین بُردہ" کتاب کے جس باب کا عنوان ہے وہ نورٌ علیٰ نور ہے ! اس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مختلف زبانوں میں قصیدہ بردہ کی ایک سو بیاسی شرحیں لکھی گئی ہیں ، یہ دلیل ہے اس قصیدہ کی مقبولیت اور عظمت و سعادت کی !

شرح و ترجمہ کا ایک نمونہ :-

حتّٰی اذا لم تدع شأواً لمستبقٍ   من الدّنو ولا مرقاً لمستنم

(حتّی — یہاں تک کہ — اذا — جب — لم تدع — آپ نے نہیں چھوڑی (دع یدع سے نفی جحد بلم) شأواً سبقت اور بڑھنے کی حد و ہمت (مصدر ، الشأو سے بمعنی غایت کہا جاتا ہے فلانٌ بعید الشأو یعنی وہ عالی ہمت ہے) —— لمستبقٍ — سبقت لے جانے والے کے لئے (مستبق باب افتعال یعنی استباق سے اسم فاعل ہے) من الدّنوّ — قرب سے (رنّی یدنو سے) ولا مرقاً — اور نہ کوئی چڑھنے کا ذریعہ "مرقی" بمعنی چڑھنا سے اسم آلہ) لمستنم — بلندی پر چڑھنے والے کے لئے — مستنم — بمعنی کوہان شتر کے باب افتعال ! یعنی استنام سے اسم فاعل)

ترجمہ :- آپ عروج و ارتقا کی اس منزل پہ پہونچے ہیں کہ اب آپ نے رفعت و سبقت کے کسی خواہش مند کے لئے قرب و ارتقار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہنے دی ۔

بمقامیکہ رسیدی نرسید ہیچ کسے[۵] (قدسی)

پروفیسر فضل احمد عارف کی یہ کتاب اُن کے لئے دین و دُنیا میں شہرت و کامیابی اور فوز و فلاح کا ذریعہ ثابت ہوگی ! اُردو داں طبقہ کے لئے تو خاص طور سے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ ہے ! پروفیسر صاحب موصوف نے بڑے خلوص و عقیدت کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے اور ریسرچ اسکالروں کے انداز پہ کام کیا ہے ۔

موسیقی کی شرعی حیثیت

از :- امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ۔ ترجمہ و تہذیب ـــ سید نصیر شاہ اور رفیع اللہ ایم .اے ضخامت ۱۳۵ صفحات ، قیمت دو روپے ، ملنے کا پتہ :- ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ ، لاہور

یہ کتاب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و معروف تصنیف "احیاء علوم الدین" کے ایک باب (وجد و سماع) کا ترجمہ ہے

---

[۵] قدسی کے قصیدہ میں "کسے" نہیں "نبی" ہے !

اس کتاب پر مقدمہ فاضل مترجمین نے لکھا ہے، جس میں موسیقی کی حرمت کے دلائل بیان کر کے اُن کا تجزیہ کیا ہے اور پھر موسیقی کے جواز کے دلائل پیش کئے ہیں، اس کے بعد صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور فقہا کے اقوال سے "سماع" کا جواز اور حلت ثابت کی ہے اور ایک باب "موسیقی کے فوائد" پر ہے! کوئی شک نہیں یہ مقدمہ بڑی کاوش و تحقیق سے لکھا گیا ہے۔

مقدمہ کے بعد اصل کتاب کا ترجمہ ہے پہلے باب میں بتایا گیا ہے کہ موسیقی کی حرمت اور حلت کے قائل کون ہیں؟ پھر موسیقی کی اباحت کے دلائل امام غزالی نے بیان فرمائے ہیں دوسرے باب کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

موسیقی کے اثرات و آداب — فصل اول۔ سننا اور سمجھنا — فصل دوم — وجد، فصل سوم۔ موسیقی کے آداب۔

لائق مترجمین نے "دیباچہ" میں لکھا ہے:—

"ہم آخر میں بھی عرض کئے دیتے ہیں کہ ہم فحاشی کے اس طوفان کے سخت مخالف ہیں جو ریڈیو سے سیل ترنم بن کر بہتا ہے، یا فلمی ریکارڈوں سے موسیقی کے ہر روپ میں ابھرتا ہے اور معاشرہ میں اخلاقی کوڑھ کے جراثیم بکھیرتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اس سے فی نفسہ موسیقی حرام نہیں ہو جاتی۔" (ص ۳)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:—

"پانچ عوارض کی بنا پر راگ حرام ہے، اول یہ کہ گانے والی عورت ہو، جسے دیکھنا حلال نہ ہو، اور اُس کا راگ سننے سے فتنہ کا احتمال ہو۔۔۔۔ دوم یہ کہ آلاتِ موسیقی ایسے ہوں جو شرابخواروں اور مخنثوں کا شعار ہوں جیسے مزامیر، طبل، کوبہ اور تار کے باجے۔۔۔۔۔۔ تیسری حرمت یہ ہے کہ گیت میں خرابی ہو، یعنی اگر اشعار میں فحاشی، بے حیائی اور ہجو ہو یا ایسی باتیں ہوں جو اللہ، رسولؐ اور صحابہؓ پر افترا ہوں۔ ... چوتھا عارضۂ حرمت یہ ہے۔۔۔۔ کہ سننے والے پر اگر شہوت غالب ہو اور وہ عین بہار شباب میں ہو تو اس راگ کو سننا حرام ہے۔۔۔۔۔ پانچواں عارضۂ حرمت یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرض کرو ایک شخص ہے نہ اس پر شہوت غالب ہے کہ راگ اُس کے حق میں ممنوع ہو، اس شخص کے حق میں سماع اگرچہ مباح ہے، لیکن اگر ایک گنہگار ہمیشہ کے لئے عادت بنائے گا اور اپنا اکثر وقت اس میں صرف کرے گا تو بھی احمق ہے جس کی گواہی مقبول نہ ہوگی، اس لئے کہ لہو و لعب پر مواظبت گناہ ہے، جس طرح گناہ صغیرہ بار بار کے اعادہ سے کبیرہ ہو جاتا ہے، اس طرح مباح بار بار کے اعادہ سے گناہ ہو جاتا ہے۔۔۔"

اس کتاب کا اختتام ذیل کی عبارت پر ہوتا ہے:—

"گزشتہ تفاصیل و توضیحات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ موسیقی چار قسم کی ہے حرام، مکروہ مباح، مستحب! حرام اُن لوگوں کے لئے جن پر شہوت غالب ہو اور موسیقی ان میں بہیمیت کے جذبات ہی مشتعل کرتی ہو، مکروہ اُن لوگوں کے لئے جن کو موسیقی سے لطف ملتا ہو وہ اسے بہ حیثیت فن سنتے ہوں اس کے علاوہ انہیں موسیقی سے کسی قسم کی تحریک نہ ہوتی ہو، مستحب اُن لوگوں کے حق میں جن پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو اور موسیقی ان میں صفات محمودہ کے سوا اور کسی چیز کی تحریک نہ کرے۔"

صحیح بات یہ ہے کہ خوش آوازی پسندیدہ شے ہے، اس پر دین کوئی روک ٹوک نہیں کرتا "لحنِ داؤدی" اخلاق و ادب کی مشہور اصـ
ہے، تجوید قرآن جو مستحب ہے، اُس میں خوش آوازی بہ قدر غالب شامل ہے! راستہ کی تکان دور کرنے اور نشاط حاصل کرنے کے لئے "حدی خوانی" صحابہ
کے نزدیک پسندیدہ شے سمجھی گئی ہے۔ فوجوں اور لشکروں کو "رجز خوانی" کی بھی اجازت ہے، شادی بیاہ اور ... موقعوں پر خوش آوازی اور
کے ساتھ دف و چنگ پر شعر خوانی مباح ہے! اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے نغمگی اور خوش آوازی پر قدغن نہیں لگاتا! مگر آج کل رگ
پر شہوت کا غلبہ ہے اور ایسے باجے اور آلاتِ طرب ایجاد کئے گئے ہیں جو انسان کے ہوس ناک جذبات کو بھڑکاتے ہیں، غزلیں، نظمیں اور فلمی
گیت فحاشی اور غیر محتاط رنگینی کے ترجمان ہوتے ہیں، اس لئے موجودہ دور کی موسیقی اپنے لوازم و آلات کے ساتھ دینی نقطۂ نگاہ سے منـ
اور عورت مطرب و موسیقار ہو تو قطعاً حرام اور گناہ ہے!

ادارۂ ثقافت اسلامیہ اس سے قبل مولانا شاہ محمد جعفر صاحب پھلواروی کی کتاب "اسلام اور موسیقی" شائع کر چکا ہے، ا
یہ دوسری کتاب آئی ہے، اس قسم کی کتابیں اُن لوگوں کو دلیر بناتی ہیں جو اُس موسیقی کے رسیا ہیں جسے امام غزالی نے بھی حرام کہا ہے، اباحتیں
رخصتیں ہوا و ہوس کے مریض کو اُسی طرح غذا پہونچاتی ہیں، جس طرح مٹھاس ذیابیطس کے مریض کے لئے اضافہ کا سبب بن جاتی ہے۔

لمحاتِ غالب

از:- عارف بٹالوی، ضخامت ۱۸۰ صفحات (مجلد، رنگین گرد پوش) قیمت تین روپے،
ملنے کا پتہ:- ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور مـ

اس کتاب میں غالب کی زندگی، شاعری اور فلسفۂ کلام کو خود شاعر کے افکار و اشعار کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، یہ بڑی حسین جدت
جس کے سبب اس کتاب کو لوگ شوق و دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے، غالب کے خطوط کے انتخاب نے "لمحاتِ غالب" کو اور اہم اور قابلِ مطالعہ بنا
عارف بٹالوی اچھے مؤلف "Compiler" تو ہیں مگر مشاق و پختہ نثر نگار نہیں ہیں، اُن کی تحریر میں جگہ جگہ خامیاں ا
کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔

"ولی دکنی سے لے کر آج تک کوئی ایسا شاعر اس محفلِ ہستی میں نہ آیا، جس نے شاعری میں عقل کو داخل نہ کیا ہو۔" (ص ۳۹) مضحکہ
انگیز فکر و خیال اور ناپختہ اندازِ بیان ——— "وقت اپنے حسینِ نگاہ کے مطابق دلہنِ ادب کو سنوارتا ہے۔" (ص ۴۰) "عروسِ ادب" لکھنا
دلہن اُردو اور ادب فارسی ہے، جن کے درمیان اضافت نہیں آتی ——— "تسلیم کہ زمانہ حال کو خط کشیدہ الفاظ بھلے معلوم نہیں د
لیکن کیا بعید ہے کہ ماضی انہیں سینہ سے لگا کر رکھتا ہو" (ص ۵۳) ماشاء اللہ! کیا نثر نگاری ہے ——— "لیکن سہرا موجد کے
سر پر رہے گا (ص ۵۵) "پر" زائد ہے ——— "لیکن اگر غور سے مرزا صاحب کی ساری زندگی کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے تو تق
بالکل مبرا نظر آئے گی" (ص ۷۰)، انشا پردازی کے ساتھ مذاق!

"آج مرزا غالب کے صوفی بلکہ اولیا ہونے میں لوگ کیا ثبوت بہم پہونچاتے ہیں" (ص ۷۵) "ولی" کی جگہ "اولیا"
"کا" کی بجائے "میں" لکھا گیا ہے! پھر غالب کو صوفی کون کہتا ہے اور "ولی" تو انہیں کوئی بھی نہیں سمجھتا ——— "معشوق کو سلسلہ عار
ختم کرنے پر مائل کرنا اور ساتھ ہی ایک حسین دھمکی سے مرعوب کرنا، کمالِ فن کی دلیل ہے" (ص ۸۷) یہ بھلا کوئی نثر اور انشا پردازی ہے — توبہ!

؎ بات کہنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اس کتاب میں کتابت کی بڑی فاحش غلطیاں نظر آئیں ———

"عین الملک الیوم" (ص ۱۱) "لمن الملک" ہونا چاہیے ——— "ہم مواحد ہیں" (ص ۱۵) صحیح املا "موحد" ہے ——— "مولا افضل حق" (ص ۱۶) غالب کے دوست مولانا فضل حق (خیرآبادی) تھے "افضل حق" نہیں تھے ——— "اپنے دعوے میں یہ دلیل پیش کی" (ص ۳۷) "دعوے" کتابت ہونا چاہیے تھا۔ ——— خرم آں روز کزیں منزل ویراں ہردم" (ص ۱۱۲) "بروم" کی جگہ "ہردم" چھپ گیا ——— "زہے روانی عمرے کہ درنظر گزرد" (ص ۱۲۵) اصل مصرعہ یوں ہے ——

؎ زہے روانی عمرے کہ درسفر گزرد

"کوئی مسعدی میرا لوکر نہیں" (ص ۱۲۱) "متصدی" کا اس طرح (مسعدی) حلیہ بگاڑا گیا ہے ——— "غنچہ ناشگفتنا برگ عافیت معلوم" (ص ۱۴۶) "غنچہ ناشگفتن ہا . . . ." ہونا چاہیے ——— "مثل صائب وحکیم واسیرو حزیں . . ." (ص ۱۵۹) غالب نے اپنے خطیر "حکیم" کا نہیں مشہور شاعر "کلیم" کا ذکر کیا ہے۔

یہ کتاب غالب کی زندگی کے بارے میں معلومات کے لحاظ سے تو کارآمد کتاب ہے مگر زبان و بیان کا پہلو بہت ہی کمزور ہے۔

زمزمہ	از:۔ صفدر آہ، ضخامت ۱۵۲ صفحات (مجلد، رنگین گرد پوش) پاکٹ سائز، کتابت وطباعت دیدہ زیب قیمت دو روپے
ملنے کا پتہ:۔ ماہنامہ گلشن 39/40 لوہیل بازار، کلیان مہاراشٹر (بھارت)

یہ کتاب جناب صفدر آہ کی رباعیات کا مجموعہ ہے، "پیش لفظ" میں جناب واقف رائے بریلوی لکھتے ہیں:۔———

"ایک مفکر اور مجتہد فن کی حیثیت سے صفدر آہ نے رباعی میں فکر و سیاق دونوں کے بڑے حسین تجربے کئے ہیں۔" (ص ۴)

صفدر آہ کی رباعیوں کے عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

خدائیں، حیات انسان، شیب، عشق، ماضی، عیش کوشی، گناہ، جنت، موت، تنہائی، انقلابیات، سرمایہ دار، اور مزدور، تقیم عاشقانہ، رندانہ، متفرق، عقل کی شکست (تمثیل)

صفدر آہ کی رباعیوں میں فکر، پختہ مشقی اور زور بیان ملتا ہے، وہ سامنے کی بات کو بھی فلسفیانہ انداز میں کہتے ہیں، "تفکر" ان کے "اسلوب بیان" پر غالب ہے، چند منتخب رباعیاں:۔———

ہر چند کہ میں نے غل مچایا میں کون ؟
لیکن نہ کسی نے یہ بتایا میں کون ؟
خود اپنی ہی بازگشت آواز سنی
"میں کون" صدا، جواب آیا "میں کون ؟"

یہ ظاہر و باطن ہیں سمجھ لو بحرین		ہر فرق پڑا ہے ان کے مابین
ظاہر مرا کونین کا اک ذرہ ہے		باطن ہیں مرے ذرے کو کمتر کونین

اب بھی ہے بہت طویل راہِ وسواس
اور پائے خرد کو ہے تھکن کا احساس
منزل ہے معارف کی ابھی تک ناپید
ٹوٹے ہوئے حوصلے ہیں اُکھڑے انفاس

آنکھوں میں ہیں اشک اور تعب نامعلوم
توجیہِ غم و نالۂ شب نامعلوم
ظاہر معلول اور علّت غائب
اک شور تو سنتے ہیں سبب نامعلوم

کچھ دھاریں نکل رہی ہیں اُلٹی سیدھی
کچھ موجیں مچل رہی ہیں اُلٹی سیدھی
اس وہم کدے کو خاک سمجھے انساں
پرچھائیاں چل رہی ہیں اُلٹی سیدھی

بیگانۂ منزل وطن آوارا ہے
کاندھے پہ مصیبتوں کا پشتارا ہے
ماضی کے کھنڈر ہیں پیچھے تا حدِّ نظر
اور آگے دھندھلا دھندھلا سا اندھیارا ہے

دوسرا رُخ:— آوارہ کی سرگزشت آوارا ہے — ہر کار مری عمر کا ناکارا ہے
کیا اپنی زندگی بتاؤں ہمدم — بس میں نے تمام عمر جھک مارا ہے (ص ۲۳)

دوسرے مصرعہ میں "ہر کار" وجدان کو بھلا نہیں لگتا! مجموعی طور پر پوری رباعی شاعرانہ لطف سے عاری ہے۔

قانونِ ارتقا ہے ساری اب تک — باقی ہے کرب و بےقراری اب تک
پس پس کر میں نے کتنی شکلیں بدلیں — تحلیل کا یہ عمل ہے جاری اب تک

غالباً "تجددِ امثال" کو "تحلیل کا یہ عمل" کہا گیا ہے —— مگر اس میں شکلیں کہاں بدلتی ہیں اور بدلتی ہوں تو اُن کا احساس تک نہیں ہوتا، "پس پس کر" سے واقعہ کی صحیح ترجمانی نہیں ہوتی؛

گھر میرا، محل میرا بجاتا تھا ڈھول　　اندر اندر مگر تھا اس ڈھول کے پول
پاؤں سے بگاڑ کر گھروندا میرا　　فطرت ہنس کر یہ محبت بولی "اب بول"　　(ص ۲۸)

کمزور اندازِ بیان، شعریت کا دور دور پتہ نہیں ۔

جو پیڑ اکھڑ چکا ہے بوتے نہ بنے　　سردی گرمی کو پھر سموتے نہ بنے
چپ ہو جاتا ہے رو کے غم کا مارا　　جب عیش کا مارا روئے روئے نہ بنے　　(ص ۳۲)

پیڑ لگائے جاتے ہیں " بوتے " نہیں جاتے ! شروع کے دونوں مصرعوں کا آخر کے دو مصرعوں سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا ! رباعی میں کوئی لطف نہیں !

طاعت کی خوئے زشت تاراج ہوئی　　انساں کے سر کا سرکشی تاج ہوئی　　(ص ۳۴)

" طاعت کی خوئے زشت کا تاراج ہونا " یہ کہاں کی زبان ہے ۔

اللہ ہے کس قدر عجوبہ انسان　　گاہے یہ فرشتہ ہے تو گاہے شیطان
اس ایک وجود میں یہ اجماعِ تضاد　　حکمت کی کہیں کہیں حماقت کی کان　　(ص ۳۹)

انسان کے وجود میں کہیں حکمت کی اور کہیں حماقت کی کان ہوتی ہے ـــــ ! یہ اندازِ بیان اور خیال خاصہ عجیب ہے !

صد رنگِ بلوغ ذہن لایا ہے مرا　　اقلیم حیات جگمگایا ہے مرا　　(ص ۴۴)

پہلے مصرعہ میں خاصہ تکلف پایا جاتا ہے اور دوسرے مصرعہ میں " اقلیم " کو مذکر نظم کیا گیا ہے ، حالانکہ " اقلیم " مونث ہے ۔

اب حُسن کے پھولوں کی وہ بو باس نہیں ہے　　سینے پہ وہ تیز تیز انفاس نہیں
اے رات ! اُجڑ چکی ہے محفل تیری　　جلتی ہوں شمع ہوں کوئی پاس نہیں　　(ص ۴۷)

دوسرے مصرعہ نے رباعی کو کمزور بنا دیا ۔

کیا ہے یہ کیا ہوا ، نہ کچھ جان سکا　　یہ میں ہوں ! کسی طرح نہ دل مان سکا
کل آئینہ دیکھا تو یقیناً ہمدم　　میں خود کو بہ مشکل کہیں پہچان سکا　　(ص ۵۰)

شروع کے دونوں مصرعے کتنے رواں اور شگفتہ ہیں مگر آخر کا مصرعہ ان کے جوڑ کا نہیں ہے ۔

؎ مشکل ہی سے اپنے کو میں پہچان سکا

ہوتا تو پوری رباعی میں ایک ہی " آہنگ " قائم رہتا ۔

اک خشک ہی رستے سے گزر لیتا ہوں　　بے کیف سہی شغل تو کر لیتا ہوں
جانے سے جوانی کے جو آیا ہے خلا　　میں اُس کو عبادتوں سے بھر لیتا ہوں　　(ص ۵۱)

" اک " کس بری طرح کھٹکتا ہے !

ناداں کی جہاں میں ہے ضرورت بہ حق　　ہوتا نہ حمق اگر ، تو ملتے نہ سبق
ممنون ہے جاہل کا حکیم و دانا　　عاقل کا معلّم معظم احمق　　(ص ۵۱)

یہ جو کسی یونانی فلسفی کا مشہور مقولہ ہے ـــــ کہ عقل کس سے سیکھی ہے ؟ جواب ملا بے عقلوں سے ! اس کو کس قدر غیر شاعرانہ انداز میں نظم کیا ہے ۔

یہ نرم ہوا اور یہ ہالی یہ بھور　　دریائے جمالِ سحری کا یہ زور
دو چار خوشی کی اور سانسیں لے لے　　آ پہونچی قضا لئے اندھیرا گھنگھور　　(ص ۶۰)

"بھور" پڑھ کر ہی وجدان تلملانے لگا، دوسرے مصرعہ کے تکلف نے طبیعت کو اور بدمزہ کر دیا۔

اک سازِ سکوں ہے، لطف پیمائی ہے　　عزلت کی بہار مجھ کو راس آئی ہے
دنیا کی محفلوں میں تنہا تھا میں　　تنہائی میں کیا انجمن آرائی ہے　　(ص ۷۳)

آخر کے دونوں مصرعے جتنے اچھے ہیں، پہلا مصرعہ اتنا ہی بےمزہ ہے!

اس طرح وہ دل ربا دل آرا آیا　　کرتا ہوا مٹنے کا اشارہ آیا
ماتھے پہ لگا ہوا ستارہ توبہ!　　یہ برجِ شرف میں کون تارا آیا　　(ص ۹۵)

دوسرا مصرعہ بچکانہ ہے! اس طرح کون بولتا اور محسوس کرتا ہے کہ "محبوب مٹنے کا اشارا کرتا ہوا آیا" ــــــ رباعی کے آخری دو شعر خوب اور چوتھا مصرعہ خاص طور سے خوب تر ہے!

رباعی کے مجموعہ میں کتاب کے آخر میں جو ڈرامہ (تمثیل ــــــ عقل کی شکست) شامل ہے، وہ جناب صفدر آہ کی ایجاد ہے! سازِ اردو کے تاروں کو "زمزمہ" نے چھیڑ کر ایک "لے" کا تو بہرحال اضافہ کیا۔

صفدر آہ کے آگے

محفل میں پڑھ دیتے، سننے والے لوٹ لوٹ جاتے: غالب کی غزل ــــ

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا؟

کو تضمین کیا، مہنگائی اور راشن سسٹم پر اس طرح طنز اور چوٹ کی: ــ

کوٹوں پر مہر ہے اب آگ سلگائیں گے کیا!

اُن کی سب سے زیادہ کامیاب نظم "پرانی رضائی" تھی، جس کا یہ شعر یاد رہ گیا ہے: ــــ

اس کے ایک ایک ٹانکے میں جوں ہے
یہ رضائی مصحفیؔ خوں ہے

اسی مہینہ ایک ادبی نشست میں اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔ اُن کے بڑھاپے کو دیکھ کر ماتھا ٹھنکا تھا کہ شبستانِ مزاح و ظرافت کی یہ شمع اب اور زیادہ دنوں تک نہ بھڑک سکے گی، چند دن کے بعد روزنامہ "جنگ" میں اُن کے مرنے کی خبر پڑھی اور دل نے بوڑھے ورق کے بچھڑنے کی چبھن کو محسوس کیا! ظریفؔ مرحوم کا نہ کسی انجمن اور ادبی ادارے سے تعلق تھا۔ اور نہ کسی اخبار اور رسالے سے وابستگی تھی۔ اس لئے اُن کی موت پر ادب و صحافت کی دنیا میں خاموشی طاری رہی! اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ــــ

لاکھوں کا پسندیدہ
کے ٹو
سگریٹ
K-2
CIGARETTES
تیار کردہ :-
پریمیر ٹوبیکو کمپنی لمیٹڈ

ماہنامہ **فاران** کراچی

ایڈیٹر:- ماہر القادری

جلد ۱۷	ماہ مارچ ۱۹۶۵ء	شمارہ ۱۲

ترتیب

مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی ۱

چندہ سالانہ:- سات روپے | پبلشر:- سرور حسین | قیمت فی پرچہ:- ۶۲ پیسے

خلاف جس خلوصِ عداوت اور جوشِ عناد کے ساتھ نفرت وملامت کا طوفان اٹھایا جا رہا ہے، وہ چاہے کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو مگر خلافِ توقع نہیں ہے۔

جمہور امت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ کوئی عورت "نبی" نہیں ہوئی لیکن اکا دکا علماء اس اجماع کے خلاف اب بھی قائل رہے ہیں کہ عورت کی شخصیت خارج نبوت نہیں ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے سارہ، اُم موسیٰ اور حضرت مریم سے وحی و نبوت کو منسوب کیا ہے، نبوت تو ہر حیثیت سے امارت و حکومت بلکہ خلافتِ راشدہ سے بھی افضل و مقدس ہے جب عورت سے منصبِ نبوت کی نسبت پر ان بزرگوں کو جن میں علامہ ابن حزم کا نام سب سے نمایاں ہے، محرفِ دین اور مجرمِ شریعت نہیں ٹھہرایا گیا، تو اضطراری حالت میں عورت کی امارت پر جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کو اس انداز میں آخر کیوں مطعون کیا جا رہا ہے جیسے انہوں نے دین کے کسی ستون کو گرا دیا ہے!

یہ ناقدین کرام جو اسلاف کی پیروی پر فخر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ سلف صالحین کے ساتھ اُن کا حشر ہو، کیا اُن کی نگاہ سے فقہ حنفی کے بعض ائمہ کے اقوال نہیں گزرے! جماعت اسلامی پر طنز و طعن اور نفرت و ملامت کی چاند ماری کرنے سے پہلے اس مسئلہ کی تحقیق کرنی تھی۔ ہدایہ فقہ حنفی کی شاید سب سے زیادہ معتبر اور مقبول کتاب ہے اس میں لکھا ہے:۔

ویجوز قضاء المرأۃ فی کل شیٔ الا فی الحدود والقصاص۔	حدود و قصاص کے سوا ہر معاملے میں عورت کا قاضی بنایا جانا جائز ہے!

جہاں تک منصب کا تعلق ہے امارت اور قضاءت میں کسی نہ کسی حد تک خاصی مشابہت پائی جاتی ہے۔

علامہ ابن نجیم جن کے سامنے حدیث نبوی (لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ) بھی تھی وہ فتویٰ دیتے ہیں:۔

... واما سلطنتها فصحیحة وقد ولی مصر امرأۃ تسمی شجرة الدر جاریة الملک الصالح ابن ایوب (بحر الرائق)	اور رہی اُس کی سلطنت تو وہ صحیح ہے اور مصر کی بادشاہ ایک عورت بنائی گئی جس کا نام شجرۃ الدر تھا جو الملک الصالح بن ایوب کی لونڈی تھی۔

ناقدین یہ کہہ سکتے ہیں کہ صاحب ہدایہ ہوں، یا صاحب کنز الدقائق، علامہ ابن نجیم ہوں یا صاحب فتح القدیر یہ حضرات "نبی" نہیں تھے ہم ان کے اقوال اور ان کے فتووں کو نہیں مانتے! اسی طرح اس لہجہ میں جماعت اسلامی پاکستان اور مولانا مودودی کی رائے سے بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جماعت اور مودودی صاحب کو تحریفِ دین اور ہدمِ دین کا مرتکب قرار دیا جا رہا ہے۔

جماعت اسلامی نے اضطرار کی حالت میں اس موقف کو گوارا کیا ہے، ورنہ وہ آج بھی اس کی قائل ہے کہ مرد و زن کے حدودِ عمل اور وظائفِ حیات بالکل ایک جیسے نہیں ہیں، عورت کو شمعِ محفل نہیں چراغِ خانہ ہونا چاہئے مثلاً ہسپتالوں میں نرسوں کا مردوں کی تیمارداری کرنا جب کہ مرد بھی اس ڈیوٹی کو انجام دے سکتے ہیں، ہوائی جہازوں میں ایئر ہوسٹسوں کی میزبانی، کالجوں اور اسکولوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط، جماعت اسلامی کی نگاہ میں یہ اخلاقی فتنے ہیں!

پاکستان میں عورت کی صدارت کا مسئلہ عجیب کشمکش اور اضطرار کی صورت میں اُبھرا، ایک طرف اقتدار کی بے پناہ خواہش تھی، دوسری طرف محترمہ فاطمہ جناح تھیں، جنہوں نے منصب و عہدہ کی کبھی خواہش نہیں کی، اگر وہ کسی دورِ حکومت میں ذرا اشارہ بھی کر دیتیں تو وزارت و سفارت کے عہدے اُن کے قدموں سے لگے ہوئے تھے، اس موقعہ پر بھی وہ از خود منصب صدارت کی طالب اور امیدوار نہیں ہوئیں، اُن کو متحدہ محاذ کے اکابر (جماعت اسلامی کے نمائندوں کو چھوڑتے ہوئے) نے اس کے لئے رضامند کیا، محترمہ نے انتہائی سادگی اور بے نفسی کے ساتھ فرمایا کہ مجھے کب تک اس ذمہ داری سے چھٹکارا مل جائے گا جناب

میں کہا گیا کہ اگر آپ پاکستان کی صدر منتخب ہو گئیں تو بالغ رائے دہی کی اساس پر عام انتخابات ہوں گے، پھر اسمبلیاں وجود میں آئیں گی، اس کے بعد دستور بنے گا یعنی جمہوریت کی مکمل بحالی کے بعد جس کے لئے تقریباً ڈیڑھ سال کی مدت درکار ہوگی آپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گی ــــــ صورت حال یہ تھی کہ محترمہ فاطمہ جناح کسی طاقت یا سیاسی چال کے ذریعہ ملک پر مسلط نہیں ہو رہی تھیں، ناگزیر حالات کے تحت انہیں اس ذمہ داری کے لئے آمادہ کیا گیا تھا!

پاکستان کے ایک ہفت روزہ اخبار میں عرب علماء کے فتاویٰ شائع ہوئے ہیں جنہوں نے عورت کی امارت کو ناجائز قرار دیا ہے! اس قسم کے مسائل میں اصل چیز وہ عبارت ہے جس کی بنیاد پر فتویٰ طلب کیا جاتا ہے، مثلاً کوئی شخص کسی مفتی سے یہ پوچھے کہ ــــــ

"فلاں شخص نے ایک نامحرم عورت کو پکڑا اور اسے مکان سے اُٹھا کر سڑک پر لے گیا۔ ۔ ۔"

ــــــــــــ تو ــــــــــــ

وہ مفتی اس سوال کے جواب میں کسی تامل کے بغیر یہی فتویٰ دے گا کہ مرد کا یہ فعل شریعت کی رو سے ناجائز اور حرام ہے! اگر مفتی صاحب سے فتویٰ ان لفظوں میں لیا جائے

"ایک مکان میں آگ لگ رہی تھی ایک مرد نے نامحرم عورت کی جان بچانے کے لئے اُسے اپنے ہاتھوں پر اُٹھایا اور مکان سے باہر نکال لایا۔ ــــ"

اس صورت میں مفتی شریعت کی رو سے مرد کے اس "فعل" کو جائز بلکہ مستحسن ٹھیرائے گا! کوئی شک نہیں عرب علماء جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے اس موقف پر حیرت کا اظہار کر رہے ہیں مگر ان حضرات کو صحیح صورتِ حال کا پتا نہیں ہے، جس کسی کو حقیقت حال اور نفسِ واقعہ بتا دیا جاتا ہے تو اُس کی سمجھ میں اصل بات آجاتی ہے، اگر عرب ممالک کے ان صاحبانِ علم و افتاء کو فتویٰ طلب کرتے وقت یہ بھی بتا دیا جاتا کہ کن دینی مصلحتوں کے ازالہ کے لئے "اہون البلیتین" کے تحت عورت کی صدارت کی قباحت کو گوارا کیا جا رہا ہے، تو گمان غالب ہے کہ وہ اباحت و جواز کا فتویٰ دیتے ــــــ پاکستان کے بعض اکابر علماء نے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کی صدارت کا مسئلہ نہ تحریف دین ہے نہ ہدم دین ہے، ورنہ یہ حضرات اتنی بڑی دینی قباحت اور خرابی پر خاموش نہ رہتے جب کہ ایسا کرنے میں اقتدار کی برہمی کی بجائے، اُس کی خوشنودی کی سو فی صدی توقع تھی، پاکستان کے اہل حدیث حضرات کا عام طور پر رجحان عورت کی صدارت کے جواز و اباحت ہی کی جانب رہا ہے۔

مولانا سید مہدی حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ اس مسئلہ میں جماعتِ اسلامی کے موقف کا سب سے زیادہ موید اور تقویت دینے والا سمجھا جاتا تھا مگر اس سلسلہ میں مولانا عتیق الرحمٰن صاحب مدیر "الفرقان" (لکھنؤ) نے مولانا سید مہدی حسن صاحب کو اتنا مدلل خط لکھا کہ ان پر حق واضح ہو گیا اور انہوں نے اپنے دئے ہوئے فتوے سے رجوع کر لیا، مدیر "الفرقان" کے اس کارنامے کی سب سے زیادہ داد بلکہ مبارکباد مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی طرف سے ملے گی کہ جماعتِ اسلامی کے موقف کو ایک تائیدی فتوے اور فقہی دستاویز سے محروم کر دیا گیا ــــــ ان مفتی صاحب کو یہ حادثہ بھی پیش آچکا ہے کہ دیوبند ہی کے ایک بہت بڑے بزرگ کی تحریر پر انہوں نے ضلالت اور عیسائیت و قادیانیت کا فتویٰ دیا اور پھر دارالعلوم دیوبند ہی کے علماء اور مفتیوں نے اُس کی تردید میں دوسرا فتویٰ صادر فرما دیا!

مولانا سید مہدی حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا یہ فتویٰ جس میں عورت کی امارت کو مباح قرار دیا گیا ہے جماعتِ اسلامی کے موقف کی تائید میں نقل کیا گیا تھا تو دیوبند سے متوسل اخبارات میں یہ الزام لگایا گیا تھا کہ جماعتِ اسلامی کے اخباروں اور رسالوں نے مفتی صاحب کے فتوے کو کاٹ چھانٹ کر شائع کیا ہے، اس فتوے میں ایک ایسی "شرط" لگا دی گئی ہے جس سے جماعتِ اسلامی کے موقف کی تائید و تصویب نہیں ہوتی، حالانکہ "شرط" (کامیابی کی شرط)

اضافی تھی؛ جب مفتی مہدی حسن صاحب کا فتویٰ جماعت اسلامی کے موقف کی تصویب و تائید ہی نہیں کرتا تھا تو مفتی صاحب کو اپنے فتوے سے رجوع کرنے کی کیا ضرورت تھی، یہ کیسے لوگ ہیں جو سیدھی سچی بات کو تاویلوں کے چکر میں ڈال کر حقیقت حال کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں !

مفتی مہدی حسن صاحب نے اپنے دئے ہوئے فتوے سے رجوع کر لیا اچھا کیا، ہم اُن کی نیت اور دیانت کے بارے میں حُسنِ ظن رکھتے ہیں۔ مگر اُن کے فتوے کا جو فقہی موقف تھا، وہی موقف اس مسئلہ میں جماعتِ اسلامی کا تھا، تو جماعت اور مولانا مودودی پر تحریف دین اور انہدام دین کی جو فردِ جرم لگائی گئی ہے، وہ کتنی نامنصفانہ اور ظالمانہ ہے !

پاکستان کے قیام کے بعد ہی سے جماعتِ اسلامی نے اقامتِ دین کی جدوجہد شروع کر دی تھی، یہاں کا دستور کتاب و سنت کی اساس پر بننا چاہئے اس کے لئے جماعت نے برسوں پورے جوش اور اخلاص و صداقت کے ساتھ باقاعدہ منظم مہم چلائی ہے، اسلامی ریاست کے کیا خصائص اور وظائف ہیں! اسلامی دستور کیا ہونا چاہئے! جماعتِ اسلامی کی کتابوں، رسالوں اور اخباروں میں سینکڑوں صفحوں کا لٹریچر اس موضوع پر موجود ہے! چودھری محمد علی کے دورِ وزارت عظمیٰ میں برسوں کے انتظار اور جدوجہد کے بعد جب خدا خدا کرکے دستور بنا تو اس میں اسلامی اقدار کی جتنی بھی جھلک پائی جاتی تھی، اُس پر جماعت اسلامی کی دستور سازی کی جدوجہد اور اس کے دینی افکار بہت کچھ اثر انداز ہوئے تھے، اس دستور کی ایک دفعہ یہ تھی کہ پاکستان کا صدرِ مملکت "مرد" ہوگا، مگر فوجی انقلاب کے بعد مرکزِ اقتدار کی سرپرستی میں پاکستان کا جو دستور مرتب ہوا تو اس میں صدرِ مملکت کے لئے "مرد" ہونے کی شرط کو حذف کر دیا گیا۔ جماعتِ اسلامی آج بھی یہی عقیدہ رکھتی ہے کہ حکومت کا سربراہ "مرد" ہی کو ہونا چاہئے، مگر جو اربابِ حل وعقد حکومت کی سربراہی اور صدارت و امارت کے لئے مرد و عورت میں کوئی فرق و امتیاز ہی نہیں کرتے اور اس اہم ترین ذمہ داری میں مرد و زن کی مساوات کے قائل ہیں —— دراصل نقد و احتساب کے سزاوار یہ حضرات تھے مگر ہمارے حامیانِ دینِ مبین اور فقیہانِ شرعِ متین نے ان بڑے آدمیوں سے تو صرفِ نظر کر رکھی ہے اور جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی پر طنز و طعن اور ملامت و عیب جوئی کے ہتھیاروں ۔

یہ مخالفت !!؟

عورت کی صدارت و امارت کے مسئلہ میں تمام ناقدین ایک ہی ذہنیت کے نہیں ہیں، بعض مفکرین اور اہلِ قلم نے سنجیدہ لہجہ میں بھی جماعت اسلامی کے موقف سے اختلاف کیا ہے، مگر یہ بات بھی دیکھنے میں آرہی ہے بلکہ یوں کہئے نئے سرے سے اس کا تجربہ ہوا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ذات سے جس کو جتنی کد ہے، اُسی اعتبار سے خامہ تنقید نے برہمی کا اظہار کیا ہے، ہندوستان کے بعض اہلِ قلم اور صاحبانِ فکر و نظر اس مسئلہ میں پاکستان کے علماء اور قلم کاروں سے کہیں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لے رہے ہیں، حالانکہ اُن کے اپنے مسائل ہی اتنے نازک، شدید الجھے ہوئے اور پریشان کن ہیں کہ انہی میں اپنی توانائی صرف کرتے تو اُن کے لئے بہتر ہوتا، مسئلہ زیر بحث میں اصل چیز "اضطرار" اور پاکستان کے حالات کی کشمکش انگیز نوعیت ہے، جس کا اندازہ پاکستان کے لوگ ہی اچھی طرح کر سکتے ہیں، جن سے وہ دوچار ہیں۔ ہندوستان کے دانشوروں میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر "صدقِ جدید" اور پاکستان میں حضرت مولانا امین احسن اصلاحی اس مسئلہ میں سب سے زیادہ شدید و سخت گیر نظر آتے ہیں، ان دونوں بزرگوں کے مزاج و ذہن میں اس اعتبار سے ایک طرح کا اشتراک اور ہم رنگی بھی پائی جاتی ہے کہ جمال ناصر جیسے مستبد آمر کی انہوں نے تعریف و توصیف کی ہے، اُس جمال ناصر کی جس کے جور و ستم کی شدت اور تنوع کے آگے حجاج کے ظالمانہ کارنامے گرد ہو کر رہ گئے ہیں! مولانا عبدالماجد دریابادی نے جب جمال ناصر کو خراجِ تحسین پیش کیا تھا اور اخوان المسلمون پر زبانِ طعن دراز کی تھی تو مولانا سید ابوالحسن ندوی نے لکھا تھا کہ کاش! مولانا عبدالماجد دریابادی کے قلم سے لکھے ہوئے لفظوں کو میں اپنے خونِ دل سے مٹا سکتا —— اب رہے مولانا امین اصلاحی تو اُن کی اس قسم کی تحریروں کو مٹانے کے لئے بہت سے دلوں کا لہو درکار ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کا مزاج یہ ہے کہ جس کی طرف سے اُن کے دل میں گرہ پڑ جاتی اور کدِ ہو جاتی ہے پھر وہ کسی عنوان کُھلتی ہی نہیں ہوتی وہ شدید سے شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے اور جس سے طبیعت کو لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے اس کی محبت میں وہ کھلے ہوئے حقائق سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، ایک زمانہ وہ بھی گزرا

ہے جب وہ مولانا مودودی کے مداح تھے اور انہیں متکلم اسلام کے خطاب سے نوازا تھا۔ اس کے بعد فالباً سن ۱۹۴۰ء سے صاحب موصوف مولانا مودودی سے جو خفا ہوتے ہیں تو آج تک روٹھے ہوتے ہیں اور برہم و خفا ہیں اُن کی تحریروں کے اقتباسات جن میں مودودی صاحب پر اس مدت میں طنز فرمائی گئی ہے اگر جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹی موٹی کتاب بن سکتی ہے! "صدقِ جدید" میں مولانا دریا بادی نے مولانا مودودی کی بعض تقریروں اور تحریروں کے ایسے اقتباسات اپنے پرچے میں نمایاں کرکے درج کئے ہیں جو مارشل لا کے زمانے میں مولانا مودودی کو خاصی پریشانی بلکہ مصیبت میں ڈال سکتے تھے!

کسی شخص کو مطعون کرنے کا سب سے زیادہ ہوشیارانہ انداز یہ ہے کہ پہلے اُس کی تعریف کی جائے، تم اتنے بڑے آدمی ہو، تمہاری یہ یہ خدمات و صفات ہیں پھر اُسی تعریف و توصیف کی نسبت سے اُس کی مذمت کی جائے یعنی انگریزی زبان و اصطلاح میں اسے "condemn" کیا جائے کہ تم نے کیا کیا؟ تم سے ایسا برا فعل سرزد ہوا؟ تم نے اپنی شخصیت اور مسلک کو بٹہ لگالیا، تم سے اس گراوٹ اور بے دانشی کی اُمید نہ تھی ...... عورت کی صدارت کے مسئلہ میں مولانا مودودی کی تحقیر و تضحیک کے لئے مولانا دریا بادی نے شباب یہی ٹیک نک اختیار فرمائی ہے، تنقید کا انداز یہ ہے کہ مودودی صاحب کا دینی فہم، اور عزیمت و استقامت میں کوئی جواب ہی نہ تھا عورت کی امارت کو مباح قرار دے کر انہوں نے ایسا شدید و خوفناک گناہ کیا ہے کہ اب ان کی کوئی خوبی اور صفت قابل اعتبار نہیں رہی، اپنی خوبیوں کے لحاظ سے ابوالاعلیٰ مودودی "مرحوم" ہو چکے، انسان کی اس لغزش کے سبب ایک ایسا سانحہ بلکہ المیہ وقوع میں آیا ہے کہ اسلامی تاریخ میں شاید اس کی مثال ہی نہیں مل سکتی! مولانا دریا بادی نے اپنے جریدہ "صدقِ جدید" میں کئی بار اس موضوع پر لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے اُس کی سمیت اور شدت کا خلاصہ اور ستاثر ہم نے اپنے لفظوں میں ظاہر کردیا ہے۔

دوسری طرف قادیانی فرقہ سے مولانا عبدالماجد دریا بادی کو جو دلی ربط پیدا ہوا ہے تو اس معاملہ میں اُن کی ضد کا یہ عالم ہے کہ اپنے پیرو مرشد کی سنتے ہیں نہ جمہور علماء کی بات مانتے ہیں، قادیانیوں کی مدح و توصیف کے وہ حیلے ڈھونڈتے اور موقعے نکالتے رہتے ہیں، اُن کی عبارتوں کو یکجا کیا جائے تو قادیانیوں کی مدح و ثنا میں ایک پوری کتاب مرتب ہوسکتی ہے، تمام عالم اسلام اس فرقہ ضالہ کے کفر و ارتداد پر متفق اور یک زبان ہے مگر مولانا دریا بادی کا فلسفہ اور علم کلام اس میں صرف ہوتا رہا ہے کہ یہ کفر و ارتداد گھٹ کر اور سمٹ سمٹا کر کیسے بھی معتزلہ کی "فکری گمراہی" کی برابر رہ جائے ——— مسٹر غلام محمد پاکستان کے بدنام گورنر جنرل رہے ہیں، مذہبی عقائد کے اعتبار سے کہاں "دیوہ شریف" اور کہاں "دیوبند"! مگر مولانا عبدالماجد دریا بادی کے دل میں اُن کے لئے بھی گنجائش نکلی ہے، اور یہ ربط قلم سے بھی "صدقِ جدید" کے صفحات پر ظاہر ہوا ہے۔

پاکستان میں مولانا امین احسن اصلاحی نے عورت کی صدارت کے مسئلہ میں جو روش اختیار فرمائی ہے وہ اُن کے مخلص نیازمندوں اور اہل عقیدت کے لئے سخت حیرت انگیز اور شدید اذیت کوش ہے! مولانا موصوف نے ایک خاص طبیعت پائی ہے ذرا سی بات پر بہت جلد اور بہت زیادہ مشتعل و غضب ناک ہو جانا اُن کا مزاج ہے اور اس عالم میں کسی کی مدح ہو یا ذم جس طرف بھی قلم چل پڑے، بس اُس کا حق ادا کردیتے ہیں! غضب و اشتعال کی بجائے اعتدال کی حالت ہو تو مولانا اصلاحی صاحب کے زبان و قلم سے علم و حکمت کے لعل و گہر کی تراوش ہوتی ہے! جماعتِ اسلامی سے وہ علیحدہ ہوئے تو جھنجلاہٹ کے عالم میں اسے "گمراہ" ٹھہرایا، حالانکہ جماعت نہ تو کسی دینی عقیدہ کے اعتبار سے گمراہ ہوگئی تھی اور نہ عمل کے لحاظ سے اُس کی کسی حرکت پر "گمراہی" کا حکم لگایا جاسکتا تھا۔ اسمبلیوں کے انتخابات میں حصہ لینے یا نہ لینے سے گمراہی منسوب نہیں کی جاسکتی اور جماعت کی کسی کمیٹی یا رکن کے خلاف کسی قسم کا انتظامی ایکشن لینا بھی "ضلالت" نہیں ہے، مولانا موصوف نے جماعت سے علیحدہ ہوجانے کے بعد مولانا مودودی کے ساتھ پہلی زیادتی اور ناانصافی یہ کی کہ اُن کے بارے یہ ارشاد فرمایا: ———

لافرق بین المودودی و پرویز (مودودی اور پرویز کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے)

پھر مارشل لا کے زمانے میں جماعت اسلامی کے ارکان و وابستگان کو "چوہوں" سے تشبیہ دی، اس کے بعد سے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی مولانا اصلاحی صاحب کی جولانگاہِ کرم اور توجہ خاص (؟) رہی ہے اُس کی جھلکیاں "میثاق" میں دیکھی جا سکتی ہیں !

عورت کی صدارت کے مسئلہ میں اُنہیں اختلاف کرنے کا حق حاصل تھا، مگر انہوں نے جو شدت اختیار فرمائی ہے اُسے بھی کسی طرح گوارا کر لیا جائے لیکن تازہ ترین میثاق میں مولانا اصلاحی صاحب نے صدارتی انتخاب کی کامیابی پر جس والہانہ انداز میں مبارک باد دی ہے، اس الیکشن کو جس جوش مسرت کے ساتھ منصفانہ اور عادلانہ بتایا ہے اور پاکستان کے ارباب اقتدار کی جس طرز پر مدافعت اور قصیدہ خوانی کی ہے اُس نے اُن کے بارے میں عجیب سوالات ذہنوں میں ابھار دئے ہیں کہ مولانا کے اندر اس قسم کا انقلاب کیسے پیدا ہوا، اُن کے قلم سے اس قدر خوشامدانہ جملے کیسے نکلے، اللہ تعالیٰ دلوں کا حال جانتا ہے، ہم جیسے اُن کے نیاز مند یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ مولانا اصلاحی صاحب ضد، جھنجلاہٹ اور خاص طور سے جماعت اسلامی کی دشمنی میں اس سطح تک بھی آ سکتے ہیں۔ اُن کا یہ مضمون پڑھنے کے بعد راقم الحروف نے اُنہیں خط لکھا کہ فروعی اختلافات کے ہوتے ہوئے آپ کی ذات سے جو شدید حُسن ظن تھا آپ کی تازہ تحریر پڑھ کر اُس حسن ظن کا جنازہ لئے بیٹھا ہوں !

مولانا اصلاحی صاحب نے عورت کی صدارت کے مسئلہ پر جو مضامین لکھے تھے اور ان میں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو جس سختی کے ساتھ ہدف ملامت بنایا تھا، وہ مضامین حکومت نے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کئے، یہاں تک کہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ انہیں برسایا اور پھیلایا گیا —— مولانا صاحب موصوف کا بھولپن تو دیکھیے اس "سرکاری نشر و اشاعت" پر وہ فخر و ناز کے ساتھ اپنے قلم سے یہ لکھتے ہیں کہ اتنی داد تو مجھے آج تک کسی مضمون پر نہیں ملی !! بیشک نہیں ملی، ملتی کیسے حکومت نے پہلی بار آپ کے مضامین کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا ہے، اس چیز کو آپ پبلک کی داد اور مقبولیت عوام سمجھ رہے ہیں آپ کی اس سادگی کو آخر کیا نام دیا جائے ! مولانا اصلاحی صاحب عورت کی صدارت و امارت اور حاکمیت کو ناجائز سمجھتے ہیں اور پاکستان کے ارباب اقتدار نے دستورِ پاکستان میں "مرد" کی شرط کو حذف کر دیا ہے، مولانا اصلاحی صاحب کو اُن کے مضامین پر "داد" انہی بڑے لوگوں نے دی ہے، جو اس مسئلہ میں مولانا موصوف کے مخالف ہیں، اور بالکل دوسرا نقطۂ نگاہ رکھتے ہیں ! حکومت کو مولانا موصوف کے مضامین سے جو کام لینا تھا، وہ لے لیا گیا، اس "داد" پر حیرت ہے کہ مولانا شرمانے کی بجائے خوش ہو رہے ہیں اور فخر و ناز فرما رہے ہیں ! مولانا نے یہ مضامین لکھ کر دراصل ناانصافی، دھاندلی اور جبر و نیادتی کے ہاتھ میں خوشنودی، کارکردگی اور نیک چلنی کا صداقت نامہ (سارٹیفکٹ) تھما دیا ہے ! مولانا موصوف نے اپنی ان تحریروں میں داد و بیداد، صبر و جبر اور ظلم و مظلومیت کے معنی ہی سرے سے بدل دیے ہیں ! اس کا خیال تک بھی کسی کے ذہن میں نہ آسکتا تھا کہ مولانا اصلاحی صاحب کو یہ فن "بھی" آتا ہے !

جہاں تک عورت کی حاکمیت اور صدارت کے مسئلہ کا تعلق ہے، جماعتِ اسلامی اور جمہور علماء کا موقف مجموعی طور پر مختلف نہیں ہے، جماعت اسلامی اصولی حیثیت سے آج بھی حاکمیت و امارت کے لئے مرد ہی کو موزوں اور اہل سمجھتی ہے "عورتوں کے اقتدار و اختیار اور حاکمیت میں بے شک "فلاح" نہیں ہے" جماعت نے اس کا بھی اعلان کیا ہے کہ غیر معمولی حالات میں محترمہ فاطمہ جناح کی صدارت کی جو حمایت کی گئی تھی وہ آئندہ کے لئے "نظیر" نہیں بن سکتی ! بس اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا غیر معمولی حالات میں بہ طور اضطرار "اہون البلیتین" کے تحت بھی عورت کی امارت گوارا نہیں کی جا سکتی !! —— اور یہ بھی کہ پاکستان میں اس طرح کا اضطرار پایا جاتا تھا یا نہیں !

جہدِ مسلسل جماعتِ اسلامی کے سامنے "اقامتِ دین" کی منزل ہے، اس میں کامیابی کے لئے مختلف ذرائع اور مرحلے پیش آ سکتے ہیں، کسی سے وصل، کسی سے فصل !! انتخابات میں حصہ بھی لیا جا سکتا ہے اور اُن کا بائیکاٹ بھی ہو سکتا ہے، جماعتِ اسلامی پر لگے پہلے الزام لگائے جاتے تھے کہ یہ جماعت دوسری پارٹیوں کے ساتھ مل کر کام نہیں کر سکتی، اب کے اس نے سیاسی پارٹیوں سے اتحاد کر کے بھی دکھا دیا، ان پارٹیوں کے اکابر کو اس کا احساس ضرور ہوگا کہ جماعت کس قدر اصول کی پابند ہے اور اس کے نمائندے اور کارکن کتنے فرض شناس، دیانت دار اور معاملہ فہم ہیں ! جماعت اسلامی کی کسی پالیسی یا

شخصیت سے دشمنی نہیں ہے، اُس کے اتحاد و اختلاف کی بنیاد دین و اخلاق کی خیر خواہی پر ہے، جہاں نیکی، انسانیت، دین و اخلاق اور فلاحِ عوام کے امکانات اور گنجائشیں ہوں گی، وہاں جماعت کا تعاون و ہمدردی کا رویہ ہوگا، جس جگہ خود غرضی، نفسا نفسی، اخلاق شکنی اور دین کے اصولوں سے تصادم ہوگا، وہاں جماعت سے کسی کو بھی تعاون و تائید کی امید نہیں رکھنی چاہئے!

جماعتِ اسلامی کی لغت میں "مایوسی" جیسا کوئی لفظ سرے سے ہے ہی نہیں، جماعت کا اُس ذاتِ پاک پر ایمان ہے جو حیّ و قیوم ہے، جس کی قدرت لازوال ہے، اس ایمان و یقین کے بعد "مایوسی" کا خطرہ بھی قلبِ مومن میں نہ آنا چاہئے! یہ دنیا دارالعمل اور مزرعۂ آخرت ہے، یہاں کے حالات بدلنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے اور نہ انسان اس کا مکلف ہے، تغیر و انقلاب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ایک ذرہ بھی اُس کی مشیت و قدرت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا! ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ نماز پڑھتے میں نمازیوں پر مسجد کی چھت گر جانے سے بہت سے مسلمان دب کر مر گئے ہیں، مگر مسجد کے قریب ہی جو شراب خانہ واقع ہے اُسے کوئی گزند نہیں پہونچی، اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت و تکوین ہماری تمناؤں کا پابند نہیں ہے، اسی دنیا میں انبیاء کرام تک قتل ہوئے ہیں اور ان کے قتل کرنے والوں پر آسمان سے فوراً بجلی نہیں گر پڑی، نبیوں اور رسولوں کے بعد حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ — محبوب خدا کے نزدیک اور کون ہو سکتا ہے، مگر ......

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ بتولؑ

اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خلوص و صداقت کے ساتھ امکانی جد و جہد کرنا اور مرتے دم تک اسی کام میں لگے رہنا ہے یہاں تک کہ اسی راہ میں موت آجائے! قیامت کے دن ہم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے ماحول کو کیوں نہیں بدل دیا تھا، پرسش اس کی ہوگی کہ تم نے حالات کو بدلنے کے لئے کیا کیا؟ بندۂ مومن کی زندگی اسی سوال کا مجسم جواب بن جانی چاہئے! حق کی راہ پھولوں کی سیج نہیں ہے، یہاں قدم قدم پر مشکلوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، مصائب کی اسی آگ میں تپ کر زندگی کندن بنتی ہے، انسانی کوششوں کے جب خلافِ توقع نتائج سامنے آتے ہیں تو طبعاً آدمی کو رنج ہوتا ہے اور دل ٹوٹتا ہے مگر دل کی یہی جراحت و شکستگی تو انسان کی متاع ہے کہ ٹوٹے ہوئے دل ہی تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت کے آشیانے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ کی مظلومیت بھی بڑی پیاری چیز ہے! یہاں چوٹیں کھانے اور زخم سہنے میں بھی مزہ آتا ہے!

جماعتِ اسلامی جس کا مقصود "اقامتِ دین" ہے اس کی سرگرمی کسی الیکشن یا اسی قسم کے کسی خاص پروگرام کی پابند نہیں ہے، جماعت کے سامنے تو ہر وقت کام ہی کام ہے، اگر پاکستان ہی نہیں ساری دنیا میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو بھی جماعت کا کام ختم نہیں ہو سکتا اور اُس کے کارکنوں کو فرصت میسر نہیں آسکتی! یہ قافلہ تو ہمیشہ جادہ پیما ہی رہے گا، اس فضا میں تو سدا بانگِ جرس ہی گونجتی رہے گی! کامیابی ہو یا ناکامی فضا سازگار ہو یا ناسازگار، لوگ ساتھ دیں یا نہ دیں، دنیا والوں سے داد ملے یا ملامت، پھول برسیں یا انگارے، خوشی کی دھوپ ہو یا اندوہ و مصائب کا دھندلکا ہر حال میں کام کرتے رہنا ہے! یہاں تک کہ "اولٰئک ھم المفلحون" کی بشارت کے مصداق بن جائیں! (آمین)

ماہر القادری
یوم الجمعہ ۔ ۱۹؍ فروری ۶۵ء

مرزا منور علی بیگ انجمن
گیسودراز پاکستانی

تصاویر
فوٹو کی شرعی حیثیت

تمہید :

دین اسلام میں علم و عمل کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے ذاتی رجحانات کو ثانوی حیثیت دے دے یعنی خدائے تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنی زندگی کا اولین عمل ٹھیرائے اور اس عمل اولیٰ کے مقابلے میں اپنے ذاتی رجحانات کو کتاب و سنت کے تابع کر دے ایسا نہ کرنے والوں پر اعتراض کیا گیا کہ :—

بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقیٰ — آپ لوگ تو حیات دنیا کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ آخرت (مسلمان کے لئے) بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔

اس لئے غور و فکر کا انداز، دنیا کے آرام و راحت حاصل کرنے کی بجائے آخرت کے لئے مصائب کو جھیلنے کے رجحان کو ترجیح دینے والا ہونا چاہیئے اگر یہ بات نہ ہو تو عالم کا عمل اور مضمون نگار کا مضمون اُسے خدائے تعالیٰ کے عقاب جہنم کے حوالے کر دیتا ہے اس خیال کی تصدیق میں قرآن مجید کی ایک آیت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

فاما من طغیٰ واثر الحیوٰۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ — جس نے سرکشی کی اور حیات دنیا کو ترجیح دی تو (اُس کا اس سبب سے) دوزخ ٹھکانہ ہوگا۔

ان مضمون کو اسی نصب العین کے ساتھ پڑھئے کہ آخرت کو ترجیح دیتے ہوئے —— حق کو بلند کرنے کے لئے اس کے خلاف حاصل ہونے والے ہر آرام اور ہر مسرت کو ٹھکرا دیں گے۔

· علم ہدایت اور علم ضلالت کی پہچان :——

(۱) . . . وان کثیراً لیضلون باھواءھم بغیر علم (انعام ۱۱۹) — کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اپنے اُن خواہشات و خیالات کے سبب جن کی تائید علم (وحی) نہیں کرتا گمراہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءك من العلم مالك من اللہ من ولی ولا نصیر (بقرہ ۱۲۰) — اے نبی! اگر آپ نے ان انسانوں کے خیالات کی پیروی کی درآنحالیکہ آپ کے پاس (اللہ کے پاس سے) علم آچکا تو خدائے تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لئے نہ آپ کا ولی ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔

(۳) فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا ۔ (نساء ۱۳۵) ٭ اپنے ذاتی خیالات کی پیروی نہ کرو اگر تم کو عدل پر قائم رہنا ہو ۔

حسب بالا پہلی دو آیات میں علم (وحی) اور ھویٰ کی نشاندہی کی گئی جن میں یہ بتایا گیا کہ خدا تعالیٰ کی جانب سے نبیؐ کے پاس جو کچھ بھیجا گیا ۔ وہی علم ہے "جاءک من العلم" کے یہی معنیٰ ہیں ۔ اور اس کے علاوہ انسان کے پاس خیالات کا جتنا ذخیرہ ہے وہ سب کا سب ھویٰ کہلاتا ہے (خواہ اُس کو انسان اپنے طور پر علم ہی کے نام سے یاد کرے) ذرا الفاظ بدل کر تشریح میں سہولت کی خاطر علوم نبوت کو " علم ہدایت " ــــــ اور ھویٰ یعنی انسانی اُن خیالات کو جن کا ماخذ علم نبوت نہیں ہوتا " علم ضلالت " کے نام سے یاد کیا جائے گا ۔

علم ضلالت یعنی ھویٰ پر عمل کرنے والوں کو خدائے تعالیٰ نے ذیل کے تحت الفاظ میں تنبیہ دی ہے ۔

ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب (ص ۲۶)	جو لوگ اللہ کے راستے سے گمراہ کرنے والے ہیں انہیں سخت ترین عذاب دیا جائے گا اس لئے کہ یہ لوگ یوم حساب کو بھول گئے ہیں ۔

خدائے تعالیٰ کے عذاب دینے کی یہ دھمکی ایک مومن کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ عمل کرنے سے پہلے ، علم ہدایت جس کی تشریح اوپر ہو چکی ہے اور علم ضلالت جسے قرآن مجید " ھویٰ " کے نام سے یاد کرتا ہے دونوں میں تمیز اور دونوں میں شناخت کرے تاکہ حق کا قدم گمراہی پر نہ پڑے بلکہ ہدایت پر چلتا رہے ۔

فقہا کے علمی اجتہادات میں ہمیشہ خطا یا صواب کا امکان موجود رہتا ہے پھر بھی مجتہد کو خطا کے باوجود ایک درجہ ثواب دیا جاتا ہے تاہم اُس پر یہ بھی فریضہ عائد ہے کہ خطا کے ثبوت کے فراہم ہوتے ہی اُس سے رجوع کرے یعنی اپنی اجتہادی خطا ترک کرکے ، دوسرے کے پیش کردہ صواب کو تسلیم کرلے ۔ چنانچہ ائمہ فقہاء کی زندگی میں اس کا ثبوت موجود ہے ونیز انہوں نے عامۃ المسلمین کو مشورہ بھی یہی دیا ہے کہ اگر ان کی رائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے کسی فرمان سے ٹکراتی ہو تو ان کی اس رائے کو ٹھکرا دیا جائے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے فرمان پر عمل اختیار کرلیا جائے ۔ فقہاء کے اس مشورے کی بنیاد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اجتہادی خطا کا ، اس کے خطا ہونے کے ثبوت کی فراہمی کے بعد ـــــ علم ضلالت پر مبنی ہونا ثابت ہو جاتا ہے اس لئے اس کو ترک کر دینا لازمی ہے ۔

اور اُس کے مقابل میں جو صواب پیش کیا جاتا ہے اُس کو قبول کرنا لازمی ہو جاتا ہے ۔

اسی نقطہ نظر کے ساتھ اس سے پہلے راقم الحروف نے مولانا ابوالکلام آزاد کے جواز تصاویر کے رجحان پر اختلافی تبصرہ کیا جسے ماہنامہ "امام" کراچی نے جولائی ۱۹۶۳ء میں شائع کیا ۔ اب مولوی رفیع اللہ خاں صاحب صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج گوجرخان کے مضمون " فوٹو کی شرعی حیثیت " پر بھی تبصرہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے چنانچہ اُسے تصاویر ۲ کے زیر عنوان ضروری تمہید کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے ـــــ فاصلحوا بین اخویکم کی تعمیل میں ایسا کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے ۔

<u>فوٹو کے جواز کے لئے " لیس لہ ظل " (یعنی بے سایہ پن) شرعی علت نہیں ۔</u>

اس ذیل کے سوال کا جواب کیا دیا جائے گا ؟

مولوی رفیع اللہ خاں صاحب کا خیال ، ماہنامہ " فکر و نظر " اپریل ۱۹۶۴ء کے صفحہ ۵۸ پر حسب ذیل الفاظ میں نظر سے گزرا ....

چونکہ فوٹو کا بھی کوئی سایہ وغیرہ نہیں ہے اس لئے وہ بھی اکثر ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔"

راقم الحروف کا اعتراض یہ ہو کہ اگر یہی بات صحیح ہے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے بلاسایہ فوٹو کا وجود دورِ صحابہ و دورِ نبوت ہی سے کیوں مفقود ہے؟ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ایسے جواز کی شکل میں مسلمان کے گھر میں موجود ہونی چاہیے تھی؟!!

مذکورہ ماہنامے ہی کے صفحہ پر ہے "احادیث اور فقہ سے جن تصاویر کی حرمت کا پتہ چلتا ہے، وہ مجسم یعنی جسم والی تصاویر ہیں مثلاً بت وغیرہ دوسری تصاویر جن کا سایہ نہ ہو تو اکثر ائمہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔"

—— آں صدرِ شعبۂ عربی کا یہ خیال حدیث کے خلاف ہے۔ اول تو یہ کہ خود موصوف مذکور نے جن احادیث کو پیش کیا ہے، اُن میں جن علتوں کا ذکر ہے وہ "الا رقماً فی ثوب" اور "مرط مرحل من شعر اسود" ہیں، لیکن ان میں بھی علت، سایہ دار تصویر یا غیر سایہ دار تصویر میں بیان کی گئی۔

دیگر جن فقہاء کے حوالے سے حسب بالا خلافِ حدیث خیال پیش کیا گیا، انہوں نے "لہ ظلّ" اور "لیس لہ ظلّ" کی جو بحث اٹھائی ہے اس کی بنیاد، وہ علم ہدایت نہیں ہے جس کے ذریعہ قرآن مجید نے —— "الحق من ربک" اور "الذی جاءک من العلم" کہہ کر حق و باطل کی حدبندی کر دی ہے۔

بلکہ ان فقہاء کی اِس قائم کردہ علت کا دار و مدار کل کا کل، وہ، ہوئی اور ظن (اجتنبوا کثیراً من الظن) ہے جس کے متعلق راقم الحروف نے اوپر یہ ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ اس ہوئی یا ظن کا ماخذ علم نبوت نہیں ہوتا۔

اب رہا ان فقہاء کے ان آراء کو صرف اجتہادات ہونے کے سبب دین میں کوئی اہم رتبہ عطا کر دینا تو ایسا کرنا صریحاً قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ قرآن وسنت تو صرف اُس مقام پر اجتہادات کو اہمیت دیتے ہیں جہاں صریحاً قرآن وسنت میں کوئی حکم موجود نہ ملتا ہو۔

جب احادیث میں صریحاً "الا رقماً فی ثوب" اور "مرط مرحل" کے الفاظ میں علت پیش کر دی گئی ہے تو —— انما ینھیٰ عما کان لہ ظلّ ولا باس بالصور التی لیس لہ ظل —— کی علتیں یا شرطیں حدیث کے کس اشارے سے اخذ کر لی گئیں ہیں؟

لگے ہاتھوں قرآن مجید کی آیت ذیل؟

ویعملون لہ ما یشاء من محاریب وتماثیل — اور جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جیسا بھی وہ چاہتے تھے محاریب وتماثیل بناتے تھے۔

جس کو محترمی رفیع اللہ صاحب نے بھی خود پیش کیا ہے، کی بیان کردہ علت "تماثیل" کو بھی دوسری علتوں کے ساتھ زیر بحث لانی چاہیئے۔

تمثال کے معنی:

عربی زبان میں تمثال صرف مجسمے ہی کو نہیں بلکہ ہر شے کے "سایہ" کو بھی کہا گیا ہے خواہ وہ مادی مجسمہ ہو یا کسی اور طریقے پر اصل چیز کی چھاؤں ہو —— یعنی مجسمہ بھی اپنی اصل کی ایک چھاؤں ہوتا ہے جس کی ساخت مادیات۔ پتھر، مٹی، لکڑی یا کوئی اور شے مثلاً پیتل وغیرہ کے علاوہ قلمی نقوش یا سوئی یا اونی کشیدہ کاری کے ذریعہ بنائی جاتی ہے مثلاً کپڑے پر شہر کا نمونہ یا کاغذ پر طوطے کا نقش یا مٹی کا بنا کر رنگ کیا ہوا آم وغیرہ۔

دھوپ میں کھڑے ہو جایئے تو زمین پر سایہ گرے گا دھوپ میں سے ہٹ جایئے آپ کا سایہ ختم ہو جائے گا لیکن یہ سایہ جب کاغذ پر نقش و عکس کی شکل میں مسخر کر لیا جاتا ہے تو اس کا اصطلاحی نام اردو میں تصویر ہے۔ یہی سایہ جب مٹی کے پتلے کی شکل میں آ جاتا ہے تو مجسمہ کہلاتا ہے گویا تصویر و مجسمہ، سایہ اور چھاؤں ہی

لہ ماہنامہ ... سے جس کو بعد کے صفحات میں پیش کیا جارہا ہے۔

کی ایک بڑھی ہوئی قسم ہے، جیسے انسانی شکل کے علاوہ حیوانوں کے بھی بنا کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف کاریگری سے درخت، تالاب، چاند اور سورج کے مناظر بھی بنائے جاتے ہیں یہ سب کے سب تمثال ہی میں داخل ہیں۔

تماثیل سلیمانی

قرآن مجید نے جس زیر بحث آیت میں تمثال کے جواز کی علت بیان کی ہے اُس میں۔ ما یشاء ـــــ کے الفاظ اضافہ کرکے اس بات کی نفی کر دی ہے کہ تمثال سے مراد ہر قسم کی تمثال نہیں تھی بلکہ صرف وہی تمثال تھی جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام مناسب سمجھتے تھے۔ البتہ یہ تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ وہ کون سے کون سے تماثیل تھے، جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنوائے تھے؟ محض لفظ تماثیل کے اس آیت میں استعمال ہونے کی وجہ سے بیانات واضح اور صریح نہیں رہتی ہے کہ اس کے معنیٰ ہیں فلاں فلاں قسم کے نقوش و تصاویر آجاتی ہیں۔

تمثال کا مسئلہ اگر اہم ہوتا کہ اس کو معبود بنا لینے کے سبب ایسا مسئلہ نہ تھا جسے قرآن مجید تفصیل کے ساتھ بیان نہ کرے، تو حضور صلی اللہ علیہ آلہ وبارک وسلم بھی اس کی تفصیلات بیان نہ فرمائیں۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جس مسئلے میں قرآن مجید اجمال سے کام لیتا ہے وہاں حضور پاک تفصیل بیان فرماتے ہیں اور جہاں قرآن تفصیل بیان کرتا ہے آپؐ وہاں اجمال اختیار فرماتے ہیں۔

زیر بحث مسئلہ وہ تھا کہ اگر آپؐ خاموش ہو جاتے تو امت مسلمہ آپ کا تمثال تیار کئے بغیر نہ رہتی۔ چنانچہ اس کی ممانعت کے بارے میں آپ کے اتنے واضح ارشادات موجود ہیں کہ آیت زیر بحث مذکورہ بالا۔ ما یشاء ۔ ۔۔۔ الخ میں کون سے تماثیل مراد ہیں آسانی سے متعین ہو سکتے ہیں ـــــ ذرا جذبات سے بالاتر ہو کر تحقیق کرنی چاہیئے۔

محقق کا کام یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی مسئلے کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کا کما حقہٗ جائزہ لے۔ اس کے لئے اُس کا یہ طریقہ کار درست نہیں ہوتا کہ محض ایک آدھی آیت اور کچھ احادیث کو پیش کرکے کسی بھی مسئلہ کے متعلق اپنی آخری رائے پیش کر دے جب کہ اس مسئلے کے متعلق رائے پیش کرنے والی دیگر متعدد آیات یا احادیث موجود ہوں۔ اگر محقق دیگر آیات یا احادیث کو نظر انداز کر دیتا ہے حالانکہ علماء سابقین نے ان کو بطور دلیل پیش کیا ہے تو ایسا کرنے والا محقق نہیں بلکہ دین میں خیانت کرنے والا ہے اس لئے کہ یہ اُن علماء کے استدلالات کی خامی کا جیسا کہ ہونا چاہیئے قرآن وسنت میں سے ڈھونڈ کر جواب پیش نہیں کرتا بلکہ بس ایک سطحی پیرایہ اختیار کر لیتا ہے۔

تصاویر حیوانی کے دلیلِ جواز کی کمزوری :۔

آیئے ماہنامہ فکر و نظر اپریل ۱۹۹۲ء کے صفحہ ۵۲، صفحہ ۵۳ پر پیش کی ہوئی بخاری و مسلم کی روایات کے اُس استدلال کو زیر بحث لائیں جس کو زیر بحث لائیں جس کو کپڑے کے منقوش تصاویر حیوانی کے جواز کے لئے دلیل بنائی گئی ہے اُن احادیث کو یہاں نقل کر دیا جاتا ہے۔

عن بسر بن سعيد أن زيد بن خالد الجهني حدثه ومع بسر بن سعيد عبيد الله الخولاني الذي كان في حجر ميمونة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وعلى آله وبارك وسلم حدثهما زيد بن خالد أن أبا طلحة حدثه أن النبي صلى الله عليه وعلى آله وبارك وسلم قال لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة۔ قال بسر فمرض زيد بن

حضرت بسر بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ زید بن خالد الجہنیؓ نے اُن سے حدیث بیان کی اور بسر بن سعید کے ساتھ عبیداللہ الخولانی بھی تھے جنہوں نے ام المومنین حضرت میمونہ کی گود میں پرورش پائی تھی ان دونوں سے زید بن خالدؓ نے فرمایا" اُس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہوتی ہے بسر نے کہا کہ زید بیمار ہوئے تو ہم نے ان کی عیادت کی ہم نے ان کے مکان میں ایک پردے پر تصاویر

خالد فعدناہ فاذا نحن فی بیتہ بستر فیہ تصاویر فقلت لعبید الخولانی الم یحد ثنا فی التصاویر؟ فقال الا رقم فی ثوب الا سمعتہ؟ قلت لا قال بلیٰ قد ذکرہ ۔

دیکھیں جس پر میں نے عبید اللہ خولانی سے کہا کہ انہوں نے تصاویر کے بارے میں ہم سے حدیث نہیں بیان کی جس پر عبید نے کہا کیا تونے الا رقم فی ثوب کے الفاظ (یعنی بجز کپڑے پر کے دھاریوں کے نقش کے) الفاظ نہیں سنے ؟ بسر نے کہا میں نے نہیں سنا تب عبید نے کہا ہاں انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے ۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت خرج النبی صلی اللہ علیہ (وعلیٰ آلہ وبارک) وسلم ذات غداۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز کالے اون سے منقوش ایک چادر اوڑھے ہوئے باہر نکلے ۔

مندرجہ بالا احادیث میں علت ممانعت وجواز تین جملوں پر مشتمل ہے پہلی پیش کردہ حدیث میں نمبر (۱) جملہ " لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ صورۃ " علت ممانعت ہے اور نمبر (۲) جملہ " الا رقم فی ثوب " علت جواز ہے لیکن جیسا کہ خود لفظ اِلّا شہادت پیش کرتا ہے علت جواز ہر قسم کی تصاویر پر حاوی نہیں ہے بلکہ " رقم فی ثوب " کے الفاظ میں استثناء کیا گیا ہے اسی طرح دوسری حدیث میں " مرط مرحل من شعر اسود " جملہ (نمبر ۳) سے بھی جواز ہی کا استدلال لیا گیا ہے حالانکہ اس کو پہلی حدیث کے پیش کردہ جملے نمبر (۱) کے خلاف استعمال نہیں کیا جا سکتا ۔

قابل غور بات یہ ہے کہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی حدیث میں ایک ہی شے کی ممانعت اور جواز دونوں کا حکم کیسے دے سکتے ہیں ؟ اس لئے فاضل مضمون نگار رفیع اللہ کا خیال کہ " جس حدیث شریف کو تصویر کی حرمت کے سلسلے میں پیش کیا جاتا ہے اُس حدیث کو اگر مکمل نقل کیا جائے تو اُس سے جواز بھی ثابت ہوتا ہے (صفحہ ۵ فکر و نظر اپریل ۱۹۶۴ء) غلط فہمی پر مبنی ہے کسی بھی حدیث میں یا تو مستقل حکم ممانعت ہوگا یا پھر مستقل حکم جواز، زیادہ سے زیادہ ممانعت کے ساتھ کچھ استثناء ہوگا ۔ اسی طرح جواز کے ساتھ بھی کچھ استثناء ہو سکتا ہے ۔ لیکن ایک ہی حدیث میں اُسی شے کی ممانعت اور جواز دونوں کا حکم ایک دوسرے کے ساتھ متضاد پایا جانا ناممکن ہے، اگر کسی حدیث کے ایسے معنی نکلتے معلوم ہوتے ہیں تو یہ، یا وہ متعلم کی کج فہمی ہے اور یا روایت کی خامی کے سبب الفاظ میں اوپنچ نیچ پیدا ہو گئی ہے لیکن خدائے تعالیٰ کے فضل سے ایک فقیہ ربانی ان ہر دو کمیوں کو تنقید کے ذریعہ نکال باہر کر سکتا ہے ۔

رقم ثوب اور مرط مرحل کے معنیٰ :- متذکرہ بالا احادیث میں نقش بیان تو نہیں ہے البتہ قصور فہم کے سبب اجتہادی خطا ضرور ہوئی ہے جس کی بنیاد لغت عربی کی وسعت اور بلاغت سے صرف نظر کرنے پر ہے ۔ ان میں تین الفاظ " صورۃ ، رقم ، مرحل " کی تشریح اہمیت رکھتی ہے ۔

(الف) " صورۃ " عربی میں متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے ، صفت ، نوع ، چہرہ وغیرہ ۔

(ب) " رقم الثوب " کے معنیٰ کپڑے پر دھاری لگانا ، رقم البعیر = اونٹ کو داغ دینا ، رقم الخبز = روٹی کو نقش کرنا ، ارض مرقومۃ = وہ زمین جس پر تھوڑے سے بیل بوٹے ہوں ، المرقمۃ = ندی کا کنارا یا باغ ، الرقم = دھاریدار کپڑا ۔

(ج) " المرحل من الثیاب " = وہ کپڑا جس کا نقش پالان جیسا بنایا گیا ہو ۔ رحل الثوب = کپڑے پر نقش و نگار بنانا ۔ " المرحل من الابل " = وہ اونٹ جس پر پالان چڑھا دیا گیا ۔ (یہ جملہ کپڑے کے لئے استعمال نہیں ہوتا)

مندرجہ بالا ہرسہ الفاظ زیربحث احادیث میں کپڑے کے نقوش کے متعلق استعمال ہوئے ہیں اگرچہ لغت میں ان کے دیگر معنیٰ بھی ہیں جیسے لفظ مرحل اُس اونٹ کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس پر سفر کے لئے پالان باندھ دیا گیا ہو لیکن یہ لفظ جب کپڑے کے لیے استعمال ہوگا، جیساکہ "المرحل من الثیاب" کہ کر لغت تشریح کرتی ہے تو اس سے مراد صرف نقش و نگار والا کپڑا مراد ہوگا اسی طرح "رقم البعیر" اونٹ کے داغ دینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن جب "رقم الثوب" کہا جائے گا۔ تو کپڑے کو دھاری لگانے کے معنیٰ ہوں گے۔ لفظ کے معنیٰ ان کے موقعوں کے اعتبار سے کئے جائیں گے۔

صرف المنجد (عربی لغت) ملاحظہ کر لیجئے۔

" صورۃ " و الشکل، النوع، الوجہ، رقم الثوب = خططہ
رحل الثوب = وشاہ، المرحل من الثیاب = ما اشبہت نقوشہ رحال الابل

لکھا ہوا ہے،

کیا یہ بات موزوں ہوگی؟ کہ لفظ "صورۃ" کپڑے پر نقش کے بارے میں استعمال ہو رہا ہے اور اُس کے معنیٰ "مجسمہ" کے لئے جائیں؟ اسی طرح جہاں لفظ "رقم" کپڑے کے بارے میں استعمال ہو رہا ہو، اُس کے معنیٰ "اونٹ کے داغنے" کے لے لئے جائیں؟! یا "المرحل (من الثیاب)" کے معنیٰ "کپڑے کے نقوش" کی بجائے، پالان کسا ہوا اونٹ لے لیا جائے؟ حالانکہ یہ لفظ اپنی عبارت میں کپڑے کے لئے استعمال ہو رہا ہے؟؟؟ کیا ایسے غیر موزوں معنیٰ، محل استعمال کو نظر انداز کر کے صرف اس بنیاد پر لے لینا کہ یہ الفاظ ان معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ دانشمندی ہوگا؟ کوئی بھی ادیب اس بات کو پسند نہیں کرے گا؟؟!

یہ بات غور کی محتاج نہیں ہے کہ زیربحث احادیث میں الفاظ "صورۃ، رقم، مرحل" صرف کپڑے کے متعدد نقوش کے کیفیات ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اس لئے ان الفاظ کے معنیٰ اُس ہی حد تک محدود ہوں گے جس حد تک کہ وہ لفظ اُس موقع کے لئے مستعمل ہے۔

پھر پہلی حدیث بسر بن سعیدؓ میں تو الفاظ صورۃ اور رقم دونوں ایک ہی کپڑے کے بارے میں استعمال ہوتے ہیں لیکن بعد کا لفظ "رقم" پہلے استعمال شدہ لفظ "صورۃ" کی نفی و تردید کر رہا ہے یعنی سائل حضرت بسر بن سعیدؓ کی اس غلط فہمی کو دور کر رہا ہے کہ اس کپڑے پر جو نقش ہے اُس کے لئے لفظ "صورۃ" استعمال نہیں کیا جا سکتا بلکہ اُس کو رقم (فی ثوب) کے الفاظ سے تعبیر کیا جائے گا۔

الفاظ "صورۃ" اور "رقم" دونوں کے عربی اور اردو دونوں معنیٰ اوپر پیش کر دئے گئے ہیں، لفظ صورۃ کی اگر تردید ہو رہی ہے تو متعلم یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ اُس کپڑے پر جس کا ذکر حدیث مذکور میں ہے، حیوانی تصاویر نہیں تھیں اس لئے الا رقماً فی ثوب کہ کر حیوانی تصاویر کی نفی کی جا رہی ہے اور یہی الفاظ یہ بھی رہبری کر رہے ہیں کہ ان نقوش کو لفظ صورۃ یا تصویر (حیوانی) کے نام سے یاد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اُس کو رقم فی ثوب کہا جائے گا۔

چنانچہ لغات میں "رقم الثوب" کے معنی بالترتیب خططہ اور کپڑے پر دھاریاں لگانا لکھے ہیں ایک لغت میں تو "المرقم" کے معنی صرف دھاریدار کپڑا لکھا ہے۔ لغات کی ان تشریحات سے ذرا بھی پتہ نہیں چلتا کہ لفظ "رقم" تصویر ذی روح کے معنی میں استعمال ہونے کا کوئی امکان رکھتا ہو

افسوس! افسوس کہ محترم رفیع اللہ صاحب نے لفظ رقم کو بھی تصویر ذی روح ہی کے معنی میں استعمال کر لیا نیز علامہ شوکانی کے الفاظ جس کو موصوف نے ماہنامہ مذکور صـ۳۵ پر "تلک التصاویر ہی صور الرحال" بتاتے ہوئے لکھا ہے، کے معنی پر غور نہیں فرمایا اس جملے میں صور الرحال

کے الفاظ وضاحت کر رہے ہیں کہ "مرط مرحل" سے مراد حیوانی شکلوں یا صورتوں والے کپڑے نہیں ہیں بلکہ ــــــ صرف ان کجاووں کے جیسے نقوش مراد ہیں جو اونٹ سے بالکل علیحدہ رکھے ہوتے ہیں یعنی وہ پالان جو ابھی اونٹوں پر لادے نہیں گئے۔ غور اس بات پر کیا جائے کہ "الرحال" کے معنی صرف "پالان" ہیں اس لفظ کے معنی میں اونٹ کے شامل ہونے کا ذکر ہی نہیں یعنی یہ لفظ "اونٹ مع پالان یا پالان بردار اونٹ" کے معنی میں استعمال نہیں کیا جاتا۔ علامہ شوکانی کے "علی صور الرحال" لکھنے کے معنی صرف "کجاووں کے نقوش ہیں" اس معنی میں کسی بھی طرح اونٹ کی تصویر شامل نہیں۔ یعنی ان کی رائے میں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس "مرط مرحل" کو استعمال فرمایا تھا اس پر اونٹ کی صورت یا شکل نہیں تھی بلکہ صرف کجاوے جیسا نقش تھا۔ اور لغت بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔

حدیث میں لفظ مرحل کا استعمال:۔ اگر حدیث میں لفظ "مرحل" بلا اپنے موصوف "مرط" کے استعمال ہوتا تو پھر بھی اشتباہ کا کوئی امکان نہ تھا مگر افسوس کہ بالوضاحت ترکیب توصیفی "مرط مرحل" بھی ایک محقق کے ذہن میں نہ آسکی جو یہ تخصیص کر رہی تھی کہ یہاں صفت مرحل صرف کپڑے کے متعلق استعمال کی گئی ہے۔ اس میں اونٹ یا اس کے ساتھ کسی تشبیہ کا کوئی ذکر نہیں۔

واضح رہے کہ "المرحل (من الثیاب)" کے معنی جیسا کہ اوپر المنجد کا حوالہ دیا جا چکا ہے پالان کے نقوش بھی نہیں ہیں بلکہ ایسے نقوش ہیں جن کو دیکھنے سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ یہ پالان جیسا نقش ہے اور شاید اسی اشتباہی مماثلت کے سبب اس نقش کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے اور واضح رہے کہ کپڑے کے متعلق جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد صرف نقوش کے ذریعہ کپڑے کی زینت میں اضافہ کرنے کے ہوتے ہیں چنانچہ لغت میں رحل الثوب کے معنی = وشاہ لکھا ہے۔ اس کے معنی میں لغت میں کسی حیوانی تصویر کا کوئی ذکر نہیں ملے گا۔

اسی طرح لفظ مطیر = بیٹھے ہوئے کپڑے اور لفظ مخیل = دھبہ دار کپڑے جس کو چھینٹ بھی کہا جاتا ہے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ مکرمی رفیع اللہ صاحب نے ان الفاظ کو پرندوں یا گھوڑوں کی تصویر کے تصور کے ساتھ جو پیش کیا ہے لغات ان معنوں کی تصدیق نہیں کرتیں۔

تشریحات و تائید:۔ حدیث کے جملے ۱؎ لاتدخل الملائکۃ بیتا فیہ صورۃ، ۲؎ الا رقما فی ثوب، ۳؎ مرط مرحل من شعر اسود کے مطالب بالترتیب مندرجہ ذیل ہوں گے۔

۱؎ اس مکان میں فرشتۂ رحمت داخل نہیں ہوتے جن میں حیوانی اشکال و صورتیں ہوں (اس میں مجسمہ، فوٹو اور قلمی حیوانی ڈرائنگ وغیرہ بھی شامل ہیں) اس سے مسئلہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ حیوانی و انسانی صورتیں بنانا اور مزین کرنا حرام ہے۔

۲؎ اس میں صرف ایسے نقوش کی اجازت ہے جس کا تعلق دھاریوں سے ہو بلکہ اس میں جھاڑی، پہاڑی، وادی وغیرہ کے ایسے نقوش بھی جن میں انسانی و حیوانی تصاویر شامل نہ ہوں، داخل ہیں۔ اس کی مزید تشریح کے لئے ایک حدیث بھی ذیل میں پیش ہوگی۔

۳؎ سے ایسا غیر سلا ہوا کپڑا مراد ہے جس پر اون کے ذریعہ نقوش ابھارے گئے تھے چونکہ جملہ ۱؎ میں حیوانی و انسانی تصویر کی حرمت کا اعلان ہے اس لئے مرط مرحل سے غیر حیوانی اور غیر انسانی نقوش مراد ہیں۔ جیسا کہ اوپر لغات کی تائید بھی پیش ہو چکی۔

ذی روح اشیا کی تصویر کی حرمت:۔

مزید وضاحت اور تائید کے لئے بخاری کی ایک حدیث جو باب بیع التصاویر میں ہے پیش کی جاتی ہے۔

عن سعید بن الحسن قال کنت عند ابن عباس	حضرت سعید بن الحسنؒ بیان فرماتے ہیں کہ وہ حضرت ابن عباسؓ
اذا اتاہ رجل فقال یا عباس انی انسان انما معیشتی	کے پاس تھے ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا اے عباس میں انسان

من صنعة یدی وانی اصنع هذه التصاویر فقال ابن عباس لا احدثك الا ما سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول سمعته یقول من صوّر صورة فان اللّٰہ معذبه حتی ینفخ فیها الروح ولیس بنافخ فیها ابداً فربا الرجل ربوة شدیدة و اصفر وجهه فقال ویحك ان ابیت الا ان تصنع فعلیك بهذا الشجر وکل شئ لیس فیه الروح

ہوں اور میرے معاش کا انحصار دستکاری پر ہے اور میں یہ تصاویر بناتا ہوں حضرت ابن عباس نے جواب دیا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث کے علاوہ کوئی اور بات نہیں سناؤں گا۔ پھر کہا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص صورت بنائے گا خدائے تعالیٰ اُس کو سخت ترین عذاب اُس میں روح بھر جانے تک دیگا اور کوئی بھی ابدالآباد تک اُس میں روح بھر ہی نہ سکے گا یہ جواب سُن کر وہ شخص دہشت زدہ ہوگیا اور اُس کا چہرہ پیلا پڑ گیا (یہ حالت دیکھ کر) ابن عباسؓ نے اُس سے فرمایا اگر تجھے اس کے بغیر گذارا کرنا آتا ہی نہیں تو تو اس درخت یا اُس شے کی تصویر جس میں روح (کارفرما) نہیں ہوتی۔

مندرجہ بالا حدیث میں ذکر ہے کہ ایک شخص نے تصویر کشی کو اپنے روزگار کا ذریعہ بنا لیا تھا یہ مصور انسانی وحیوانی تصاویر بھی بنایا کرتا تھا جب اس نے حضرت ابن عباسؓ کے سامنے اپنی مصوری کا نقشہ پیش کیا تو انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنایا کہ جو شخص تصاویر بناتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ اُس کو عذاب دیگا۔ یہ بات سُن کر وہ بہت پریشان ہوگیا جس پر ابن عباس نے فرمایا کہ اگر تمہاری گزران اسی پر ہے تو تم غیر ذی روح اشیا یعنی درخت وغیرہ کی شکلیں بنا سکتے ہو۔

اس پیش کردہ حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں صور صورة فان اللّٰہ معذبه حتی ینفخ فیها الروح سے بوضاحت یہ ثبوت ملتا ہے کہ ہر ذی روح شے کی تصویر حرام ہے اس کے مصور، بایع، مشتری اور تزئین کرنے والے پر احتساب و مواخذہ ہوگا۔

ایک باطل دلیل کا رد! مکرمی رفیع اللہ صاحب نے عبدالرحمٰن الجزیری کے حوالے سے ماہنامہ فکر و نظر ص۱۸ پر حسب ذیل عبارت درج کی ہے

.... اما تصویر الحیوان فان کان علی بساط او وسادة او ثوب مفروش او ورق فانه جائز لان الصورة فی هذه الحالة تکون ممتهنة وکذالك یجوز اذا کانت الصورة ناقصة عضواً لا یمکن ان تعیش بدونه کالرأس ونحوها؛

جاندار اشیاء کی تصاویر، چٹائی، تکیہ، دری یا کاغذ وغیرہ پر ہوں تو جائز ہیں۔ کیونکہ ان حالتوں میں تصویر کے احترام کی کوئی گنجائش نہیں اسی طرح ایسی تصاویر جن میں کا کوئی عضو نہ ہو جس کے بغیر جاندار زندہ نہ رہ سکتا ہو مثلاً سر وغیرہ تو ایسی تصویر بھی جائز ہے!

لکھ کر تصاویر ذی روح کے جواز کے لئے جو زور دیا ہے تو یہ خیال اُوپر کے فقرہ میں پیش کی ہوئی حدیثِ بخاری کے خلاف ہے اس لئے مولوی رفیع اللہ صاحب اور الجزیری دونوں کا حسب بالا مسلکِ جوازِ تصاویرِ حیوانی وانسانی، حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل اور قابل ترک ہے۔

جزوی تصویر کی حرمت:- یہاں الجزیری کے حسب بالا مسلک کو غلط ثابت کرتے ہوئے ایک بات اور لکھ دینا اہم ہے کہ جب کسی چیز کے

ں کے حرمت کا حکم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے ہوں تو اسی حکم میں اُس کے جز کی حرمت کا حکم بھی نکلتا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ خیال کہ حیوانی وہ تصاویر جن میں سر وغیرہ نہ ہو جواز کا حکم رکھتی ہے اصابت وصحت نہیں رکھتا ——— اگر صرف انگلی ہی کی تصویر بھی ہو تو۔ کیا انگلی ذی روح شے کا جز نہیں ہوتی ؟ کیا انگلی میں روح کارفرما نہیں ہوتی ؟ اس لئے یہ انگلی اور اسی طرح دوسرے اعضاء مثلاً کان، ناک، آنکھ وغیرہ وغیرہ کی جزوی تصاویر یعنی وہ تصویر جس میں صرف انگلی یا کان یا آنکھ وغیرہ اکیلے ہی اتارے گئے ہوں یعنی وہ پورے حیوان کی تصویر نہ ہو بلکہ نامکمل تصویر ہو تو بھی ——— وہ حرام ہی ہے۔[1]

حیوان اور درخت کی جان میں فرق :-

زیر نقد مضمون کے حاشیے میں لکھا گیا ہے کہ " قارئین جانتے ہی ہوں گے کہ درخت غیر جاندار نہیں ہیں اس کا پہلا جواب تو یہ ہو کہ انسان اور حیوان کی جان میں اور درخت دپتھر وغیرہ کی جان میں زمین وآسمان کا فرق ہے انسان یا حیوان جس آزادی سے زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور ان کے ذکور واناث میں ملاپ کرتے ہیں ؟ کیا درختوں اور پتھروں میں یہی صورت موجود ہے ؟ شہد کی مکھی، چیونٹی وغیرہ کے متعلق سے قرآن مجید ان جانداروں کی منظم جماعتی زندگی کی نشان دہی کرتا ہے یہی حال انسان کا بھی ہے کیا اس قسم کی جماعتی زندگی درختوں کو [illegible]

انسانوں کے کالج [illegible] ان کے پاس بھی موجود ہے ؟ درختوں کی حیات کا یہ عالم ہے [illegible]

ہیں اور دیمک چاٹ کر ان کا صفایا کر دیتی ہے۔

کیا کوئی انسان اپنی قربت میں ڈسنے والے سانپ کو زندہ رہنے دیگا ؟ کیا کوئی

ہے۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ یہ کوتاہی اور نقص درخت میں موجود ہے۔

روح انسانی :-

پس انسان وحیوان میں روح سے مراد وہ روح ہے جس کے ذریعہ سے وہ زمین پر چلتا پھرتا، اپنی آپ حفاظت کرتا، درندوں اور دشمنوں کا مقابلہ کرتا اور اپنے ہم جنسوں کے ساتھ اختیاری وآزادانہ ہمدردی کرتا ہے برخلاف اس کے درخت بالکل بے بس ہے اس میں ایسی جان نہیں ہے۔

حدیث میں لفظ روح :-

پس حرمت تصاویر کی احادیث میں جس روح کا ذکر ہے وہ انسانی اور حیوانی روح ہے جس کے ذریعہ انسان وحیوان آزادی کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتا رہتا ہے یہی سبب ہے کہ حدیث کو سنانے کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے مصور کے سامنے ——— فعليك بهذا الشجر وكل شئ ليس فيه روح کہہ کر درختوں کے غیر ذی روح ہونے کا ذکر کر دیا۔

مسئلے میں اجتہادی خطا کا سبب :-

محترم صدر شعبہ عربی اگر بخاری کی ان احادیث کو بھی زیر بحث لے آتے جو ——— باب اذا قال احدكم امين الخ میں حدیث بسر بن سعیدؓ کے اوپر موجود ہے تو ان سے یہ اجتہادی خطا نہ ہوتی چنانچہ اُن میں کی ایک حدیث ذیل میں ملاحظہ ہو !

عن عائشة حشوت للنبي صلى الله عليه وسلم — حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] فاضل مضمون نگار کی یہ رائے محل غور ہے ! اس لئے کہ انسان کے جسم سے جب کوئی عضو جدا کر لیا جائیگا تو بے روح ہو جائیگا اور بے روح شے کی تصویر لی جا سکتی ہے۔ (م - ق م)

وسادۃ فیہا تماثیل کانہا نمرقۃ فجاء فقام بین البابین وجعل یتغیر وجہہ فقلت ما لنا یا رسول اللہ قال ما بال ھذہ الوسادۃ جعلتہا لک لتضطجع علیہا قال اما علمت ان الملائکۃ لاتدخل بیتا فیہ صورۃ وان من صنع الصور یعذب یوم القیامۃ فیقول احیوا ما خلقتم (بخاری)

کے لئے ایک تکیہ تیار فرمایا جس میں تماثیل تھے وہ تکیہ ٹیک لینے کا تھا حضور دروازے کے پاس کھڑے ہوگئے اور حضور کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہ ہم کو کیا ہوگیا ہے؟ حضور نے جواب دیا اس تکیہ کا کیا حال ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا میں نے آپؐ کے ٹیک لینے کے لئے بنایا ہے۔ حضورؐ نے جواب دیا کیا تمہارے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر (حیوانی) ہوتی ہے اور جو شخص ان تصاویر کو بنائے گا قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا خدائے تعالیٰ کہے گا جس کو تم نے پیدا کیا اس کو زندہ کرو۔

اس حدیث میں لفظ تماثیل بھی استعمال ہوا ہے لیکن مجسمہ کے معنوں میں نہیں بلکہ اس تصویر کے لئے استعمال ہوا ہے جو تکیہ کے غلاف پر کشیدہ تھی اور ان تماثیل کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی کا اظہار اس وجہ سے کیا کہ یہ حیوانی تماثیل تھے چنانچہ اس بارے میں اس حدیث میں بھی حضورؐ کا یہ ارشاد قابل غور ہے!

"جس گھر میں (حیوانی) تصاویر ہوں گے اس میں فرشتے داخل نہ ہوں گے اور جو لوگ یہ تصاویر بنائیں گے قیامت میں عذاب دئے جائیں گے۔ خدائے تعالیٰ کہے گا جن چیزوں کو تم نے پیدا کیا ہے ان کو زندہ کرو۔"

اس بالا حدیث "وسادۃ" اور ایک اور بحث شدہ حدیث "مرط مرحل" میں معنوی تضاد نہیں ہے۔ "مرط مرحل" کے الفاظ صرف بے روح اشیاء کے نقوش کا ذکر کرتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے اس ترکیب توصیفی کو صرف غیر ذی روح اشیاء کا نقش ہونے کے سبب استعمال کیا ہے حدیث "وسادۃ" میں حضورؐ کی ناراضی کا اظہار ذی روح اشیاء کی تصاویر کے سبب ہے اور اس کے خلاف حضورؐ ہی نے مرط مرحل کو صرف غیر ذی روح شے کے نقش کے سبب استعمال فرمایا یعنی اپنے اوپر اوڑھا ہے۔ آپ کے یہ دونوں عمل غیر ذی روح اشیاء کے عدم جواز کے شاہد ہیں افسوس کہ بعض حضرات نے اس نکتے پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔

مسئلے میں دوسری خطا "حدیث سے ٹکراؤ" کی نظر اندازی:-

آں موصوف نے بعض کتب کے حوالے سے بعض ایسے اجتہادات کو دلائل بطور پیش کیا ہے جن کے خلاف حدیث ہونے کے پہلو کو (سہواً) نظر انداز کردیا ہے اس کے علاوہ اقتباسات پیش کرتے ہوئے بعض متعلقہ عبارات کو پوری کی پوری بھی نقل نہیں کیا گیا جس کے سبب مغالطہ لازمی طور پر ہونا چاہئے تھا اور ہوا۔ مثلاً نیل الاوطار (ج ۲ صفحہ ۱۰۵) کی ان کی پیش کی ہوئی عبارت:-

وقال بعض السلف انما ینھی عما کان لہ ظل ولا باس بالصور التی لیس لہا ظل،

(ترجمہ) بعض سلف صالحین فرماتے ہیں کہ صرف اسی تصویر ممنوع ہے جس کا سایہ ہو اور جس تصویر کا سایہ وغیرہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

کو تو پیش کر دیا گیا ہے لیکن اس کے بعد کی وہ عبارت ترک کر دی گئی ہے جو درج ذیل ہے :

وھذا مذھب باطل فان الستر الذی انکر النبی صلی اللہ علیہ (وعلی الہ وبارک وسلم) الصورۃ فیہ لایشک احد انہ مذموم ولیس لصورتہ ظلٌ مع باقی الاحادیث المطلقۃ فی کل صورۃ،

(لیکن یہ اجتہاد باطل ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس پردے پر نکیر فرمائی تھی وہ با تصویر تھا اس بارے میں کوئی بھی شک نہیں کرتا۔ وہ ... مذموم ہے اور اس تصویر کا سایہ بھی نہیں ہے حتیٰ کہ باقی دوسری احادیث میں بھی جس میں تصویر کا ذکر ہے (ان کا سایہ نہیں ہے)

محترم رفیع اللہ صاحب کے پیش کردہ خیال کی تردید خود بخود نیل الاوطار کی ان سے ترک کی ہوئی عبارت بالا کے الفاظ " وھذا مذھب باطل " سے ہو جاتی ہے پھر ساتھ ہی صاحب نیل الاوطار محمد بن علی شوکانی نے اس خیال کی تردید کہ ——— غیر سایہ دار فوٹو جائز ہے، حدیث ستر کے حوالے سے کر دی ہے چنانچہ مندرجہ بالا عبارت میں ... کا ذکر موجود ہے جس میں اس نکتے کو نمایاں کیا گیا ہے کہ پردوں کی جن تصاویر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی کا اظہار فرمایا ہے اور جنہیں آپ نے اکھڑوا دیا اور جن کے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں وہ تصاویر ... ... لیعنی غیر سایہ دار تھے ؛

پس سایہ دار اور غیر سایہ دار دونوں قسم کے تصاویر جو کپڑے اور کاغذ پر ہوں یا کہی

فلمی تصاویر :-

بعض فقہا کے بعض خام استدلالات کو پیش کر کے حالانکہ اکثر فقہا ان استدلالات کے اجتہاد ... ہے لیکن افسوس کہ جواز پیش کرتے ہوئے اس جواز کی تائید کرنے والی کوئی حدیث پیش نہیں کی گئی۔

ایک متفق علیہ حدیث میں یہ ذکر ہے کہ تصاویر دار پردے کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کے سبب پھاڑ دیا گیا اور اس کے ٹکڑوں کو تکیوں کے غلاف کے لئے استعمال کیا گیا جس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سہارا لیا کرتے تھے۔ اس بارے میں ایک راوی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ان میں ایک تکیہ ایسا بھی تھا جس پر صورت نظر آتی تھی لیکن یہ بات ناقابل فہم ہے کہ تصاویر کے استعمال کی ممانعت کا حکم دیا جانے کے بعد بھی کسی کپڑے پر تصویر اپنی اصلی شکل میں باقی رہ گئی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ راوی کا ... ہوئی یعنی مسخ شدہ تصویر ہو۔

سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جن فقہا نے نامکمل تصاویر ذی روح کے جواز کا فتویٰ غلط فہمی سے دیا ہے اُس کی بنیاد ... ایسی بیان ہو سکتا ہے جس پر غور نہیں کیا گیا۔

ویسے بھی ہم نے حضرت عائشہؓ ہی کی ایک روایت اوپر پیش کی ہے جس میں تکیے کے غلاف کی تصویر کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی ظاہر فرمائی کہ اُس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جن میں تصاویر ذی روح ہوا کرتی ہیں۔ اور یہ کہ بخاری ہی میں ابن عباسؓ کی یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوتے تھے تاآنکہ تصویر کے مٹا دیئے جانے کا حکم نہ دیتے پھر وہ تصویر مٹا دی جاتی۔ تو کس طرح اس بات کو تسلیم کر لیا جا سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوں جس پر تصویر اپنی اصلی شکل میں موجود تھی، پس اس روایت میں راوی کے بیان میں کچھ خامی ہے۔

استنباط جواز کی خامی :- ان احادیث سے مسئلہ اخذ کرنے میں ان حضرات سے غلطی یہ ہوئی کہ اس بات کا خیال نہیں رکھا گیا کہ آنحضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت کا حکم ایک ایسے تصویر دار کپڑے کے لئے دیا جو اس حکم ممانعت سے پہلے استعمال کے لئے جائز سمجھا جاتا تھا اور حضرت عائشہؓ نے اُس کے ممانعت کا حکم معلوم نہ ہونے ہی کے سبب اُسے کام میں لیا۔

دوسرے الفاظ میں کہئے کہ جس وقت تصویر دار کپڑے کے استعمال کی ممانعت کا حکم نہ تھا حضرت عائشہؓ نے تصویر دار کپڑے کو پردے کے لئے استعمال کیا جب اس کی ممانعت کا حکم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا دیا تو پھر ان تصاویر کی شکل کو مسخ کر کے اُس کپڑے کو غلاف کے لئے استعمال کر لیا گیا ہو سکتا ہے کہ مسخ کرنے کے بعد بھی کوئی تصویر کثرت تصاویر اور بھول چوک کے سبب مسخ ہونے سے بچ گئی ہو اور اس پر غور نہ کیا گیا ہو، لیکن احادیث کے مجموعے پر فکر و غور اس بات کا بھی ثبوت فراہم کر دیتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے تکیہ پر بھی اعتراض فرمایا ہے جس پر تماثیل تھے، ہو سکتا ہے کہ یہ وہی تکیہ تھا جو اس پردے کو ٹکڑے کر دینے کے بعد بنایا گیا ہو اور جس پر تصاویر مسخ ہونے بغیر بچا رہ گئی ہوں۔

پھر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پاک اُس پر بعد میں پڑی تو آپ نے اُس پر اعتراض کیا ہو تب کل تماثیل مسخ کر دئے گئے ہوں لیکن راوی نے ان تمام تفصیلات کا ذکر ایک ہی روایت میں نہ کیا ہو جیسا کہ بالعموم ایک ہی واقعہ کے متعلق ہر حدیث میں ہر تفصیل نہیں ہوا کرتی۔ مثال کے طور پر اُس حدیث عائشہ رضہ کو لیجئے جس میں آپ ذکر فرماتی ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وسادۃ کے تصاویر کو دیکھ کر خفگی ظاہر فرمائی (جس کو آپؓ ہی کے اضطجاع کے لئے بنایا گیا تھا) مزید برآں آپ نے (خفگی کے ساتھ ساتھ) اُن تصاویر کے استعمال کرنے کی ممانعت کا حکم بھی سُنا دیا ——— ؟

لیکن اس روایت میں (جسے اوپر ایک مقام پر بخاری کے حوالے سے پیش بھی کر دیا گیا ہے) یہ ذکر ہی نہیں کیا گیا کہ اُس تکیہ کے غلاف کو حکم سننے کے بعد کیا گیا؟ لیکن احادیث کا طرز بیان خود اشارہ کرتا ہے کہ اُن تصاویر کو مسخ کر دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کر دینے کے بعد کوئی ایسی شے اپنی اصل شکل میں قائم نہیں رکھی جاتی تھی چونکہ راوی کا اصل منشاء صرف حکم بیان کر دینا تھا اس لئے اُس نے دوسرے تفصیلات بیان کرنے سے احتراز کیا۔

اِس لئے اُس روایت کو جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی روح تصویر کے رہ جانے کے باوجود تکیہ پر ٹیکہ لگائے تھے ممانعت کی ان متعدد احادیث جن کے راوی خود حضرت عائشہؓ ابن عباس، ابسر بن سعید وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور جن میں واضح الفاظ میں ——— حکم ممانعت تصاویر مخلوق ذی روح ——— موجود ہے، کے سبب منسوخ مانی جائے گی۔

یہ خیال کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس تصویر دار تکیہ پر ٹیکہ لگایا تھا سرے سے پہلے راوی کی غلط فہمی ہے اس لئے کہ اوپر پیش کی ہوئی حضرت عائشہ سے مروی بخاری کی حدیث میں، روایت میں "فقام بین الباب" کے الفاظ موجود ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے میں داخل ہوتے ہی یا اُس کے قریب ہی میں کھڑے ہو کر تصاویر پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور حکم ممانعت تصاویر سنا دیا ——— نصلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم فانہ امس بنا بالحق۔

کاغذی تصویر کی حرمت :-

چنانچہ اصل مسئلہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ کپڑے یا کسی اور شے پر تصاویر ذی روح کا استعمال اسلام میں منع ہے اس لئے یہ اجتہاد کہ کاغذ کا قیاس کپڑے پر کیا جا کر کاغذ پر کے نزدیک جائز تسلیم کرنا چاہئے، خطا پر مبنی ہے اور اس کے ترک نہ کرنے والے پر عذاب ہے۔

شراب کی حرمت کی مدد سے قیاس :-

اوپر ہم نے لکھا ہے کہ ذی روح مخلوق کے جزوی اعضاء میں بھی روح کا سفر جاری رہتی ہے اس لئے ان جزوی اعضاء کی بھی ان کے ذی روح ہونے کے سبب تصاویر نہیں بنانی چاہئے یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسا کہ شراب کی حرمت میں زیادہ شراب اور ایک قطرہ شراب، دونوں مقدار میں حرام ہیں یہ کہتے ہوئے کہ

ایک قطرۂ شراب نشہ نہیں پیدا کرتا اُس قطرۂ شراب کی حلت کا مسئلہ اخذ نہیں کیا جاتا !

—— اسی طرح انسانی اور حیوانی جزوی اعضاء مثلاً صرف سر جو بغیر دھڑ کے ہو یا ہاتھ جو بغیر دوسرے اعضاء کے ہو، کی تصاویر و تماثیل (خواہ کسی شکل و ہیئت یا کسی چیز پر بھی ہوں) ممانعت ہی کا حکم رکھتی ہیں —— اس لئے فقہاء کی خطاؤں کو پیش کرتے ہوئے مضمون زیر تنقید میں —— جواز فوٹو کا مسئلہ جو پیش کیا گیا ہے وہ نادرست ہے۔

جوازِ فلم کی تردید :- اور جب یا اا استدلال ہی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ "ماہنامہ مذکور کے ص۵ پر کی تحریر جو بطور دلیل پیش کی گئی ہے وہ بھی نا درست ہے اس تحریر میں فلم کے جواز کو غلط فہمی سے پیش کر دیا گیا ہے جس کی حدیثی تردید بھی آگے آ رہی ہے۔ تحریر مذکور کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

ومن هٰذا الیعدہ جواز استفاج علی خبا ال الطل اذا	اس اصول کے تحت فلم کا مشاہدہ بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی
لم یشتمل علی محرم اخر لانہا صورۃ ناقصۃ	حرام چیز نہ ہو کیوں کہ پردے پر ناقص صورت ہی پڑتی ہے۔

کل کی حرمت جزء پر حاوی ہے :- جب یا [illegible] جو نتیجہ نکالا گیا ہے دراصل اس بات کی بھول کے سبب ہے، کہ جب حرمت کا حکم کل [illegible] ہوتا ہے تو وہ جزء پر بھی حاوی ہوتا ہے جب حیوانی صورت پورے جسم سے بنانے کے لئے حرام قرار دی گئی ہے تو اس کی [illegible]

کیسے سکتا ہے ؟

فلم دیکھنے کی ممانعت کا حدیثی ثبوت :- چونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآ[لہ]

اُس کے استعمال کی ممانعت فرمائی بلکہ ان اشکال کو مسخ بھی کرایا [illegible] ہوتا ہے کہ تصا[ویر]

ہر مسلمان کے لئے پردۂ فلم پر تصاویر کو دیکھنا نہ صرف منع ہے بلکہ مسلمان پولیس کو جائز سمجھتے [illegible]

نہ کرنا بھی قابل مواخذہ ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ و بارک وسلم جہاں کہیں ذی روح تصاویر ملاحظہ فرماتے [illegible] آپ سے

اپنے ہاتھ سے بھی بعض تصاویر مٹائی ہیں جن کا ثبوت ذخیرہ احادیث میں موجود ہے۔

بچوں کی حیوانی گڑیا کا عدم جواز :-

اسی طرح یہ آراء کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے حیوانی گڑیاں مستثنیٰ ہیں درست نہیں ہیں اس قسم کے استثناء کا دعویٰ کرتے ہوئے کوئی حدیث پیش نہیں کی گئی اگر یہ بات تعلیم و تربیت ہی کے نقطۂ نظر سے درست ہوتی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وبارک وسلم حضرت عائشہؓ کے لاعلمی میں تیار کئے ہوئے تماثیل والے تکیہ پر اعتراض نہ فرماتے یا پھر کم از کم بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایسا کرنے کا استثنائی حکم ارشاد فرما دیتے جیسا کہ آپؐ نے مکہ مکرمہ کے جنگلات کے کاٹنے کو منع فرما دیا لیکن اذخر کے کاٹنے کی اجازت بعد میں استثناء کر کے دے دی۔

چونکہ لعب بنات وغیرہ کے لئے ذی روح تصاویر کے جواز کا کوئی استثنائی حکم نہیں ملتا اس لئے اس قسم کے جواز کا مسئلہ خطا پر مبنی ہے جسے ترک کر دینا چاہئے۔

حضرت عائشہ کے بچپن میں یہ حکم نازل نہ ہوا تھا :-

ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ کے بچپن کا ذکر ہے کہ ان کی گڑیوں میں ایک پردار گھوڑا تھا جس کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ گھوڑوں کے پر نہیں ہوتے۔ جس پر حضرت عائشہؓ نے جواب دیا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے۔

اس واقعہ سے صرف یہ ثبوت ملتا ہے کہ جس زمانے میں حضرت عائشہؓ گڑیاں کھیلا کرتی تھیں اُس زمانے میں ممانعت تصاویر ذی روح کا حکم نازل

نہیں ہوا تھا لیکن بعد کے زمانے میں جب کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زوجۂ مطہرہ کی حیثیت سے تھیں بالخصوص اُس وقت جب کہ آپ نے تماثیل دار وسادۃ (تکیہ) تیار کیا تھا، ذی روح تماثیل کی حرمت کا حکم آگیا۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وعلی الہ وبارک وسلم نے ممانعت فرمادی۔ اگر تربیت ہی کے لئے کوئی بات مستثنیٰ کی جاسکتی تھی تو میرے خیال میں تکئے کے غلاف کے ان تماثیل ذی روح کے خلاف کوئی حکم ہی نہیں دیا جاتا۔ اس لئے کہ بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے تکیہ کے غلاف وغیرہ پر کام کرنا بہت سہولت بخش ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے تصاویر ذی روح کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ یہ تربیت غیر ذی روح اشیاء کے تماثیل کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً اچھے اچھے اشعار نقش کرنا، آم، سیب، انگور وغیرہ کے نقوش بنانا یا ان غیر ذی روح اشیاء کے مادّی مجسمے بھی بنائے جاسکتے ہیں تاکہ کھیل میں استعمال کئے جائیں وغیرہ۔

کھیل کے لئے استثناء کیوں ؟ :-

پھر! کھیل کے لئے "غیر ذی روح" اشیاء کا جب اتنا بڑا میدان موجود ہے تو ان کے ہوتے تماثیل ذی روح کے استعمال کا حکم استثناء کس لئے روا رکھا جائے !

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وعلی الہ وبارک وسلم تو تماثیل ذی روح کو توڑ دیں اور ہم یہ جواز رکھ لینے کی کوشش کریں کہ بچوں کے کھیل یا تعلیم وتربیت کے لئے تماثیل وتصاویر ذی روح کا بنانا یا کسی اور مقصد سے فلم دیکھنا جائز ہے تو یہ صریحاً ظلم ہے۔

عذابِ آخرت سے بچئے :-

دوبارہ غور کیا جائے کہ مکرمی رفیع اللہ صاحب نے جو استدلالات پیش کئے ہیں وہ فقہی کے وہ آراء ہیں جن میں غلطی ہے اور جن کے خلاف حدیث ہونے کا ثبوت اس مضمون میں فراہم کردیا گیا ہے۔

فقہی آراء جب حدیث کے خلاف ہوتے ہیں تو ان کو ترک کرنا لازمی ہو جاتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو گمراہی ہے۔

اس لئے تصاویر ذی روح یا اُن کے جزوی اعضاء، کا بنانا، خریدنا، فروخت کرنا، یا اُن کا فلم تیار کرنا یا کسی اور طریقے پر کسی بھی غرض سے اُن کی نمائش کرنا سب کے سب حرام ہیں!

جو حضرات اس بات کے علم میں آجانے کے بعد بھی اس کو ترک نہ کریں گے تو اُن حضرات کو ———— آنحضور صلی اللہ علیہ وعلی الہ وبارک وسلم کی نافرمانی کے سبب آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔ اوپر احادیث میں اس عذاب آخرت کا حوالہ موجود ہے

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اوّل

دین و شریعت کے تمام مسائل ایک ہی نوعیت کے نہیں ہوتے، ایک تو وہ مسائل ہیں جن کا کسی اختلافِ رائے اور تاویل کے بغیر کفر و اسلا[م]
باطل اور فسق و ضلالت سے تعلق ہے۔ مثلاً پانچوں وقت کی نمازوں کی فرضیت کا اقرار "اسلام" ہے اور ان میں سے کسی ایک وقت کی نماز کی فرضیت
"کفر" ہے اور اس بارے میں کسی تاویل اور اضطرار کو قبول نہیں کیا جا سکتا، پنج وقتہ نماز کی فرضیت کے بارے میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں!
یہ "حق" ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر نبوت ختم کر دی گئی اور یہ باطل ہے کہ حضور کے [illegible] کوئی نبی آ سکتا ہے، ختم نبوت کا
ہمارے ایمان کا جزو لاینفک ہے ——— عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ اجسام میں [illegible]
سود خواری، قمار بازی اس قسم کے دوسرے افعال "فسق" ہیں ان کا مرتکب فاسق [illegible]
کیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے فروعی اور جزئی مسائل ہیں، جو بعض فقہا [illegible]
رکھتے ہیں، اسی طرح کراہت اور اباحت کے مدارج ہیں اور ان میں اختلاف [illegible] پایا جا[تا ہے]

بعض حقائق و واقعات اور معتقدات و مسائل کی یہ نوعیت ہے کہ جمہور کے مسلک سے اختلاف [illegible]
لگایا جا[تا] [illegible] مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "جسمانی معراج" پر جمہور امت کا اتفاق ہے، لیکن جو چند لوگ معراج روحانی کے قائل ہیں ان کے ا[illegible]
سے کفر [illegible] بارے میں منسوب نہیں کی جاتی، اگرچہ یہ مسلک "نازک" واقعہ کے مطابق نہیں ہے!

جمہور امت کا یہ عقیدہ ہے اور قرآن و حدیث سے بھی یہی ثابت اور ظاہر و واضح ہوتا ہے کہ جنت و دوزخ کا واقعی حسی اور مکانی وجود
اجسام (مع الروح) عذاب و راحت سے متاثر ہوں گے مگر بعض لوگ "اجسام" کے وجود کو منفی کر کے صرف "روحانی عذاب و راحت" کا عقیدہ رکھتے
کوئی شک نہیں سراسر غلط ہے مگر ان لوگوں پر اس انداز میں نکیر نہیں کی گئی کہ اس عقیدہ نے دین کی بنیادوں کو ڈھا دیا اور ان متجددین نے اسلام کو تبا[ہ]

زکوٰۃ اسلام کا رکن ہے، جس کا منکر کافر ہے اور جو مسلمان زکوٰۃ دینے کی استطاعت رکھتے ہوئے زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو اس کا یہ فعل
گناہ بھی کبیرہ، زکوٰۃ کی فرضیت کے تمام ائمہ اور مجتہدین قائل ہیں اور اس باب میں ذرہ برابر اختلاف نہیں پایا جاتا لیکن بعض "اشیاء" کی زکوٰۃ کے
ملتا ہے۔ مثلاً فقہ حنفی میں زیور پر زکوٰۃ دینی چاہیے مگر شافعی فقہ میں "زیور" پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

"ربوا" سب کے نزدیک حرام قطعی ہے اور اس کی اباحت کا عقیدہ کفر ہے، مگر مصر کے چند شہیر علماء "ربوا" اور "بنک" کے منافع میں فرق کرتے ہی[ں]
انہوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، ان کا یہ فتویٰ صحیح نہیں ہے مگر چونکہ اس میں "تاویل" کا پہلو نکلتا ہے اس لئے ان علماء کے اس ضلالت آمیز [illegible]
سے کفر و الحاد، ہدم دین اور اسلام و ایمان کی بربادی کو [illegible] کیا گیا، اس گذارش کا مقصود یہ ہے کہ دینی مسائل پر نکیر و احتساب اسی نوعیت
کرنا چاہیے جس نوعیت و مدارج کے وہ مسائل اپنی ذات سے واقع ہوئے ہیں!

حالات کی نوعیت کے اعتبار سے وقتی طور پر فقہی مسائل میں تخصیص و تعین کی ضرورت بھی پیش آتی ہے، مثلاً قحط کے زمانے میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ "سارق" پر "قطع ید" کی حد کا اجرا ضروری نہیں سمجھتے تھے، اُن کے اس اجتہاد پر کسی صحابی نے نکیر نہیں کی! خالص دنیوی ضرورتوں کے لئے بھی بعض دینی قباحتوں کو انگیز اور گوارا کرنا پڑتا ہے مثلاً موجودہ دور میں پاسپورٹ کے لئے فوٹو کی قید لازمی ہے اور پاسپورٹ کے بغیر دوسرے ملکوں میں آنا جانا نہیں ہو سکتا، اس لئے بڑے بڑے دیندار اور متقی لوگوں تک کو "فوٹو" کی قباحت بادل ناخواستہ گوارا کرنی پڑتی ہے! دوسری مثال بنکوں کے معاملات کی ہے جہاں سُود پر کاروبار چلتا ہے، اس گئے گزرے زمانے میں بھی ایسے تاجر پائے جاتے ہیں جو بنک کے سود کو جائز نہیں سمجھتے اور اپنی جمع شدہ رقموں پر سُود نہیں لیتے مگر اس تمام ناگواری کے باوجود اگر وہ بنکوں سے معاملت نہ کریں تو ان کا کاروبار چل ہی نہیں سکتا!

ان مقدمات کو ذہن میں رکھ کر اس صورتِ حال کا جائزہ لیجئے کہ پاکستان میں اسلام اور جمہوریت کو برسوں سے اُبھرنے کا موقعہ نہیں مل رہا ہے، بیس برس آرڈی ننسوں کے ذریعہ حکومت ہو رہی ہے اور یہاں ایک ایسا دستور نافذ ہے جس کی بدولت ایک فرد کی ذات تمام اختیار و اقتدار کا مرکز بن گئی ہے، یہ اگر جمہوریت ہے تو اس جمہوریت کو آخر کیا نام دیا جائے کہ جس نے قومی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو بے اثر کر کے رکھ دیا ہے، عائلی قوانین "مداخلت فی الدین" اور شریعتِ حقہ میں تصرف بے جا کی کھلی ہوئی مثال ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے! پاکستان میں نظام اسلام برپا کرنے کی راہیں اُسی وقت کھل سکتی ہیں جب کہ یہاں جمہوریت کے لئے فضا سازگار ہو اور شخصی اقتدار کی جگہ عوام کے ہاتھوں میں زمام اختیار آ جائے، ابھی تک تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان کے ایسے حالات ہیں کہ یہاں کے عوام مسلمان اسلام ہی کو حکومت اور معاشرے پر غالب اور مسلط دیکھنا چاہتے ہیں، اس لئے جمہوری آزادی کے ساتھ ساتھ اس کی توقع ہے کہ اسلامی قدروں کو بھی برسرِ کار آنے کا موقعہ مل سکے گا! جمہوریت کے احیاء کے لئے یہاں متحدہ محاذ قائم ہوا جس میں جماعت اسلامی دوسری پارٹیوں کے ساتھ شامل ہو گئی! متحدہ محاذ میں شریک ہو کر جماعت اسلامی کی اپنی تنظیم اس اتحاد میں ضم نہیں ہوئی، اُس کی انفرادیت اپنی جگہ بدستور باقی اور علیٰ حالہ قائم رہی اور ان شاء اللہ العزیز قائم رہے گی۔ اسلام کی تاریخ میں یہودیوں، عیسائیوں، کافروں اور مشرکوں تک سے صلح و معاہدہ کی مثالیں تک ملتی ہیں، جماعتِ اسلامی کا یہ اتحاد بھی دینی نقطہ نگاہ سے "بدعت" قرار نہیں دیا جا سکتا! اس کے بعد پاکستان کے منصب صدارت کے سلسلہ میں محترمہ فاطمہ جناح کی صدارت کا معرکہ آرا مسئلہ اچانک سامنے آگیا، جماعت اسلامی کے لئے بڑا ہی سخت، نازک اور مشکل مرحلہ تھا، ایک طرف دین و شریعت کے تقاضے تھے جن کی رُو سے عورت کی امارت ناپسندیدہ سمجھی گئی ہے بلکہ عام حالات میں ممنوع ہے۔ دوسری طرف ملک کے نازک حالات تھے، مطلق العنان اقتدار اور جمہوریت کی کشمکش تھی، ان مشکلوں اور نزاکتوں کے ساتھ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ جماعت کے اکابر جیل خانوں میں بند تھے، متحدہ محاذ کے اس فیصلہ کے بعد کئی دن تک جماعت نے اس مسئلہ میں کسی رائے کا اظہار نہیں کیا، نہ تائید نہ تردید! اُس کے ارکان نے علمی و دینی انداز میں اس مسئلہ کی تحقیق شروع کی، فقہ کی کتابوں میں عورت کی قضاءت وغیرہ کے بارے میں کچھ اقوال ملے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی تحریروں نے اس دھندلکے کو اور زیادہ روشن کر دیا، پھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور بعض دوسرے عُلماء کی مشورت و ہدایت کے بعد جماعتِ اسلامی نے متحدہ محاذ کے اس فیصلہ کی تائید کا اعلان کر دیا، اس اعلان میں یہ ذہنی کیفیت پوری طرح نمایاں رہی کہ ناگزیر صورتِ حال اور شریعت کے اصول "اہون البلیتین" کے تحت بدرجہ مجبوری یہ صورت اختیار کی گئی ہے، شریعت کا اصول اپنی جگہ ثابت و قائم ہے کہ عورت کو امارت و حکومت نہیں سونپنی چاہئے، پھر اس اعلان میں جماعت نے اس کا بھی اظہار کر دیا کہ یہ واقعہ آئندہ کیلئے "نظیر" نہیں بن سکتا، دار العلوم دیوبند کے مفتی اعظم مولانا سید مہدی حسن کے فتوے نے جماعت اسلامی کے موقف کو اور زیادہ تقویت پہونچائی اور تذبذب و تامل کے اس رہے سہے غبار کو بھی دُور کر دیا، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی جیل سے رہا ہو کر باہر آئے تو انہوں نے جماعت کے اس فیصلہ کی تائید بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بعض علماء کرام کے اس فتوے کی تصویب کر دی۔

کیا کوئی شخص بہ ثباتِ ہوش و حواس یہ بات کہہ سکتا ہے کہ جس طرح نماز میں ایک کافر کی امامت قطعاً ناجائز اور حرام ہے اور چاہے کیسے ہی نازک اور ناگزیر حالات کیوں پیدا نہ ہو جائیں یہ حرمت اباحت سے نہیں بدل سکتی، ہرگز ہرگز نہیں بدل سکتی ــــــ تو کیا عورت کے امارت کے مسئلہ کی ٹھیک یہی نوعیت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اپنی جگہ سو فی صدی حق ہے کہ عورت کی امارت میں "فلاح" نہیں ہے مگر اللہ کے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہی کی قدروں کو پامال سے بچانے کے لئے ناگزیر حالات میں عورت کی امارت کو گوارا کر لیا جائے تو شریعت کا اصول "اہون البلیتین" کیا اس موقف کی تائید نہیں کرتا! پھر جس مسئلہ میں دیانت دار علماء کے مابین اختلاف واقع ہو گیا ہو کیا وہ مسئلہ حق و باطل کا مسئلہ ہو سکتا ہے اور اس مسئلہ کی تائید کرنے والوں پر کیا ان الفاظ میں نکیر کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے دین کی بیخ کنی کی ہے اور شریعت کو پامال و رسوا کیا ہے اور اس ایک مسئلہ نے دین کی توہین وتحقیر کا دروازہ چوپٹ کھول دیا ہے اس کے بعد پاکستان سے دین کا وقار ہی رخصت ہو گیا اور دین کی ساکھ ہی جاتی رہی! اس انداز پر نقد و احتساب کیا اُن لوگوں کو زیب دیتا ہے جو [illegible] اگر اسلام کی حقیقت کا عرفان رکھتے ہیں! یہ کیا کہ کسی نے ذرا سی موئی چبھوئی ہو مگر اُس کے اس فعل کو "قتل و غارت گری" اور خون [illegible] سے تعبیر کیا جائے، دین کی حمیت کوئی شک نہیں فی نفسہ ایک نعمت ہے مگر اس حمیت کو نا انصافی اور بے جا غلو و تشدد کا رنگ تو اختیار نہ کرنا چاہئے، جس کا بس زد جو کہ گناہ، خطا، لغزش، تسامح، غفلت [illegible] سرزنش، احتساب اور گرفت کرنی چاہئے!

عورت کی حاکمیت کے مسئلہ کی تائید میں صرف جماعت اسلامی ہی منفرد نہیں ہے [illegible] اسلامی کے موقف کی تائید فرمائی ہے ان علماء میں بعض تو وہ ہیں جو تقریباً نصف صدی سے [illegible] علماء میں اہل حدیث بھی ہیں، دیوبندی اور ندوی بھی ہیں، صوفی مشرب بزرگ بھی ہیں، ان سب کو [illegible] بنانے پر کیا اس شبہ اور قیاس و رائے کے قرائن موجود نہیں ہیں کہ تنقید نگاروں کا اصل مقصود "اعلانِ حق" کی آڑ میں جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی کو مطعون و مجروح کرنا ہے! کاش! یہ حضرات اپنے دلوں کو ٹٹول سکتے! اس قاضی اور مجسٹریٹ کو کیا کہا جائے جو ایک ہی جرم کا ارتکاب کرنے والوں میں سب کو بری کر کے صرف ایک ہی شخص کو سزا دینے کے لئے چن لیتا ہے۔ اگر ان حضرات میں حق گوئی کی جرأت ہے تو وہ سب سے پہلے حضرت مولانا تھانوی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی تحریروں کی دلائل سے تردید کریں، اس مسئلہ میں عقیدہ و فتویٰ کے تمام زہر آلود تیر کیا غریب مودودی ہی کے سینہ کے لئے وقف کر دئے گئے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے، یہ کیسی حق پرستی ہے۔

پاکستان میں خلافت راشدہ اور دینی [illegible] ہو رہی تھی، جس کے لئے "عورت" کے انتخاب کی تائید کی گئی تھی، یہ جمہوری صدارت کا مسئلہ تھا جس سے یہ توقع قائم کی جاتی تھی کہ مطلق العنان مرد کے مقابلہ میں جمہوریت پسند عورت اپنے مردِ مشیروں کے ساتھ مل کر جمہوریت کی قدروں کو ابھار سکے گی، جن کے ساتھ اسلام کو بھی نمایاں ہونے کا موقع ملے گا جو [illegible] (۹) نکات متحدہ محاذ کے منشور میں شامل ہیں، اگر صرف انہیں کو متشکل اور نافذ ہونے کا موقعہ مل جاتا، تو پاکستان میں جمہوریت کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار کے پروان چڑھنے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں، دلوں کا حال کوئی نہیں جانتا کہ کون جماعت اور شخص واقعی کیا چاہتا ہے لوگوں کے وعدوں ہی پر اعتبار کر کے معاہدے کئے جاتے ہیں ــــــــــــــــــــــــ! اگر کوئی پارٹی یا فرد خدانخواستہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا یا یہ محسوس کیا جائے گا کہ اس اتحاد سے دین کو نقصان پہونچ رہا ہے تو جماعت اسلامی وصل کے مقابلہ میں فصل کو ترجیح دے گی! جماعتِ اسلامی کے اتحاد و اختلاف کا معیار و بنیاد ــــــ اور ہمارا اللہ تعالیٰ کے دین کی خیر خواہی اور اُس کی رضا کا حصول ہے!

دینی مسائل میں علماء کے [illegible] اختلاف بھی واقع ہو جایا کرتا ہے، اختلاف کے واقع ہوتے ہی نقد و احتساب کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں اور طعن و طنز کی بھی نوبت آجاتی ہے مگر صرف تنقید کے بھی اخلاقی حدود ہیں، زبان اور لہجہ کو بہرحال شائستہ ہونا چاہئے، اس مسئلہ میں بعض حضرات نے

نقد و احتساب مہذب لہجہ میں بھی کیا ہے لیکن دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ مولانا مودودی کی ذات سے جس عالم اور اہل قلم کو جتنی کد اور بیر ہے اُسی شدت کے ساتھ دہن خامہ سے بغض و عداوت کے جھاگ نکلے ہیں ـــــ کوئی شک نہیں، بغض و عداوت کے جھاگ اور اس قبیل کے دوسرے الفاظ سخت ہیں جن کو لکھتے ہوئے، خود ہم دل گرفتگی محسوس کر رہے ہیں مگر اس پر ہمارا ضمیر مطمئن ہے کہ ہم نے یہ الفاظ لکھ کر کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی!

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کو جس طرح سے جس انداز میں نشانہ ملامت بنایا جاتا رہا ہے وہ حق پسندوں کا تو شیوہ نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے "جماعت اسلامی" کی لفظی ترکیب ہی پر اعتراض وارد کیا گیا کہ اس جماعت کے علاوہ اور دوسری جماعتیں اور ادارے کیا غیر اسلامی ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ جو ہمارے ملک میں "اسلامیہ اسکول" "اسلامیہ کالج" "انجمن اسلامی" وغیرہ نام پائے جاتے ہیں کیا ان ناموں سے یہ مد[illegible] کہا جا سکتا ہے اور کسی نے بھی ان ناموں پر اس طرح گرفت کی ہے کہ یہ ادارے اپنے علاوہ اور دوسرے اداروں اور انجمنوں کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں ـــــ مولانا مودودی کے نام (ابوالاعلیٰ) پر اعتراض کہ اس میں خودستائی اور بڑائی کا پہلو نکلتا ہے، جواب میں عرض کیا گیا کہ جس طرح مولانا آزاد کا نام تو تھا محی الدین مگر انہوں نے اپنی کنیت "ابوالکلام" تجویز کی اور اسی کنیت سے وہ دنیا میں مشہور ہوتے، مولانا مودودی کے نام کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ یہ نام اُن کے والد کا رکھو ہوا ہے، مولانا موصوف کی اپنی رکھی ہوئی "کنیت" نہیں ہے، مولانا کے بڑے بھائیوں کے نام اسی انداز پر اُن کے والد نے ابو محمد اور ابوالخیر رکھے تھے ـــ ـ مولانا مودودی کو مطعون کرنے کے لئے یہ پیش گوئی کہ مودودی صاحب عنقریب اپنے مجدد ہونے کا اعلان کرنے والے ہیں! اس کے جواب میں جب یہ کہا گیا کہ مولانا مودودی نے اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، خود مولانا نے بھی اس کی تردید کی، یہ رنگ دیکھ کر کہ طعن و الزام کا یہ وار بھی ناکام رہا ـــــ تو اس وقت یوں پینترا بدلا گیا کہ مولانا مودودی چاہے دعویٰ کریں یا نہ کریں اُن کے مرنے کے بعد اُن کے معتقدین تو اُن کو "مجدد" ہی سمجھیں گے!

جماعت اسلامی کے منشور کی اس دفعہ پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت "معیار حق" نہیں ہے یہ اعتراض وارد فرمایا گیا کہ اس سے صحابہ کرام کی تنقیص ہوتی ہے، اس غلط خود ساختہ بلکہ مفسدانہ "استنباط" اور "اخذ مفہوم" کی خوب اشاعت کی گئی ـــــ پھر یہ تہمت جوڑی گئی کہ جماعت اسلامی والے اپنے سوا کسی دوسرے کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے، اس کی تردید تو خود مسلمانوں کے دل و دماغ اور اُن کی آنکھوں نے کر دی کہ جماعت اسلامی کے ارکان عام مسلمانوں کے ساتھ مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں اور اُن کی امامت میں پڑھتے ہیں، یہ حربہ بے کار گیا تو پھر یہ الزام تراشا گیا یہ خوارج کی جماعت ہے جو گناہ کبیرہ کو کفر سمجھتی ہے، اس کی بھی تردید کر دی گئی کہ "گناہ کبیرہ" موجب کفر نہیں ہے، فاسق مسلمان کتنا ہی خراب سہی مگر بہرحال وہ "مسلمان" ہی ہوتا ہے، ان تہمتوں کے ہجوم میں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی تحقیر و تضحیک کے لئے "کشف و کرامت" کا سہارا لیا گیا اور "اشراق باطن" کو اس فیصلہ کا مدار ٹھیرایا گیا اور اس بات کا ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ مولانا مودودی کے معاملہ میں ملاء اعلیٰ سے اسی قسم کا اشارہ اور ایما ہوا ہے۔ یہ "لے" بڑھتے بڑھتے اس ناانصافی اور ظلم و زیادتی کی حد تک پہونچ گئی کہ مودودی صاحب کو غلام احمد پرویز اور غلام احمد قادیانی سے مشابہت دی گئی۔ بعض مولوی صاحبان نے عام جلسوں میں ڈنکے کی چوٹ اس "اعلانِ حق" کی [illegible] "؟ حاصل [illegible] کہ مولانا مودودی "امریکی اسلام" دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، اس لئے ان کی لکھی ہوئی کتابیں "بحق سرکار" ضبط ہونی چاہئیں، یہاں تک کہ امریکی نو مسلم خاتون محترمہ مریم جمیلہ (اللھم کثّر امثالھا) کی نسبت سے مودودی صاحب کے بارے میں پاکستان کے ایک مولوی صاحب نے اپنی سفید ریشی دراز کو ہلا ہلا کر جلسہ عام میں ایسی ایسی رکیک باتیں کہیں، جو اُس شخص کی زبان سے جس کا دل آخرت کے مواخذہ پر ایمان رکھتا ہے نکل ہی نہیں سکتیں۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر نقد و احتساب، طعن و طنز، تہمتوں اور الزام تراشیوں کا جب یہ رنگ رہا ہو، تو عورت کی امارت کے مسئلہ میں اُن کے

محمد منصور علی

عائلی زندگی کا مقدس منشور

عورت زمانہ جاہلیت میں بہت زیادہ پست رہی ہے اس کی حیثیت جائداد کی طرح ہوا کرتی تھی جو باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو منتقل ہوتی رہتی تھی چنانچہ سوتیلے بیٹے سوتیلی ماں کو بیوی بنا لیا کرتے تھے اور اس لحاظ سے اس کا معاشرہ میں کوئی مقام نہیں تھا پھر جوں جوں تہذیبیں وجود میں آتی گئیں عورت بھی ماحول کا ایک جزو بنتی گئی اور رفتہ رفتہ اس نے سماج میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا۔ لیکن لاتعداد نفسیاتی پیچیدگیوں کی بنا پر مفکرین کچھ اچھے خیال قائم نہ کر سکے چنانچہ یونان کے مشہور مفکر سقراط کا قول تھا کہ عورت سے زیادہ فساد اور فتنہ کی چیز دنیا میں ہے ہی نہیں لیکن پر بیٹھنے والی چڑیا کے لئے موت کا پیغام دیتا ہے۔ اس قسم کے اور اس سے ملتے جلتے خیالات تقریباً ... پر تحقیقاتی کام کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ عورت میں فطری طور پر کچھ خامیاں ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ خوبیاں ... اسمتھ کے خیال کے مطابق :۔

"کانٹوں بھری شاخ کو پھول خوب صورت بنا دیتا ہے اور غریب گھر کو نیک ..."

رینالڈ نے کہا :۔

"دنیا میں کوئی محل، کوئی ہیرا اتنا قابل قدر نہیں ہوتا جتنی ایک پاکباز اور عفت مآب عورت بالخصوص جبکہ وہ حسین بھی ہو۔"

گوئٹے کا قول ہے :۔

"ہر بلند مرتبہ مرد کی رہنمائی عورت کے شیریں الفاظ کرتے ہیں" اور سینڈل کے قول کے مطابق :۔
"جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ مصیبت میں عورت گھبرا جاتی ہے وہ عورت کی فطرت سے لاعلم ہے۔ طوفان آجائیں، مصائب کی گھٹا چھا جائے دولت چلی جائے، صحت رخصت ہو جائے چاروں طرف تکلیفیں اور آفتیں ہوں یہ سب دیکھ کر مرد گھبرا جاتا ہے عورت نہیں گھبراتی۔"

لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس نے ان تضاد بیانیوں سے علیحدہ ہو کر عورت کو نہ صرف ایک معزز بلکہ ایک مقدس مقام عطا کیا ہے اور یہ اعزاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے جس نے عرب جیسی جاہل قوم کے دماغ سے عورت کے متعلق فرسودہ خیالات کا قلع قمع کیا۔ اسلام اور عورت اور مرد کو برابر کا درجہ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں عورت کی قدر و منزلت نے خاص توجہ فرمائی آپ کی ازواج مطہرات کی کثرت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ امت پر بعض نازک اور باریک مسائل بھی واضح ہو جائیں۔ احادیث شریف میں عورت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشتر ارشادات ہیں جو نہ صرف عام انسانوں کے لئے بلکہ مفکرین کے لئے بھی شمع ہدایت ہیں۔ یہاں ہم ان میں چند خاص خاص ارشادات نقل کئے دیتے ہیں جو عملی زندگی میں ہر دو اصناف کے لئے قابل غور و فکر ہیں اور عملی نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

● حضرت ابوشریح سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تو گواہ رہ کہ میں لوگوں کو بتا چکا ہوں اور اچھی

طرح ڈرا چکا ہوں کہ دو کمزور یعنی یتیم اور عورت کے حقوق ضائع کرنا سخت گناہ ہے ۔ (بخاری)

● ـــ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کیا کرو، یاد رکھو کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور سب سے بڑی پسلی ہی سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی ہے، اگر تو عورت کو بالکل سیدھا کرنا چاہے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ ہاں ٹیڑھا رکھ کر ہی کام لے سکتے ہو، لوگوں میں پھر کہتا ہوں کہ بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ (بخاری)

● ـــ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کو نہ چاہئے کہ بیوی کا کوئی نقص دیکھ کر اس سے نفرت کرنے لگے بلکہ وہ یوں دیکھے کہ اگر اس میں نقص ہے تو کوئی نہ کوئی خوبی بھی ہے پس اس خوبی کو مدنظر رکھے اور دل میں نفرت نہ بٹھائے (مسلم)

● ـــ حضرت عمرو بن احوصؓ سے روایت ہے کہ میں نے خود سنا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا خطبہ پڑھا اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف و حمد بیان کی۔ پھر لوگوں کو بہت سی باتوں کی نصیحت کی پھر فرمایا لوگو! یاد رکھو کہ میں تم کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کرتا ہوں۔ دیکھو خدا نے تمہارے ماتحت ان کو کیا تم ان کے مالک ہو ہاں اگر کوئی عورت بے حیائی کے کام اختیار کرے تو بے شک تنبیہ کر سکتے ہو اس طرح کہ پہلے ان کو نصیحت کرو اگر اثر نہ ہو تو بطور اظہار ناراضگی ان کے ساتھ ایک کمرہ میں سونا چھوڑ دو پھر بھی نہ مانیں تو ان کو مار دو مگر ضرب خفیف پھر اگر وہ درست ہو جائیں تو پھر کوئی تکلیف ان کو نہ پہنچاؤ لوگو! یاد رکھو تمہاری بیوی کے ذمہ تمہارے حقوق ہیں پس تمہارا حق تو یہ ہے کہ جس کو ناپسند کرتے ہو ان سے وہ ملیں جلیں نہیں اور تمہاری اجازت کے بغیر وہ کسی کو گھر میں نہ آنے دیں اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان سے سلوک کرو کپڑے اور کھانے میں۔ (ترمذی)

● ـــ حضرت معاویہ بن حیدہ سے روایت ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میری بیوی کا مجھ پر کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا اپنی حیثیت کے مطابق اسے کھلا پلا اور کپڑے پہنا۔ دیکھو اس کے منہ پر تھپڑ نہ مارنا، برا بھلا نہ کہنا اس کی اصلاح کے لئے تنبیہ کرنی ہو تو اسے گھر سے نہ نکالنا مگر خود کچھ مدت کے لئے گھر سے علیحدہ ہو جانا۔ (بخاری)

● ـــ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان میں سب سے زیادہ وہ شخص کامل ہوتا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں بہتر وہ شخص ہے جو بیوی کے حق میں بہتر ہو۔ (ترمذی)

● ـــ عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا سب سامان عارضی اور فانی ہے مگر اس عارضی اور فانی سامان میں سب سے بہتر سامان نیک بیوی ہے ۔

● ـــ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! تم سب کے سب کسی نہ کسی کے سرپرست ہو اور تم سب سے پوچھا جائے گا اس کے متعلق جس کا وہ سرپرست تھا بادشاہ سے اپنی رعایا کے متعلق بازپرس ہوگی ہر مرد سے اس کے گھرانے کے متعلق ہر عورت سے اس کے خاوند اور بچوں کے متعلق۔ پس تم سب کے سب سرپرست ہو اور سب سے ان کی رعایا کے متعلق بازپرس ہوگی۔ (بخاری)

● ـــ حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم بھی تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے خرچ کرے اس کا ثواب تجھ کو ملے گا حتیٰ کہ جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے اس کا ثواب بھی تجھے دیا جائے گا۔ (بخاری)

● ـــ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمان عورتو! ایک ہمسائی دوسری ہمسائی کی

چھوٹی سے چھوٹی نیکی سے دریغ نہ کرے مثلاً پائے پکا کر ہی بھیج دے۔ (بخاری)

- حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عورت سے نکاح کیا جاتا ہے کبھی اس کے مال کی خاطر کبھی اس کے خاندان کی وجہ سے کبھی اس کی خوب صورتی کے سبب اور کبھی اس کی دینداری کی وجہ سے۔ پس تجھے اللہ سمجھ دے تو نکاح کیجیو عورت سے اس کی دینداری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔ (بخاری)
- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا۔ نہ کسی بیوی کو نہ نوکر چاکروں کو۔ (مسلم)
- حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک قریشی عورت نے چوری کی جب پکڑی گئی تو قریش کو بطور سزا اس کا ہاتھ کاٹنے میں بڑی بدنامی معلوم ہوئی انہوں نے آپس میں کہا کہ اس کے بارے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں کس کو بھیجیں۔ پھر خود ہی کہا کہ زید کے بیٹے اُسامہ کے سوا کسی کو جرأت نہیں کہ آپ سے اس کے بارے میں کچھ عرض کر سکے اس پر انہوں نے اُسامہ کو بھیجا حضرت اُسامہ نے حضور سے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا اے اُسامہ اللہ کے بارے میں سفارش کرتا ہے پھر آپ کھڑے ہوئے اور لوگوں میں ایک خطبہ پڑھا اور فرمایا ہلاک کیا کہ جب ان میں کوئی خاندانی آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب غریب دیتے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کر
- حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص سے صحبت کرتا ہے پھر صبح کو دوستوں اور آشناؤں پر اس کی پردہ کی باتیں ظاہر کرتا ہے۔ (مسلم)
- حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہم کچھ عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ہم کو سلام کیا۔ (ابوداؤد)
- حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز ہرگز کوئی مرد کسی عورت سے بغیر اس کے محرم رشتہ دار کی موجودگی میں نہ ملے اور نہ کوئی عورت سفر کرے بغیر محرم رشتہ دار کے ہمراہ ہونے کے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری بیوی حج کے لئے جا رہی ہے اور میرا نام فلاں لڑائی میں جانے کے لئے لکھا گیا ہے آپ نے فرمایا تو جا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔ (بخاری)
- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! تم میں جب کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے یوں کہے میں اللہ کا نام لے کر یہ فعل شروع کرتا ہوں۔ اے اللہ ہم کو شیطان سے بچا اور جو بچہ ہم کو ملنے والا ہے اس سے شیطان کو دور رکھیو۔ تو ضرور اللہ تعالیٰ حمل ٹھہرنے کی صورت میں اس بچہ کو شیطانی تحریکوں سے محفوظ فرمائے گا۔ (بخاری)
- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ صفیہؓ آپ کی بی بی ٹھنگنی (پستہ قد) ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہ تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر وہ ایک بھرے ہوئے دریا میں ڈال دی جائے تو سب کو کڑوا کر دے۔ (ابوداؤد)
- حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے ایسے مرد پر جو رات کو نماز پڑھنے کے لئے اٹھتا ہے اور اپنی بیوی کو جگاتا ہے اگر وہ انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالتا ہے۔ رحم کرے اللہ تعالیٰ

اس عورت پر جو نماز کے لئے اٹھتی ہے اور اپنے خاوند کو جگاتی ہے اگر وہ انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالتی ہے۔ (ابوداؤد)

- حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے سامنے کسی دوسری عورت کے حسن وجمال کا نقشہ نہ کھینچے۔ (بخاری)
- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ بغیر اپنے خاوند کی اجازت کے کسی کو گھر میں آنے کی اجازت دے۔ (بخاری)
- حضرت عمرانؓ ابن حصین کا بیان ہے کہ حضور انور نے فرمایا۔ میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا اکثر لوگوں کو فقرا میں سے پایا اس کے بعد دوزخ میں دیکھا وہاں اکثر رہنے والی عورتیں دیکھیں۔ (بخاری)
- رسول اکرمؐ نے فرمایا مجھے کشف میں دوزخ دکھائی گئی اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں جو اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں ڈالی گئی تھیں۔ صحابہ نے عرض کیا وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ کفر کرتی ہیں فرمایا۔ وہ خاوند اور احسان کی ناقدری کرتی ہیں جو کفران نعمت ہے۔ خواہ تم ایک عرصہ دراز تک ایک عورت سے نیک سلوک کرتے رہو لیکن جب اسے تمہاری ایک بات بھی اپنی مرضی کے خلاف نظر آئے گی تو فوراً کہہ اٹھے گی کہ میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔ (بخاری)
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مومن عورت اس حالت میں مری کہ اس کا خاوند اس سے خوش اور راضی ہے وہ خدا کے فضل سے جنت میں داخل ہوگی۔ (مسلم)
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مباح چیزوں میں جو سب سے مبغوض چیز ہے وہ اللہ کی نگاہ میں طلاق ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بات اتنا خوش نہیں کرتی جتنا غلاموں کو آزاد کرنا اور کوئی بات اتنا ناراض نہیں کرتی جتنا طلاق دینا۔
- حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت کے مطابق حضرت محمدؐ کا ارشاد ہے کہ ایک عورت دوسری سے گھل مل کر اپنے شوہر سے اس کے حالات یوں بیان نہ کرے کہ گویا وہ مرد اس عورت کو اپنی نظر کے سامنے دیکھ رہا ہے۔
- ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی غیر اللہ کے سجدہ کو جائز سمجھتا تو عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ (ترمذی)

عائلی زندگی کا یہ وہ مقدس منشور ہے، جو اہلی زندگی کو مطمئن، خوش حال اور بابرکت بناتا ہے، مغربی تہذیب کے بقول آج مغرب کے گھرانے جہنم بنے ہوئے ہیں! عائلی زندگی ہو یا سیاسی زندگی، انفرادیت ہو یا اجتماعیت، حکومت ہو یا تجارت نبی آخر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لائے ہوئے دین اور ضوابط حیات کی اتباع کے بغیر دنیا فوز وفلاح نہیں پا سکتی، کاش! آج کے دانش ور اس حقیقت کو پا سکتے ہیں!
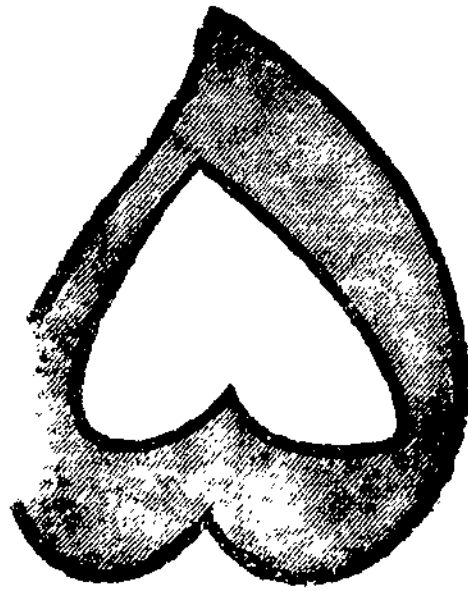
مولانا حبیب الرحمٰن
(خطیب مسجد ہاشمیہ پیر کالونی)

آفت وعذاب — عبرت کے چند ورق

بلاشبہ برے اعمال ہمیشہ آفت لاتے ہیں۔ حق تعالیٰ بغیر تنبیہ کئے نہیں پکڑتا۔ اسی باعث انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا گیا تاکہ لوگ بے خبر اور غافل نہ رہیں اور انہیں خیر وشر سے پوری طرح آگاہ کر دیا جائے

چونکہ عذاب الٰہی بغیر اتمام حجت کے نہیں آتے تو انبیائے کرام کی موجودگی میں ان کے ذریعے اتمام حجت کیا جاتا ہے اور ان کی غیر موجودگی میں ان کے نائبین کے ذریعے۔

فطرت انسانی ہے کہ جب وہ اول اول کسی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اسے چھپ چھپ کر کرتا ہے تاکہ کوئی روک ٹوک نہ کر سکے گویا دل میں ایک احساس شرمندگی ہے جو اسے گناہ سے روک رہا ہے۔

لیکن جب شیطان کے پھندے میں پھنس کر یہ معصیت کرگزرتا ہے تو یہ احساس شرمندگی ختم ہو جاتا ہے۔ اب صرف ایک حجاب باقی رہ جاتا ہے لیکن وہ بھی رفتہ رفتہ دور ہو جاتا ہے۔

اس کے نتیجہ میں انسان بے باک اور بے خوف ہو جاتا ہے اور علانیہ اس معصیت میں مبتلا ہوتا ہے بہت سے لوگ اسے دیکھ کر اس کو شوق سے اختیار کرتے ہیں اور یہ شے عمومی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

جہاں یہ صورت ظاہر ہوتی ہے تو اس کا ردعمل بھی شروع ہوتا ہے ابتدا میں لوگ اس پر سختی سے نکیر کرتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ ان کی شدت کم ہوتی جاتی ہے کیونکہ شر بہ نسبت خیر کے جلد اثر پذیر ہوتا ہے۔ پھر ایک دور آتا ہے کہ نکیر کرنے والوں کی تعداد بہت محدود ہو جاتی ہے۔ معصیت عام ہو جاتی ہے اور اس کی برائی دلوں سے مٹ جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک اور دور آتا ہے جب کہ معصیت عاصی کی نگاہ میں خیر بن جاتی ہے اور جو اس پر نکیر کرتا ہے یہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے یہ سیاہ قلبی کی آخری منزل ہے۔ اس منزل پر پہونچنے کے بعد کوئی دعوت اور سرزنش کارگر نہیں ہوتی گویا اس قوم کا مردود و معذب ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جب کوئی قوم اس نازک منزل میں پہونچ جاتی ہے تو اس پر رحمت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں تاکہ وہ معصیتیں جو یہ قوم اپنی غربت اور فقر کی بنا پر انجام نہ دے سکی تھی انہیں بھی پورا کرلے۔

یہ بے وقوف اسی تصور میں منہمک ہوتے ہیں کہ اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو یہ رحمتیں کیوں نازل ہوتیں۔ نتیجۃً جو کچھ باقی تھی وہ بھی پوری ہو جاتی ہے یہ اسی غفلت میں مدہوش ہوتے ہیں کہ اچانک عذاب الٰہی انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر یہ امر واضح فرمایا ہے ایک مقام پر ارشاد ہے۔

فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیہم ابواب کل شئی ہ
حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰھم بغتۃ فاذا ھم

جب لوگ ان احکام کو بھلا دیتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے تو ہم اُن پر ہر شے کے دروازے کھول دیتے جب وہ ہماری

۳۳۴ھ ۔ بغداد میں پھر قحط رونما ہوا تھی کہ لوگوں نے مردار اور لید تک کھائی، سڑکوں اور گلیوں میں مردے ہی پڑے نظر آتے اور کتے ان کا گوشت نوچتے، ایک ایک روٹی کے عوض باغات اور زمینیں فروخت ہو گئیں۔

۳۴۴ھ مصر میں زبردست زلزلہ آیا جو مسلسل تین گھنٹے جاری رہا جس سے ہزارہا آدمی مرے اور پہاڑ تک پھٹ گئے لوگ خوف و دہشت سے دعاؤں میں مشغول ہو گئے۔

۳۴۶ھ [illegible] ہاتھ نیچے اتر گیا تھی [illegible] اور دیگر [illegible] نظر آنے لگیں جو کبھی دیکھنے میں بھی نہ آئی تھیں۔

رَے اور اس کے اطراف میں اسی سال زبردست زلزلہ [illegible]

اسی سال شہر طالقان زمین میں دھنس گیا [illegible] صرف تیس آدمی زندہ بچ سکے [illegible] زمین میں دھنس گئے بصورت حلوان میں [illegible] زمین نے مردے باہر پھینک دیئے رَے [illegible] ایک پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑا [illegible] ہو گیا جو آدھے دن تک معلق رہا اور پھر [illegible] دھنسا دیا گیا بہت سے مقامات سے زمین پھٹ گئی [illegible] پانی [illegible]

۳۴۷ھ موصل اور حلوان [illegible] جس نے تمام کھیتیاں اور درخت صاف کر دیے، لوگوں [illegible]

۳۵۹ھ عراق میں [illegible]

۳۶۲ھ وزیر ابو الفضل [illegible] آگ لگوا دی جس آگ کی [illegible] اس میں [illegible] مر گیا

۳۸۴ھ بغداد میں قحط رونما ہوا جس سے ایک بڑی تعداد [illegible] سے مر گئی۔

بصرہ میں زبردست آندھی چلی جو آگ کی طرح [illegible] تھی [illegible] بصرہ کو تباہ کر دیا۔

دریائے دجلہ [illegible] آندھی آئی [illegible] لگی بے پناہ کشتیاں غرق ہوئیں ہوا نے دریا سے ایک چھوٹی کشتی مع تمام جو تھا میں باہر پھینک دی [illegible] ختم ہو گئے چند روز بعد [illegible] میں آئے۔

[illegible] دجلہ کا پانی خشک ہو گیا [illegible] جو پہلے موجود نہ تھے۔

[illegible] میں [illegible] پانی [illegible] کچھ ہزار [illegible] اس میں ہلاک ہوئے

اسی سال [illegible] لوگ مچھلیاں [illegible] پانی پھر واپس آ گیا اور وہ [illegible] ہو گئے۔

اسی سال مصر میں قحط [illegible] مسلسل کئی سال جاری رہا [illegible] اور ایک کتا پانچ دینار میں کھانے کے لئے فروخت ہوا۔ ایک عورت جواہرات کا ٹوکرا بھر کر اس کے بدلے گندم [illegible] نے ان جواہرات کی جانب توجہ بھی نہ دی

۴۶۶ھ دریائے دجلہ میں سیلاب آیا پانی تیس ہاتھ بلند ہو گیا ایسا سیلاب کبھی نہ آیا تھا جس نے پورے بغداد کو ایک چٹیل میدان کر دیا۔ لوگ کشتیوں میں سوار ہو گئے خلیفہ وقت قائم بامراللہ نے دو رکعت کشتیوں پر پڑھا اور اللہ سے استغفار کی ایک لاکھ سے زیادہ مکانات کا نام و نشان مٹ گیا

۴۹۶ھ ۔ تمام بلاد اسلامیہ میں قحط پڑا۔

سنہ ۴۸۴ھ۔ بغداد میں سیاہ آندھی آئی۔ سخت کڑک اور بجلیاں گریں۔ ریت اور مٹی بارش کی طرح برسی۔ لوگ قیامت کا گمان کرنے لگے اور یہ عذاب تین گھنٹے جاری رہا۔

سنہ ۴۸۹ھ سبعہ سیارہ برج زحل کے برج حوت میں جمع ہوئے نجومیوں نے پیشین گوئی کی کہ طوفان نوح سے بھی زبردست طوفان آئے گا لیکن صرف دارالمناقب میں سیلاب آیا جس سے حاجیوں کا ایک قافلہ غرق ہو گیا۔

سنہ ۴۹۸ھ بغداد میں چیچک کی وبا پھیلی جس میں حد شمار سے زیادہ بچے مرے۔ اس کے بعد ایک اور زبردست وبا پھیلی جس میں ہزارہا افراد لقمۂ اجل بن گئے۔

سنہ ۵۰۴ھ مصر میں ایک سیاہ آندھی چلی جس میں ہاتھ تک نظر نہ آتا تھا۔ لوگوں کو تباہی کا یقین ہو گیا کچھ دیر بعد وہ زرد پڑ گئی اور یہ عصر سے مغرب کے بعد تک جاری رہی۔

سنہ ۵۱۱ھ سنجار میں ایک سیلاب آیا جس نے اس کی فصیل کو غرق کر دیا۔ پانی نے فصیل کا دروازہ تین میل پرے پھینک دیا جو کئی سال بعد مٹی کے نیچے سے ظاہر ہوا اس سیلاب میں سنجار کا کوئی بھی باشندہ نہ بچا صرف ایک دودھ پیتا بچہ بچا جو تخت پر پڑا ہوا تھا پانی اس تخت کو بہا کر زیتونہ لے گیا یہ بچہ بڑھاپے تک زندہ رہا۔

سنہ ۵۲۴ھ موصل میں ایک بادل اٹھا جس نے سارے شہر کو گھیر لیا اور اس سے آگ برسنی شروع ہو گئی جس سے اکثر شہر خاکستر ہو گیا۔ اسی سال بغداد میں بچھو پیدا ہوئے جو اڑتے تھے اور جن کے دو ڈنک تھے لوگ ان کے خوف سے کانپنے لگے ان بچھوؤں نے بہت سے بچوں کو ہلاک کر دیا۔

سنہ ۵۳۳ھ جزیرہ میں زبردست زلزلہ آیا جس کے اثرات تیس میل تک تھے۔ جنزہ کی اکثر آبادی ہلاک ہو گئی اس کے بعد جنزہ زمین میں اتر گیا اور اس جگہ سیاہ پانی ابلنے لگا۔

سنہ ۵۴۴ھ ایک زبردست زلزلہ آیا جس سے بغداد دس بار ہلا اور حلوان میں ایک پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑا۔

سنہ ۵۴۵ھ یمن میں خون کی بارش ہوئی جس سے تمام زمین سرخ ہو گئی اور لوگوں کے کپڑے تک خون میں سرخ ہو گئے۔

سنہ ۵۶۹ھ سواد اور واقع مصر میں نارنگی کے برابر اولے پڑے جس سے بہت سے مکانات گرے اور بہت سے جانور مرے۔ دریائے دجلہ میں زبردست سیلاب آیا جس سے بغداد غرق ہو گیا۔ جمعہ کی نماز فصیل سے باہر ادا ہوئی تمام ذخائر ختم ہو گئے بہت سے گاؤں اور مزارع غرق ہوئے اور لوگ اللہ کے سامنے گڑگڑائے

سنہ ۵۷۴ھ بغداد میں آدھی رات کے قریب زبردست آندھی چلی اور آسمان کے کناروں پر آگ کے ستون نظر آئے لوگ استغفار میں مشغول ہو گئے اور صبح یہی کیفیت طاری رہی۔

سنہ ۵۹۲ھ مکہ میں سیاہ آندھی آئی جو کچھ دیر بعد تمام دنیا پر چھا گئی۔ لوگوں پر سرخ ریت برستا رہا اور رکن یمانی کا ایک حصہ ٹوٹ کر گر گیا۔

سنہ ۵۹۳ھ ایک بڑا تارا ٹوٹا جس کے ٹوٹنے سے ایک زبردست آواز پیدا ہوئی۔ جس سے تمام در و دیوار ہلنے لگے۔ لوگ خوف و دہشت سے استغفار میں مشغول ہو گئے اور یہ خیال کرنے لگے کہ قیامت آ گئی۔

سنہ ۵۹۶ھ دریائے نیل تقریباً خشک ہو گیا اور تیرہ ہاتھ پانی بھی نہ رہا جس کے باعث پورے مصر میں قحط پڑ گیا حتیٰ کہ آدمیوں نے مردار اور انسان تک لئے۔

سنہ ۵۹۷ھ مصر و شام اور جزیرہ میں زبردست زلزلہ آیا جس نے اکثر شہر اور قلعہ جات تباہ کر دئے اور بصرہ میں ایک گاؤں زمین میں دھنس گیا۔

سنہ ۵۹۹ھ محرم کی ابتدائی تاریخوں میں تارے ٹوٹنے شروع ہوئے اور اس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر اڑ رہے تھے جیسے ٹڈی دل چھا گیا ہو لوگ گھبرا کر دعا و استغفار

میں مشغول ہو گئے۔

سنہ ۶۵۲ھ مصر میں عدن میں ایک آگ ظاہر ہوئی۔ رات کو اس کے شرارے سمندر کی جانب جاتے اور دن میں زبردست دھواں اٹھتا۔

سنہ ۶۵۴ھ۔ ۳ جمادی الآخر بروز چہارشنبہ مدینہ منورہ میں ایک زبردست آواز پیدا ہوئی اس کے بعد زبردست زلزلہ آیا اور بارہ دن تک اس زلزلوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد ایک زبردست آگ نکلی [illegible] سے شروع ہوئی تھی اس آگ کا ایک سیلاب وادی شطا کی جانب بڑھا یہ آگ بالکل اس طرح بہتی تھی جیسے پانی کا سیلاب [illegible] ایک حصار کی ایک بڑے محل کے برابر ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ مکہ معظمہ سے اس کی روشنی نظر آتی تھی۔ اور بصرہ میں [illegible] چلتے ہوئے اونٹوں کی گردنیں [illegible] میں نظر آتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آگ کی پیشین گوئی فرمائی تھی "کہ اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک [illegible] سے بصرے کے اونٹوں کی گردنیں نظر نہ آنے لگیں" یہ آگ پتھروں کو جلاتی تھی۔ لیکن درخت اور لکڑی پر کوئی اثر نہ کرتی تھی۔ [illegible] اور عرض میں چار میل اور لطف یہ کہ آدمی قریب جانے کے بعد اس میں کوئی تپش محسوس نہ کرتا تھا۔ یہ آگ تین ماہ تک باقی رہی اور تین ماہ تک سورج اور چاند [illegible] رہے۔

سنہ ۶۶۲ھ قاہرہ میں بہت سے مقامات پر آگ لگی۔ جگہ جگہ [illegible] آئے جن میں گندھک

سنہ ۷۰۲ھ مصر و شام میں زبردست زلزلے آئے اور لاکھوں آدمی مکانات کے نیچے دب کر مر گئے

سنہ ۷۱۱ھ دریائے نیل میں طغیانی آئی جس نے بہت سے شہروں کو [illegible] مصر کی ایک کثیر آبادی

سنہ ۷۴۴ھ مصر میں زبردست اولے پڑے اور بجلیاں گریں۔

سنہ ۷۴۹ھ زبردست طاعون پھیلا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

سنہ ۸۲۱ھ بلبیس میں ایک بھینس پیدا ہوئی جس کے دو سر دو گردنیں، دو دُمیں۔ چار ہاتھ دو پاؤں اور ایک کمر تھی۔

سنہ ۸۲۴ھ دریائے نیل میں طغیانی آئی جس نے تمام ساحلی علاقے کو برباد کر دیا۔

سنہ ۸۲۵ھ امام جلال الدین بلقینی کے یہاں نواسہ پیدا ہوا جس میں مردانہ اور نہ زنانہ ہر دو علامتیں پائی جاتی نہیں دو ہاتھ زائد تھے جو ہتھیلیوں میں جڑے ہوئے تھے، سر پر دو سینگ تھے۔ یہ بچہ کچھ دیر بعد مر گیا۔

سنہ ۸۸۶ھ ۱۰ محرم کو پوری دنیا میں زلزلے آئے۔

اس تمام فہرست پر نظر ڈالیے، اور پھر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیے کہ کیا ہم ان عذابات کے مستحق نہیں اور نہ معلوم کس وقت ہم پر خدا کا قہر نازل ہو اور توبہ و استغفار کی بھی مہلت میسر نہ ہو۔

اب صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان عذابوں کی آمد کا وقت بھی سن لیجئے۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عذابات کا نزول دو سو سال بعد ہوگا۔	عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الآیات بعد المائتین۔

ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ ص۴۷۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عذابات کی مختلف وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں اور عذابوں کی اقسام بھی بیان فرمائیں ارشاد ہے۔

اس امت کے آخر میں لوگوں کو زمین میں بھی دھنسا دیا جائے گا۔	یکون فی آخر ھذہ الامۃ خسف ومسخ وقذف

قالت عائشة قلت یارسول اللہ انهلك وفینا الصالحون قال نعم اذا ظهر الخبث ۔

ترمذی ص۱۲۳

صورتیں بھی بگاڑی جائیں گی اور آسمان سے پتھر بھی برسائے جائیں گے حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا نیک لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی ہم ہلاک ہو جائیں گے فرمایا ہاں جب برائی عام ہو جائے گی ۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا۔

فی هذه الامة خسف ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمین یارسول اللہ ومتی ذلك قال اذا ظهرت القیان والمعازف وشربت الخمور ۔

اس امت کو زمین میں بھی دھنسایا جائے گا ۔ صورتیں بھی بگاڑی جائیں گی اور آسمان سے پتھر بھی برسیں گے ۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کب ہوگا ۔ فرمایا جب گانے والی اور ساز عام ہو جائیں گے اور شرابیں پی جانے لگیں گی ۔

ایک حدیث میں ان گناہوں کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے جن کی بنا پر امت پر عذابات الٰہی نازل ہوں گے ارشاد ہے ۔

اذا اتخذ الفیء دولا والامانة مغنما والزکوة مغرما وتعلم لغیر الدین واطاع الرجل امرأته وعق امه وادنی صدیقه واقصی اباه وظهرت الاصوات فی المساجد وساد القبیلة فاسقهم وکان زعیم القوم ارذلهم واکرم الرجل مخافة شره وظهرت القینات والمعازف وشربت الخمور ولعن آخر هذه الامة اولها فلیرتقبوا عند ذلك ریحا حمراء وزلزلة وخسفا ومسخا وقذفا وآیات تتابع کنظام بال قطع سلکه فتتابع ۔

جب مال غنیمت کو دولت ، امانت کو غنیمت ، زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے گا ۔ دین کے علاوہ تعلیم حاصل کی جانے لگے گی آدمی بیوی کی فرمانبرداری کرے گا ۔ ماں کی نافرمانی کرے گا ۔ دوست کو قریب کریگا باپ کو دور کر دے گا ۔ مساجد میں لوگ چیخنے لگیں گے ۔ قبیلے کا سردار فاسق و فاجر ہوگا ۔ قوم کا رہنما سب سے زیادہ ذلیل ہوگا ۔ آدمی دوسرے سے اپنی عزت بچانے کے لئے اس کی عزت کرے گا ۔ گانے والیاں اور ساز عام ہو جائیں گے شرابیں پی جانے لگیں گی امت کا آخری حصہ پہلوں پر لعنت کرے گا تو ایسے وقت سرخ آندھی ، زلزلہ ، زمین میں دھنسنے ، صورتیں بگڑنے آسمان سے پتھر برسنے اور دیگر ایسی نشانیوں کا انتظار کرو جو یکے بعد دیگرے اسی طرح آئیں گے جیسا کہ موتی کی لڑی ٹوٹ کر موتی گرتے ہیں ۔

حضرت علیؓ کی روایت میں ریشم پہننے کا بھی ذکر ہے ۔

ایک اور حدیث میں یہ بھی تشریح فرما دی ہے کہ امت کا وہ کون سا طبقہ ہے جو زمین میں دھنسایا جائے گا ۔ ارشاد ہے ۔ ———

لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونها بغیر اسمها یعزف علی رؤسهم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بهم الارض ویجعل منهم

میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے لیکن شراب کا نام تبدیل کر دیں گے ۔ ان کے سروں پر ساز بجیں گے اور گانے والیاں گائیں گی اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کو ان میں سے

ملّا واحدی

تاثرات

نشانِ مردِ مومن —— چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے: اِنّ الذین قالوا ربنا اللّٰہ (جنہوں نے مان لیا اور تسلیم کرلیا اور صاف صاف برملا
ردیا کہ ہمارا رب اللہ ہے (ہم خود بخود نہیں ٹپک پڑے ہیں، ہمیں اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا ہے اور وہی ہمیں پالتا پوستا، نشو و نما دیتا اور جب
ـ چاہتا ہے زندہ رکھتا ہے) ثُمّ استقاموا (پھر اس پر جمے رہے، ڈھل مل نہیں ہوتے۔ گرگٹ کے سے رنگ نہیں بدلے۔ شک و شبہ
، ڈبکیاں نہیں کھائے گئے اور اپنے ایمان کا اپنے عمل سے ثبوت دیا، ایمان کے مطابق عمل کرکے دکھایا۔ اللہ کے سوا کسی کے آگے جھکے نہیں کسی کو
سکے سوا عبادت اور اطاعت کا مستحق نہیں گردانا، اللہ کے عائد کردہ فرض اور حقوق ادا کئے، تتنزّلُ علیہم الملٰئکۃ الّا تخافوا
ولا تحزنوا وابشروا بالجنّۃ التی کنتم توعدون، (اُن کے مرنے، یعنی دنیا سے واپس جانے کے وقت) اُن کے پاس فرشتے
تے ہیں (اور اطمینان دلاتے ہیں) کہ تم ڈرو نہیں اور غمگین مت ہو (بلکہ یوں سمجھو کہ ڈر اور غم کا دور ختم ہوا) اب تو اُس جنت کی خوشیاں
ؤ جس جنت کا تم سے وعدہ تھا۔ (تمہیں حرفِ غلط کی طرح مٹایا نہیں جارہا) نحن اولیٰؤکم فی الحیٰوۃ الدنیا
وفی الاٰخرۃ، ہم (اللہ کی طرف سے اور اللہ کے حکم سے) دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے مددگار تھے اور آخرت میں بھی (مددگار ہوں گے
ہیں شیطان سے بچاتے تھے، آخرت میں تمہارے اعزاز و اکرام کا اہتمام کریں گے) ولکم فیہا ما تشتہیٓ انفسکم ولکم
فیہا ما تدّعون۔ وہاں تمہارے لئے ہر وہ شے مہیّا ہے، جس کو تمہارا دل مانگے، وہاں تم جو مانگو گے اُسے پاؤ گے (اللہ کے ہاں کس شے کی
ہو سکتی ہے) نُزُلاً من غفور الرحیم (معمولی بات تھوڑا ہی ہے۔ جنّت میں تم خدا کے مہمان ہو گے) یہ (جنّت کی زندگی) خدائے
پروردگار رحیم کی جانب سے (تمہاری) مہمان داری ہے۔ (سورہ ۴۱ — آیات ۳۰ تا ۳۲)

دوسری جگہ ہے: یٰاَیّتُہا النفس المُطمَئِنّۃ (اے وہ روح! جس نے (مجھ سے) لَو لگائی اور میری یاد اور میری طاعت میں)
ن محسوس کی، اِرجِعیٓ اِلیٰ رَبِّکِ راضیۃً مَّرضیّۃ، (آ) تو اپنے رب (کے سایۂ رحمت) کی سمت چلی آ، اس شان سے کہ تو رب سے
، اور رب تجھ سے راضی۔ فَادخُلی فی عِبٰادی ۝ وَادخُلی جَنّتی۔ اور پھر میرے (مقبول) بندوں میں جا مل اور میری جنّت میں
ل ہو جا۔ (سورہ ۸۹ - آیات ۲۷ تا ۳۰)

مولانا جلال الدین رومیؒ نے موت کو بادل اور درخت سے تشبیہ دی ہے جیسے پانی اوپر سے آتا ہے اور بھاپ اور بادل کی شکل میں
ارہ اُوپر جاتا ہے، یا دانہ اوپر سے زمین کے اندر پہونچتا ہے اور پھر درخت بن کر اوپر نکلتا اور اُبھرتا ہے، ایسے ہی روح مٹی کے جسم میں چند دن
ہے اور بالآخر جسم سے نکلتی اور اوپر چڑھتی ہے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مولانا رومی کے بیان کی شرح میں فرماتے ہیں: بارش کا پانی

ہم آپ سب دیکھتے ہیں کہ آسمان سے زمین یعنی اُوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے زمین پر بہتا ہے، پھیلتا ہے، ندی نالے، دریا سمندر کا جزو بنتا ہے۔ زمین میں جذب ہوتا ہے، اور زمین پر اپنی زندگی کی میعاد پوری کرنے، یہ بھی ہم سب جانتے ہیں کہ وہی پانی لطیف تر صورت اختیار کر کے اور ایک طرح کی ہوا بن کر بادل بننے کے لئے پھر آسمان کی سمت میں اُڑ جاتا ہے۔

نیز یہ بھی ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ گیہوں کے دانے اوپر ہی سے زمین میں بکھیرے جاتے ہیں اوپر سے نیچے زمین پر گرتے ہیں، زمین میں دبتے ہیں سڑتے جاتے ہیں اور پیوست ہو جاتے ہیں لیکن پھر ایک مدّت معینہ کے بعد زمین سے سر نکالتے ہیں اور اُبھرتے ہیں۔

یہ روزمرہ کے مشاہدے جسمانیات سے متعلق ہیں، بے جان ہستیوں کے ہیں۔ روح اور پھر انسانی روح تو ہر جسم سے لطیف تر اور حیات کی ساری صورتوں سے شریف تر ہے اس کا مستقر اور ٹھکانا یہ خاک کثیف کیوں کر ہو سکتی ہے، یہ تو اس کی صرف ایک منزل راہ اور سفر و سیاحت کا ایک وقتی پڑاؤ ہے۔ اس کی آمد اور ورود کی جو غرض و غایت ہے اُسے پورا کر کے اسے تو بہر حال اپنے مستقر اصلی کی طرف واپس جانا ہے اور رفعت افلاک کی جانب رجوع کرنا ہے۔ نہ وہ جنت سے انجان اور نا آشنا اور نہ جنت اُس کے لئے اجنبی اور عنصری خاکدان ہے اور وہ دن اُس کے لئے ماتم و شیون کا نہیں، فرح و سرور کا ہوگا۔ جب وہ اپنے ہر محبوب سے زیادہ محبوب آقا اور ہر شفیق سے زیادہ شفیق مالک کے حضور جا کھڑی ہوگی اور صدائے جاں فزا سنتی ہوگی۔ ہاں جو اپنے کو خود ہی مریض و معذور، سوختہ و مفلوج بنا لیں

علمی ذوق کا فقدان

کہتے ہیں، انگریزی زبان کے پاس بڑا علمی ذخیرہ ہے۔ آج کوئی زبان اس اعتبار سے اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ انگریزی زبان میں ناول، ڈرامے اور افسانے ہی نہیں ہیں، انگریزی زبان علمی کارناموں سے بھری پڑی ہے ۱۹۱۰ء کی بات ہے، علامہ اقبال نے مجھے نصیحت کی تھی کہ انگریزی زبان کی کتابیں بھی پڑھا کیجئے۔ پڑھنے کے بعد محسوس ہوگا کہ پہلے کیوں نہیں پڑھا۔ میں نے منشی ذکاء اللہ جیسے ماہر علوم مشرقی اور مولانا ابوالکلام جیسے عالم دین کو انگریزی کا اعلیٰ لٹریچر مطالعہ کرتے دیکھا ہے یہ حضرات انگریزی بول نہیں سکتے تھے اور لکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ لیکن انگریزی اتنی جانتے تھے کہ ٹھوس علمی کتابیں پڑھ لیتے تھے اور سمجھ لیتے تھے، انگریزی کی اہمیت "اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا"، غور طلب امر صرف یہ ہے کہ انگریزی علوم تک ہماری دسترس کس قدر ہے۔ اقبال کی طرح کتنے مسلمان اور ہندو ہیں۔ جنہوں نے انگریزی علوم حاصل کئے ہیں اور جنہیں انگریزی علوم نہ جاننے والوں، منشی ذکاء اللہ، مولانا ابوالکلام، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا محمد حسین آزاد، علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے برابر علمی مرتبہ ملا ہے اور اقبال بھی کیا اقبال ہو سکتے تھے، اگر وہ مشرقی اور اسلامی علوم سے بہرہ ور نہ ہوتے۔

انگریزوں کے دوسرے محکوم ممالک کا ذکر چھوڑیئے، ہندوستان میں انگریزوں کی تعلیمی پالیسی یہ رہی کہ تھوڑے سے ہندوستانیوں کو لکھنے پڑھنے کی صنعت سکھا دی جائے اور انہیں انگریزی حکومت کی مشین کا پُرزہ بنا لیا جائے۔ بس تھوڑے سے ہندوستانیوں کو ان پڑھ نہ رکھا جائے۔ ہندوستان میں

انگریزی تعلیم کا نصاب ایسا مقرر کیا گیا جس سے فراغت پا کر دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ فلاں شخص فلاں علم کا ماہر ہو گیا۔ مثلاً کالجوں کے نصاب میں فلسفہ اور منطق ہے قطعی، لیکن میں قدیم طرز کے بہت سے فلسفیوں اور منطقیوں کو جانتا ہوں، جن کے سامنے بھارت اور پاکستان کی یونیورسٹیوں کے منتہی فلسفی اور منطقی زبان نہیں کھول سکتے۔

نصاب عربی مدارس کا بھی فرسودہ اور قابل اصلاح ہے چنانچہ ندوۃ العلماء قائم کر کے اصلاح کا قدم اٹھایا جا چکا ہے۔ آئندہ اور قدم اٹھیں گے، مگر انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے نصاب کی اصلاح کی طرف کم از کم پاکستان میں قدم نہیں اٹھا۔ یہاں علمی ذوق بالکل مفقود ہے۔ انگریزوں کے زمانے میں علمی ذوق والے کچھ پیدا ہو جاتے تھے، اب مطلق نہیں ہو رہے۔ مولانا محمود الحسن اور مولوی اشرف علی، مولانا شبلی اور سید سلیمان کے جانشین کسی درجے میں نظر آتے ہیں، اقبال کا جانشین کسی درجے میں نظر نہیں آتا، ضرورت ہے کہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے نصاب کی طرف فوراً توجہ کی جائے اور علمی ذوق کو اور زیادہ نہ بگڑنے دیا جائے۔ پاکستان میں علم کا ویسا ہی چرچا ہونا چاہیے جیسا عہد مامون الرشید عباسی اور مامون الرشید عباسی کے بغداد اور عہد عبدالرحمٰن ثالث اموی اور عہد حکم ثانی اموی کے قرطبہ میں تھا۔

اسلام نے دوسرے علوم کے حصول سے روکا نہیں ہے، بلکہ حصول کا شوق دلایا ہے۔ ایک حدیث ہے: "عرب سے چین بھی جانا پڑے، تو علم سیکھنے کی خاطر ایسے لمبا سفر اختیار کرو۔" ایک اور حدیث ہے: "حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے، حکمت جہاں دکھائی دے، اسے لے لو۔" ظاہر ہے کہ علم دین سیکھنے تو عرب سے چین کون جاتا، عرب سے باہر تو دوسرے علوم ہی سیکھے جا سکتے ہیں خود کلام اللہ میں ہے: "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔" اور سکھائے اللہ نے آدم کو سب اشیاء کے نام۔ (سورہ ۲- آیت ۳۱) اشیاء کے نام سے مراد اشیا کی حقیقت اور خاصیت اور نفع اور نقصان سب ہے اور سکھا دینے سے مراد ہے کہ حصول علم کی انسان میں صلاحیت رکھ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس صلاحیت کو انسان کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ اسی صلاحیت کے باعث انسان اشرف المخلوقات ہے اور دنیا میں اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اور جو یہ صلاحیت کھو دے وہ چوپائے کی مانند ہے، بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ (سورہ ۷- آیت ۱۷۹)

اقتدار کی محبت

عمر بن عبدالعزیز پر اللہ کی رحمت ہو، مسلمانوں میں جہاں عمر بن عبدالعزیز سے ملتے جلتے، بے نفس بادشاہ گزرے ہیں، وہاں مسلمانوں میں اقتدار کے بھوکوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ اپنے چند روزہ اقتدار کے لیے وہ لوگ، جو اللہ اور روز قیامت کے قائل نہیں ہیں، کچھ بھی کیا کریں، تعجب کے لائق مسلمان ہیں، مسلمانوں کو اقتدار کے پیچھے عاقبت خراب کرتے دیکھا جاتا ہے تو واقعی تعجب ہوتا ہے مسلمانوں نے غیروں سے اتنا نقصان نہیں اٹھایا جتنا اپنوں سے اٹھایا ہے ؂

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

جس ملک میں مسلمانوں کو زوال آیا، آپس کی کھینچا تانی، نااتفاقی اور خانہ جنگی کی وجہ سے آیا۔ اقتدار کے شیدائیوں نے مسلمانوں سے مسلمانوں کا خون بہوا دیا۔ دراصل اقتدار کی محبت مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب ہے جو مسلمان اللہ کی منشا کے مطابق حکومت

مکانات، آرام دہ ریل گاڑیاں، بسیں، ہوائی جہاز، روزگار کی سہولتیں، تعلیم کے مواقع اور حق رائے دہی کی آزادی فراہم تو کرتی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ یہ سب کچھ پاکر خدا کے باغی و نافرمان بن جائیں ــــ بلکہ اور زیادہ اُس کے مطیع و فرماں بردار بنیں۔ اس کی گوناگوں نعمتوں کے شکرگزار ہوں اور ہر آن ان کی پیشانیاں اس کے حضور رہ نگوں رہیں[1]۔ یعنی یہ مادی اسباب و ذرائع اسلامی مملکت میں عین مقصود نہیں بلکہ ایک آلۂ کار کی حیثیت رکھتے ہیں، جن سے عوام کو ان بنت کا صحیح شعور دینی اور رضایت خداوندی کا صحیح عرفان بخشتی اور انہیں فلاح و کامرانی کی حقیقی راہ پر ڈالتی ہے اور قرآن کی زبان میں ــــ واولٰئک ھم المفلحون۔

---

[1] قارئین کرام کو میرا یہ طرز تحریر کچھ عجیب سا محسوس ہوگا۔ کہ دنیا کی کسی اسلامی حکومت میں بھی ان جدید مادی وسائل کو مندرجہ بالا مقصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ پھر میں ایسے ایک امر واقعہ کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ یہ تعجب درست ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ نام نہاد اسلامیت کی بجائے جب خالص اسلامی نظریہ کی بنیاد پر کوئی حکومت استوار ہوگی اور اس کے چلانے [illegible] تو کام کا خاکہ بلا اختلاف کے یہی ہوگا۔ جس کا تذکرہ کرچکا ہوں۔ قرآن [illegible] ہے۔ "[illegible] کو زمین میں حکومت و فرماں روائی دیں گے تو وہ اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا نظام قائم [illegible] ہیں / قائم کریں گے اور ان کی ساری طاقتیں بھلائی کو پھیلانے اور برائی کے مٹانے میں صرف

اسرار احمد خان سہارنپوری
ایم اے - ایل ایل بی

روحِ انتخاب

ب کیا ہے -

ادب دراصل صورتِ احساس کی نقش گری کا نام ہے یعنی جذبات و احساسات کو موزوں اور دلآویز الفاظ میں بیان کر دینا ادب ہے
بالتقریر و خطابت کی صورت میں نمودار ہو سکتا ہے، شعر و شاعری کے لباس میں جلوہ نمائی کر سکتا ہے۔ ادب نثر نگاری کے مختلف پیرایوں میں نیرنگیاں
اسکتا ہے ادیب اور معاشرے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ زندگی کی قدروں کے متعین کرنے میں یہ کارفرما ہوتا ہے جمالیاتی شعور کو اجاگر کرنا اس میں
ن۔ لیاقت۔ ہم آہنگی اور معیاری لطافت پیدا کرنا اس کا کام ہے۔ شعورِ اخلاقی کو بیدار کرنا اس کی تربیت کرنا ادب کے ذمے ہے۔ ضمیر کو نفسِ امارہ پہ
بتی عطا کرنا۔ مذاقِ سلیم کی جلا کرنا اس کا فرضِ منصبی ہے۔ ادب ہمارے تہذیب و تمدن کے معیار کو بلند کرتا ہے۔ ہمارے شعور۔ تحت الشعور اور لاشعور
یل نفسی کر کے ہمارے کردار کی کمزوریوں کی آئینہ داری کرتا ہے ادب ہماری زندگی کے ایک ایک گوشے میں جھانکتا ہے یہ ہماری خوشی کا بھی ساتھی ہے
م کا بھی شریک ہے۔ غریب کے جھونپڑے میں بھی پہونچتا ہے اور بادشاہوں کے محلوں کی بھی سیر کرتا ہے ادب دراصل ہمارے دلوں کی دھڑکن کی آواز ہے
موزوں الفاظ کا جامہ پہن کر ہمارے سامنے آتی ہے اگر مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو ادب ایک ہمہ گیر فن ہے جو کہ ایک تہذیب کا ناگزیر حصہ
۔ادب نہ تو محض اندرونی وارداتِ قلبی کا نام ہے نہ محض بیرونی افعال انسانی کا۔ ادب معمارِ تمدن بھی ہے اور تعمیرِ تمدن بھی۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے
اشرت کا اثر ادب پر پڑتا ہے اور ادب کا معاشرت پہ۔ معاشرتی نظام۔ طبقاتی تقسیم۔ معیشتی اصول۔ سیاسی تنظیم۔ تعلیمی نظام۔ بنیادی مسلمات
رسوم جذباتی لب و لہجہ۔ ماضی کی یاد۔ مستقبل کی توقعات۔ یہ تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ پر مستقل طریقے سے ہمارے ادب کو خاموشی سے متاثر کرتی رہتی
۔ ادب کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ انسانی جذبات کی عمیق ترین بنیادوں کو ہماری نظروں کے سامنے لا کر پیش کر دے۔

ب اور مقصدیت

ادب برائے ادب پر ہمارے پریس میں بہت کچھ گفتگو ہو چکی ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ بات بالکل مہمل سی تھی جس کو ترقی پسندوں
نے کچھ سیاسی مقاصد کے لئے ہوا دی ورنہ بے مقصد ادب کا دنیا میں کبھی وجود نہیں تھا۔ نہ آئندہ ہوگا۔ ہر زمانے کے ادب کا کچھ نہ کچھ مقصد رہا
راہ لذت ہو یا مسرت۔ وعظ ہو یا نصیحت۔ سیاسی پروپیگنڈہ ہو یا مذہبی تلقین۔ اصلاح ہو یا فسادِ معاشرہ غرضکہ بھلا یا برا ادب کا مقصد ضرور
ہے دیکھنے کی بات صرف یہ رہ جاتی ہے کہ مقصد بھلا ہے یا برا اور یہ کہ مقصد کو کس ڈھنگ سے ادب میں سمویا گیا ہے ادب کی لطافت تو مقصد کی
بار سے مجروح نہیں ہوتی اگر لطافت و دلپذیری قائم ہے تو ادب کی ادبیت کا یا شعریت کا حق پورا پورا ادا ہو گیا۔

ہماری نظر میں

الرسائل القشیریہ

تالیف :- ابی القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری۔ ترجمہ :- ڈاکٹر محمد حسن۔ تعریب و تلخیص :- عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ضخامت ۸۲ صفحات (پائیدار جلد رنگین سرورق، دیدہ زیب ٹائپ) قیمت دس روپے

ملنے کا پتہ :- انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ، پوسٹ بکس نمبر ۳۰۳۵، حیدر علی روڈ، کراچی ۵

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۵ھ) کی شخصیت تصوف کی دنیا میں آفتاب کی طرح روشن ہے ۔۔۔
ہمارے سامنے ہے، کتاب کا آغاز عربی مقدمہ سے ہوتا ہے جس میں امام قشیری کے حالات زندگی یکجا کئے گئے
مولد و منشاء، تعلیم، بیعت، شیوخ و تلامذہ اور تالیفات کی تفصیل حتیٰ ہے یہاں تک کہ اُن کی ۔۔۔
امام قشیری کے یہ رسائل ۔۔۔۔ شکایت اھل السنۃ بحکایۃ ما نالہم
۔۔۔ اور ترتیب السلوک ۔۔۔ پر مشتمل ہیں، جن میں اخلاق و تصوف اور تزکیہ نفس کے علاوہ ا
امام قشیری قدس سرہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور اپنی قبر میں زندہ ہیں ۔۔۔ پر پورے دلیلیں پیش کی ہیں۔

تصوف کیا ہے ؟ اس کی حقیقت امام موصوف کی زبان سے سنئے :-

"وہ تصوف جس کے ساتھ پاکیزگی اور پارسائی نہیں ہے وہ فریب ہے، تکلف ہے، اگر تصوف نہیں ہے اور ہر وہ باطن جس کا ظاہر مخالف ہو باطل ہے، باطن نہیں ہے، ہر وہ فقر جس کو صبر و قناعت کے ساتھ مضبوط نہ کیا گیا ہو بدبختی اور محرومیت ہے فقر نہیں! اور ہر وہ علم جس کی تصدیق عمل سے نہیں ہوتی ہے جہل و ظلم ہے علم نہیں ہے اور ہر وہ توحید جسے کتاب و سنت صحیح قرار نہ دیں الحاد ہے نہ توحید اور ہر وہ معرفت جس کے ساتھ ورع اور استقامت نہ پائی جائے فریب ہے! معرفت نہیں ہے . . . . . اور ہر وہ اشارہ جو صحیح معرفت اور سچی پرہیزگاری سے پہلے کیا گیا ہو خسارہ ہے اشارہ نہیں. . . . ."

تصوف کی یہ تعلیمات اخلاق و تزکیہ نفس اور اخلاص و عبدیت کی روح ہیں کوئی ہوشمند اور معقول انسان اس کی افادیت اور عظمت و تقدیس پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔

—— مگر ——

تصوف کا جہاں یہ رنگ ہے، وہاں خلجان پیدا ہوتا ہے، امام صاحب موصوف فرماتے ہیں :-

"اس انتہائی مقام تک پہونچنے سے پہلے ان احوال کے دوران اسے تمام کائنات اس کے نور سے روشن دکھائی دیتی ہے یہاں تک کہ کائنات کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہوتی، چنانچہ وہ تمام کائنات کو خواہ آسمان ہو خواہ زمین اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے" (ص ۶۰)

اس قسم کا دعویٰ تو کسی صحابی نے بھی نہیں کیا کہ تمام کائنات مجھ پر روشن ہے اور زمین و آسمان کی ہر چیز میری نگاہوں کے سامنے ہے! پھر امام قشیری یہ بھی فرماتے ہیں :—

"اور یہ کیفیت "جمع الجمع" کی کیفیت ہوتی ہے، اس وجہ سے تو کہنے والا یوں کہہ گیا —— "انا الحق" [illegible] نے کہا "سبحانی" —— یہ الفاظ خود حق تعالیٰ نے فرمائے تھے، کیوں کہ حق تعالیٰ شخصیتوں کو [illegible]" (ص ۶۱)

کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے اس قسم کے وجد و جذب کے دعووں کے لئے کوئی دلیل نہیں ملتی، اس لئے ان شطحیات [illegible] اجتناب کرنا چاہئے۔ غیرت توحید "انا الحق" کو بھلا کس طرح برداشت کر سکتی ہے: "عبد روحانی ترقی کر کے چاہے کہیں پہونچ جائے، [illegible] کا امتیاز باقی رہتا ہے"

اردو ترجمہ عام فہم [illegible] [illegible] صحیح اور اچھی نثر پڑھنے کو بڑی مسرت ہوئی۔ بعض دوسرے مقامات پر [illegible] ان نے کھٹک محسوس کی [illegible] کی بجائے "محرومیت" لکھا گیا ہے! کوئی شک نہیں اس کتاب کو یورپ کے علمی اور تحقیقی انداز پر ایڈٹ کیا گیا ہے [illegible] ظاہری [illegible] بھی حسین ہے۔

حیات امام حسنؓ

مصنف :- پیام شاہجہاں پوری [illegible]

ملنے کا پتہ :- [illegible]

جناب پیام شاہجہاں پوری کی دو کتابیں —— سنی اور ان کی خلافت —— اور [illegible] حامی مقبول ہو چکی ہیں [illegible] تیسری کتاب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت پر آئی ہے! یہ کتاب حسب ذیل ابواب پر مشتمل ہے :—

خدیجہؓ بنت خویلد —— فاطمہؓ بنت محمد —— علیؓ ابن ابی طالب —— حسنؓ بن علیؓ —— حسنؓ اور معاویہؓ کی کشمکش [illegible] —— معاویہؓ بن ابوسفیان، خلافت سے دست برداری —— سیرت و کردار۔

فاضل مصنف حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی اور ان کی اولاد سے غیر معمولی عقیدت رکھتے ہیں یہ کتاب اسی عقیدت کا مظہر ہے۔ عقیدت کی اس عینک سے جب ان کی نگاہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار پر پڑتی ہے تو انہیں طرح طرح کے داغ دھبے نظر آتے ہیں! موصوف [illegible] "اجتہادی غلطی" کو "غلطی اور لغزش" مانتے ہیں! کوئی شک نہیں [illegible] اور حضرت علی کی نزاع میں حق حضرت علی کے ساتھ تھا مگر امیر معاویہ کے [illegible] جو طعن آمیز الفاظ اس کتاب میں استعمال کئے گئے ہیں، وہ [illegible] شیعی نقطۂ نگاہ سے قریب ہیں! کتاب کی فہرست میں جہاں ابوطالب کا نام آیا ہے اس پر رضی اللہ عنہ کا مخفف "رضؓ" نظر آیا مگر ابوسفیان کا نام اس علامت (رضؓ) سے خالی ہے! حالانکہ حضرت ابوسفیان کا ایمان مسلّم ہے اور یہ کوئی نزاعی مسئلہ نہیں ہے! ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ تمام پچھلی خطائیں معاف فرما دیتا ہے!

لائق مصنف حضرت امیر معاویہ کے شرف صحابیت اور سیاسی، انتظامی اور عسکری قابلیت کے قائل ہیں، مگر ان کو صاحب تدبیر و سیاست فاتح و قائد ہی سمجھتے ہیں اس اعتراف کے ساتھ وہ یہ بھی لکھتے ہیں :—

"امیر معاویہ کی سیاست کا دوسرا افسوسناک پہلو سیاسی سودا بازی کا ہے، وہ ہر اس شخص سے گٹھ جوڑ کر لیتے تھے

جو اُن کے مطالب براری کے لئے مفید ہوتا . . . . '

یہ اندازِ تنقید محتاط مُسلم مورخین کے نزدیک پسندیدہ نہیں سمجھا جائے گا! فکان صحابیاً تا ذہب!

حضرت امام حسنؓ نے امیر معاویہ سے صلح کر کے حکومت ان کے حوالے کر دی تھی۔ حضرت امام کے اس فعل کو عام طور پر سراہا گیا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو خانہ جنگی اور خون ریزی سے بچا لیا مگر اس کتاب کے مصنف کی اس بارے میں یہ رائے ہے:—

"بہرحال حضرت امام حسنؓ کا یہ ذاتی خیال اور اجتہاد تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت عارضی طور پر تو یہ خونریزی بند ہو گئی، لیکن اس کے بعد اسی مسئلہ پر جو شاید خونریزی شروع ہوئی تو صدیوں تک جاری رہی اور ہزاروں نہیں لاکھوں جانیں ضائع ہو گئیں، بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ اگر امام حسنؓ خلافت سے دست بردار نہ ہوتے تو شاید کربلا کا حادثہ فاجعہ بھی پیش نہ آتا، اسی لئے ایک طبقہ کا خیال ہے کہ اگر خلافت کی بقا ر و قیام کے لئے ستر ہزار نہیں ستر لاکھ جانیں بھی ضائع ہو جاتیں تو کوئی حرج نہیں تھا کیوں کہ خلافت الٰہیہ ہر چیز پر مقدم تھی چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں خلافت کی نعمت اُٹھ گئی اور انہیں ملوکیت کے استبداد کی چکی میں بُری طرح پسنا پڑا۔" (ص ۲۷)

یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی موت "زہر دینے" سے ہوئی اور اس کا الزام ان کی بیوی پر لگایا جاتا ہے، یہاں تک کہ مشہور مورخ ابن اثیر اور صاحب اسد الغابہ تک یہ لکھتے ہیں مگر فاضل مصنف نے دلائل کے ساتھ اس الزام اور واقعہ کی تردید کی ہے اُن کی رائے یہ ہے:—

"جس طرح لوگ بیمار ہو جاتے ہیں، اسی طرح حضرت امام حسنؓ بھی بیمار ہوئے یہاں تک کہ مولائے حقیقی سے جا ملے۔"

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں عام طور پر مشہور ہے کہ آپ بیاہ شادی کے معاملہ میں بڑے حریص واقع ہوئے تھے آپ نے نوے (۹۰) سے بھی زیادہ شادیاں کیں اور اتنی طلاقیں دیں کہ آپ کی مُطلقہ بیویوں سے ایک محلہ آباد ہو گیا مگر اس کتاب کے مصنف نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام حسن کی شادیوں کی تعداد دس (۱۰) سے زیادہ نہ تھی ——— اس تحقیق پر اللہ تعالیٰ مصنف کو اجر عطا فرمائے گا۔

اس کتاب میں نہج البلاغہ (الجزء الثانی) سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا جو وصیت نامہ بنام امام حسنؓ نقل کیا گیا ہے اُس کے بعض اجزاء کھٹکے، مثلاً یہ:———

"خواہ میں بقیدِ حیات رہوں یا وفات پا جاؤں، میرے اور تیرے درمیان کوئی فرق نہیں ہے تو میری روح تھا ہے، اگر تجھ پر کوئی مصیبت پڑے تو پہلے مجھ پر نازل ہو گی، تیری موت تیری موت نہیں، میری موت ہو گی۔" (ص ۹۸)

یہ شاعرانہ اور خطیبانہ اندازِ بیان ہے ورنہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اُس کے کسی زندہ عزیز پر کوئی مصیبت نازل ہونے سے پہلے مرے ہوئے شخص پر کس طرح نازل ہو سکتی ہے، اور پھر زندہ عزیز کی موت کو فوت شدہ آدمی کی اپنی "موت" کہنا عجیب سی بات ہے۔

"اپنے آباء و اجداد اور خاندان کے بزرگوں کا طریق کار اختیار کر۔" (ص ۱۰۳)

حضرت امام حسن عسکری تو اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کر سکتے تھے (اپنے آباء و اجداد کا طریق اختیار کر) مگر حضرت علی ایسی نصیحت اُس وقت فرما سکتے تھے جب کہ عبد المطلب، ہاشم، عبد الدار، عبد مناف اور قصی، مرہ، لوی . . . . وغیرہ سب کو مومن تسلیم کیا جاتے!

اس قسم کے مضامین، افکار، عقائد، زبان اور طرزِ بیان پر غور و فکر کرنے کے بعد اربابِ تحقیق کی یہ رائے ہے کہ "نہج البلاغہ" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اقوال کے ساتھ الحاقات بھی پائے جاتے ہیں۔

مجموعی طور پر "حیاتِ امام حسن" معلومات آفریں کتاب ہے، جناب پیام شاہجہانپوری نے اس کی تالیف و تدوین میں بڑی محنت کی ہے!

قرآن و حدیث

از:- مولانا قاری محمد طیب، ضخامت ۱۴۴ صفحات (مجلد) قیمت دو روپے پچیس پیسے
ملنے کا پتہ:- ادارۂ علوم شرعیہ، کراچی

حدیثِ نبوی کی ضرورت، اہمیت اور افادیت پر یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، جو منظرِ عام پر آئی ہے! فاضل مصنف مدظلہ نے عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ "حدیث" قرآن کریم کی شرح و تفصیل ہے اس کا اور قرآن کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ امت "حدیث" سے بے نیاز ہو کر قرآن پر بھی عمل نہیں کر سکتی۔ احادیث کی اقسام بہ حیثیت رواۃ و اسناد کیا ہیں؟ اس کی تفصیل عام فہم انداز میں کی گئی ہے۔ صرف ایک اقتباس سے کتاب کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:—

"..... اگر آیت و روایت کا بعینہ ایک ہی مضمون ہے تو حدیث کو بیانِ تاکید کہا جائے گا اگر آیت کے مختلف محملات میں سے کسی ایک احتمال کو حدیث نے متعین کیا ہے تو بیانِ تعیین کہا جائے گا، اگر آیت کا پیش کردہ حکم مقدار کے لحاظ سے مبہم ہے، جسے حدیث نے مشخص کیا ہے تو بیانِ تقریر کہا جائے گا، اگر آیت کے کسی اجمال کو حدیث نے کھولا اور پھیلایا ہے تو بیانِ تفصیل ہوگا، اگر آیت کے کسی چھوٹے ہوئے مضمون مثلاً کسی قصہ کے ٹکڑے کو یا دلیل کے کسی مقدمہ کو حدیث نے اس کے ساتھ ملا دیا ہے تو بیانِ الحاق کہا جائے گا اگر آیت کے حکم کی وجہ حدیث نے ظاہر کی ہے تو بیانِ توجیہ کہا جائے گا، اگر آیت کے کسی کلیہ کا کوئی جزئیہ حدیث نے ذکر کر دیا ہے تو بیانِ تمثیل ہوگا۔ اگر حکم آیت کی علت حدیث نے واضح کی ہے تو بیانِ تعلیل کہا جائے گا، اگر کسی حکم قرآنی کے خواص و آثار حدیث نے کھولے ہیں تو بیانِ تاثیر کہا جائے گا اگر کسی عام کا کوئی فردِ مشخص کر دیا ہو تو بیانِ تخصیص کہا جائے گا، اگر کسی آیت کے کسی جزیہ کے مشابہ کوئی جزیہ کسی مشترک علت کی بنا پر حدیث نے پیش کیا ہو تو بیانِ قیاس کہا جائے گا، اگر آیت کے کسی اصول کلی سے حدیث نے کوئی کلیہ اخذ کر کے نمایاں کیا ہو، تو بیانِ استخراج کہا جائے گا..... غرض حدیث نبوی قرآن کا بیان ہے اور بیان کی مختلف انواع ہیں جو نوعیتِ مضامین کے لحاظ سے مشخص ہوتی ہیں....."

حدیث کی اقسام، حدیث کا شریعت کی حجت مستقلہ ہونا، حدیث کا قرآن اور فقہ سے ربط وغیرہ عنوانات پر فاضل مصنف نے حکیمانہ اور عالمانہ انداز میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت خوب ہے، قابلِ قدر اور مستحقِ تحسین و ستائش ہے۔[1]

---

[1] حاشیہ: شیخ الہند سیدنا و مرشدنا مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ محدث دیوبندی نے اس ترجمہ کے بارے میں اپنے استاد حضرت قاسم العلوم حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کا مقولہ نقل فرمایا ہے ——— کہ قرآن اُردو میں نازل ہوتا تو اس کی عبارت بھی یا اس کے قریب قریب ہوتی جو حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمے کی ہے (ص ۱۳۲) یہ ناچیز بصد ادب مبالغہ ہے، شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ قرآن اپنے زمانہ کے اعتبار سے بہت خوب ہے مگر ہمارے زمانے میں وہ زبان کتنے ہی مقامات پر اجنبی اور غیر مانوس لگتی ہے! اس کے بارے میں مبالغہ آمیزی ان حضرات کا خاص مزاج ہے مولانا قاری محمد طیب صاحب کو اپنے

طب یونانی کی سرگذشت

از:- پروفیسر حکیم نیر واسطی، ضخامت ۴۳ صفحات، قیمت آٹھ آنہ
ملنے کا پتہ:- مجلس بو علی سینا لاہور

جناب حکیم نیر واسطی عالم ہیں، شاعر ہیں، اور انشا پرداز اور حاذق طبیب ہیں، وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے:-

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

تو ان تمام خوبیوں کے ساتھ وہ عالمی سیاح بھی ہیں۔ صاحب موصوف نے اس کتابچہ میں یونانی طب کی تاریخ بیان کی ہے اور سچ تو یہ ہے اتنی قدیم تاریخ کو چند صفحوں میں سمیٹ کر سچ مچ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ طب کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ بابل، مصر، چین، یونان، ایران، روم اور ہندوستان میں طب کا آغاز کیوں کر ہوا؟ مسلمانوں نے طب یونانی کو کس طرح محفوظ کیا؟ بقراط و جالینوس کے طبی کارنامے، عہد مغلیہ کے شفاخانے ـــــ ان سب کی تفصیل اس کتابچہ میں ملتی ہے۔ فاضل مصنف کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں:-

"حاصل کلام یہ کہ یونانی یا عربی طب کا کارواں آج بھی گرم سفر ہے اور وہ چراغ جو پہلا فروزاں ہوا تھا آٹھ ہزار سال قبل بابل میں روشن ہوا، مصر اور مصر کے بعد یونان کو روشنی عطا کی آج بھی مختلف شکلوں میں"

معنوی خوبیوں کے ساتھ کتاب کی ظاہری صورت (طباعت) بھی حسین و دیدہ زیب ہے۔

خدائے سخن میر تقی میر

از:- اورنگ صدیقی ایم اے، ضخامت ۲۰۴ صفحات [illegible]

ملنے کا پتہ:- مکتبہ عزم رحمٰن ۶/۱۳ ... پیر الٰہی بخش کالونی

میر تقی میر پر متعدد کتابیں، بے شمار مضامین اور مقالے آچکے ہیں مگر اس کتاب کو پڑھ کر کمی نہیں رہتی۔ شگفتہ اور جامع تصنیف کی کمی رہ جاتی۔ فاضل مصنف شعر کی پرکھ رکھتے ہیں اور ساتھ ہی شعر و ادب [illegible]

دیتے ہیں ـــــ اس کتاب کے چند منتخب اقتباسات:-

● ـــــ "سودا کی زندہ دلی نے انہیں احساس محرومی سے محفوظ رکھا، ان کی شاعری میں جینے کا حوصلہ ہے، اُن کی آواز میں مردانگی اور تقویت ہے لیکن غزل کا فن جذبہ کی آنچ کے بغیر پختہ اور اثر آفریں نہیں بنتا، یہی وجہ ہے کہ غزل میں میر صاحب کا نام سرفہرست رہا، سودا کی جولانیٔ طبع تنگنائے غزل تک کہاں محدود رہ سکتی ہے، انہوں نے قصیدہ، مثنوی، شہر آشوب اور خصوصاً ہجو میں بڑے معرکے سر کئے، غزل کا فن جس وفاداری بشرط استواری کا تقاضا کرتا ہے وہ اُسے سودا سے نہ ملی ورنہ شاید یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا کہ میر بڑا غزل گو ہے یا سودا؟"

● ـــــ "غالب ایک دنیا دار معاملہ فہم، دور اندیش اور مصلحت پسند انسان تھے، میر کی زندگی اور شخصیت میں جس قدر یک رنگی ہے غالب کے یہاں اتنی ہی نیرنگیاں ہیں وہ زندگی کو کسی بلند تر مقام سے دیکھتا ہے، اور ہر گوشہ اُس کے سامنے ہے دنیا اس کی نظر میں بازیچۂ اطفال ہے، اس تماشے کو وہ بڑی دل چسپی سے دیکھتا ہے۔ زمانے کا انقلاب دونوں شاعروں نے دیکھا ہے لیکن دونوں کے نقطۂ نظر میں بڑا فرق ہے۔ غالب ایک حکیم فرزانہ ہے، اور میر ایک ذہن فلسفہ کا اور دل شاعر کا ہے۔ میر کو زندگی نے شکست دے دی لیکن غالب اس کی گرفت سے باہر رہے ہیں۔"

● ـــــ "غالب ایک عہد آفریں شاعر ہے اس نے آنے والی نسلوں کو بہت متاثر کیا اور اس عالمگیر اثر اندازی میں اقبال کے سوا کوئی بھی اس کا حریف نہیں، لیکن یہ بات بھی خاصی دلچسپ ہے کہ انفرادیت پسندی کے باوجود غالب نے خود بھی بہت سی شخصیتوں کا شعوری

یا غیر شعوری اثر قبول کیا ہے، پہلے وہ طرز بیدل میں ریختہ لکھتے رہے اور نازک خیالی پر جان دیتے رہے اُن کی خیال آفرینی بیان تک بڑھی کہ لوگوں کی سمجھ سے باہر ہو گئی اور مرزا صاحب "گر نہ مشکل و گر نہ گویم مشکل" کی کشمکش میں پڑ گئے قلعہ معلی سے تعلق ہوا اور وہاں استاد ذوق کی ٹکسالی زبان کی واہ واہ دیکھی تو سادگی پہ مائل ہوئے اور اسدو شاعری کو چند لازوال غزلیں دیں، شیفتہ اور مولوی فضل حق خیرآبادی کے مشورے سے اپنے کلام کا انتخاب کیا، مکاتیب میں بھی کہیں سادگی، کہیں بے تکلفی کہیں حسن بیان و آرائش زبان کا اظہار کیا، میر کا معاملہ اس سے مختلف ہے اُن کے کلام کی تاثیر بھی ہمہ گیر ہے اور بہت سے شاعروں پر میر کا سایہ پڑا ہے لیکن وہ خود کسی کے سائے میں نہیں رہے بچپن میں باپ اور چچا کی تعلیم و صحبت کا ان پر اثر ضرور پڑا لیکن سنِ شعور تک پہونچنے کے بعد کوئی شخصیت ان پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

"زندگی میں انہوں نے بادل ہی بادل دیکھے تھے، قوس قزح نہیں دیکھی، یہ ابر آلود موسم اُن کے مزاج کو راس آگیا تھا اور اسی میں وہ کھوئے رہتے تھے۔

؎ اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے

"میر صاحب زندگی میں ایک دروازے سے داخل ہوئے اور دوسرے سے نکل گئے، اس کے برعکس نجم الدولہ نواب مرزا غالب عرف گوشہ کو زندگی میں داخل ہونے کے لئے کئی راستے معلوم تھے شاید چور دروازہ بھی ان کے دائرہ علم سے باہر نہیں تھا ...... یہ کردار جو حد درجہ دلچسپ اور دلکش بھی ہے، زمانہ سازی سے خالی نہیں ہے، غالب تو جانتے تھے کہ "واقعہ سخت ہے اور جان عزیز" وہ جھکنے کے قائل تھے، ٹوٹ جانا انہیں پسند نہ تھا، میر صاحب ٹوٹ سکتے تھے جھکنا اُن کی سرشت کے خلاف تھا، اس طرح دونوں کے درمیان ذہنی طور پر طویل فاصلے ہیں اور صرف غم دل کے مرکز ہی پر اُن سے ملاقات ہو سکتی ہے۔"

شاعرانہ شخصیت و کردار کا یہ تجزیہ لائق مصنف کی نفسیات شناسی اور بلوغ فکر و نظر کی دلیل ہے۔

جناب ادریس صدیقی میر تقی میر کے عقیدت مند اور مداح ہیں، لیکن اس عقیدت کے باوجود میر کے کلام کے "حسن" اور "قبح" دونوں رخوں پہ نظر رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:—

"بہرحال انتہائی عقیدت کے باوجود میر کے ہر شعر کے لئے ہمارے دل میں جگہ نہیں نکل سکتی، انہیں پستی کے عالم میں دیکھ کر ہماری طبیعت خوش نہیں ہوتی۔"

کتاب کے آخر میں میر کے کلام کا انتخاب ملتا ہے، جس سے ہم نے چند اچھے شعر چھانٹ کر اس عطر کی روح کھینچ لی ہے:—

منہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا　　حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ　　نادان! پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم　　جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

٭ ۔ یہ "گو" لکھا تھا۔ (م۔ق)

دم آخر ہی کیا نہ آنا تھا　　　　اور بھی وقت تھے بہانے کے

کہتے تو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا　　　　یہ کہنے کی باتیں ہیں، کچھ بھی نہ کہا جاتا

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی　　　　دھوم ہے پھر بہار آنے کی

وجہ بیگانگی نہیں معلوم　　　　تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

کوہکن کیا پہاڑ توڑے گا　　　　عشق نے زور آزمائی کی

[illegible] نگاہ کے ساتھ　　　　صبر [illegible] کے ساتھ

[illegible] کے معنی میں [illegible] کے" لیتے ہیں:—

[illegible] دیکھنے کب تھا

[illegible] —

[illegible]　　　　[illegible]

[illegible]

[illegible]　　　　[illegible]

کوئی شک نہیں، [illegible] اردو ادب کے سرمایہ میں اضافہ [illegible] ہے، [illegible] سلجھی ہوئی [illegible]

اور مستحق [illegible] کی وہ صد افزائی ہے۔

تنقید و تجزیہ

[illegible] ابو محمد سحر ایم اے، ضخامت ۲۰۰ صفحات (مجلد رنگین گردپوش) قیمت تین روپے

ملنے کا پتہ:- کتابستان ۱۷ کملا نہرو روڈ، الہ آباد۔

یہ کتاب جناب ابو محمد سحر کے مندرجہ ذیل تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے:—

تنقید اور اصولِ تنقید —— "نوید خاطر" کا تنقیدی مطالعہ —— ناسخ —— معتقد میر —— اقبال کے تصورات اور عقیدۂ پستی —— حالی بہ حیثیت غزل گو —— عزیز لکھنوی کی غزل گوئی —— غالب اور فلسفہ —— آزادی کے بعد اردو شاعری —— میر کی قصیدہ نگاری —— دبستانِ لکھنؤ کا تاریخی پس منظر اور تعیش پسندی۔

ہر مضمون اپنی جگہ قابلِ مطالعہ ہے، فاضل ناقد کی تنقیدی نگاہ میں بڑا عمق پایا جاتا ہے، شعر و ادب کے تجزیہ میں کوئی شک نہیں انہوں نے خاصی دیدہ وری کا ثبوت دیا ہے مگر جہاں شرح و بیان اور گفتگو کا یہ رنگ ہے، وہاں وجدان الفاظ کو محسوس کرتا ہے۔—

"ادبی تنقید میں ادبی معیاروں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ ادب اور غیر ادب کی تفریق کا کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا ادب کے معیار ادب کی ماہیت اور عشوہ طرازیوں کے تابع ہوتے ہیں۔" (ص ۱۱)

آخر بات کیا ہوئی؟ ادب کے معیار ادب کی ماہیت کیا ہوتی ہے، پھر اس ماہیت کی عشوہ طرازیاں اس پر مستزاد!

حیرت ہے کہ جوش ملیح آبادی کے مشہور قطعہ کو جو چار مصرعوں (یعنی دو شعروں) پر مشتمل ہے تنقید نگار نے ایک شعر سمجھا ہے اور اُسے یوں درج کیا ہے ——

"لیکن جب جوش ملیح آبادی کا یہ شعر ذہن میں آتا ہے ؎ ــــــ

سنو اے بستگانِ زلفِ گیتی ندا کیا آرہی ہے آسماں سے

کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر غلامی کی حیاتِ جاوداں سے" (ص ۱۴۱)

جناب ابو محمد سحر کی تنقید میں ادبیت کے ساتھ عالمانہ فکر و بصیرت بھی پائی جاتی ہے، انہوں نے بڑے سلیقہ کے ساتھ خاصی نازک باتیں کہی ہیں اُردو ادب اُن سے اسی یا دہ بلند پایہ تحریروں کی توقع رکھتا ہے۔

نقوشِ شہاب

از :- شہاب دہلوی، ضخامت ۲۰۹ صفحات، قیمت دو روپے پچاس پیسے۔ (مجلد، رنگین گردپوش)
ملنے کا پتہ :- مکتبہ الہام، بہاولپور

جناب سید مسعود حسن شہاب دہلوی، خیام الہند حضرت حیدر دہلوی مرحوم کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، موصوف نے آغازِ شباب میں ایسے اچھے شعر کہے ہیں کہ بعض لوگوں کو دھوکا ہوا کہ یہ اُن کے کہے ہوئے نہیں ہیں اُستاد کا "عطیہ" ہیں ـــــ یہ دلیل ہے شہاب صاحب کی ذہانت اور جودتِ طبع کی! شہاب دہلوی نے خود دار طبیعت پائی ہے۔ ریاست میں رہ کر بھی وہ توڑ جوڑ سے ہمیشہ دُور رہے، مزاج کی یہ خودداری اور شخصیت کا وقار اُن کی شاعری پر کسی نہ کسی عنوان سے جھلکتا ہے۔

اپنے مجموعۂ کلام پر انہوں نے "میں اور میری شاعری" کے عنوان سے جو آپ بیتی لکھی ہے وہ نہایت دلچسپ ہے اور ساتھ ہی صداقت سے لبریز! علم و ادب کا ذوق اُنہیں اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملا ہے، شرافتِ نفس شہاب صاحب کا سب سے بڑا جوہر ہے۔

"اس پر حیدر صاحب نے اپنے شاگردوں کو کہا کہ پہلے آپ لوگ اپنا کلام سنائیں (ص ۱۹) ـــــ "میں بہاولپور سے دہلی جا رہا تھا تو یہاں کے دوستوں کو کہہ گیا تھا کہ اب میں کبھی بہاولپور نہ آؤں گا" (ص ۲۵) دونوں جملوں میں "کو کہہ گیا تھا" کی بجائے "سے کہہ گیا تھا" لکھنا چاہئے تھا۔

"نواب صاحب نے یہ اشارہ کرکے کہ میں شاعری سے دلچسپی رکھتا ہوں مجھے بھی شعر سنانے کو کہا میں نے ایک غزل سنائی جب اس شعر پر پہونچا۔

اب چارہ سازی کام نہ آئے گی چارہ گر

معلوم ہے حقیقتِ دردِ جگر مجھے

تو نواب صاحب نے فوراً ٹوکا "صاحب زادے"! "چارہ جوئی" پڑھو، میں نے اس اصلاح پر نواب صاحب کو جھک کر آداب کیا" (ص ۱۷-۱۸) کوئی شک نہیں مرزا غالب نے چارہ گری و چارہ سازی کے معنی میں "چارہ جوئی" استعمال کیا ہے، مگر اب اُردو زبان میں یہ لفظ نالش اور استغاثہ وغیرہ کے معنی میں بولا جاتا ہے، یہ عدالت کی اصطلاح ہے اس کا استعمال یوں ہوتا ہے ـــ

"کرایہ دار مکان کا کرایہ ہی نہیں دیتا مجبوراً مجھے اس کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کرنی پڑی"

دکھ درد کا مداوا، علاج و تدبیر اور چارہ گری (کرنے) کے معنی میں "چارہ جوئی" اہلِ زبان اب نہیں بولتے۔

اس کتاب پر ریویو ڈاکٹر وحید قریشی نے لکھی ہے، جس کا آغاز ہی اس عجیب جملہ سے ہوتا ہے ـــ

"شہاب بنیادی طور پر غزل گو ہیں" (ص ۳۲)

یہ "ڈاکٹر صاحبان" انگریزی میں سوچتے اور اُردو میں اُس کا اظہار کرتے ہیں!

"بہاولپور میں مدتوں سکونت کرنے کی وجہ سے ان مقامی اثرات سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں" (ص ۳۳)

جو شخص "رہائش کرنے کی وجہ" بولتا اور لکھتا ہے، وہ کسی شاعر کے مجموعہ کلام پر تقریظ لکھنے کی جرأت کس طرح کرتا ہے —— اور سُنئے :——

"ان کی غزلوں کی جذباتی بافت (EMOTIONAL TEXTURE) بہت کم تغزل سے دست کش ہوتی ہے" (ص ۳۵)

آخر یہ بات کیا ہوئی! اس قدر ابہام آمیز تکلف، پورا جملہ ترجمہ معلوم ہوتا ہے!

"اگر لکھنے والے کا اسلوب نثر سے پہلو مارتا ہو" (ص ۴۴)

زبان و ادب کے ساتھ یہ دردناک مذاق! توبہ!

"نقوشِ شہاب" کے منتخب اشعار ——

ہزار بار نیا تجربہ سفر کا ہوا
ہزار بار منازل کے پیچ و خم گزرے

ہمارا رُخ تھا کسی آفتاب کی جانب
لرزتے ہوئے ستارے جہاں سے ہم گزرے

دست کش ہو گیا ہوں میں کارواں کے احساس سے
آج بے ہوں میں تنہا میری جستجو تنہا

اس نرغے کی دنیا میں حسن ساتھ کیا دیتا
عشق نے اٹھایا ہے

یاد ماضی ہے شگفتہ سری محفل کی طرح
گردشِ وقت

گیسوئے وقت اُلجھتے ہی چلے جاتے ہیں
آپ خاموش ہیں

محو ہوتا ہی نہیں اُن کا خیال
دھوپ وہ

جانے کیا بات لب پہ آ جائے
اُن کی محفل

بڑھ گئی اور دل کی بے تابی
اس توجہ سے بے رُخی ...

اُس انجمن میں جراتِ طلب نہیں تو کچھ نہیں
یہ کیا کہ تو مجسم التماس ہو کے رہ گیا

پھول افسردہ ہیں گل ہیں مہ و انجم کے چراغ
یہ مرے غم کی کہانی ہے جہاں تک پہنچے

میں ہوں اور بزم ہے نگاروں کی
چھاؤں میں سو رہا ہوں تاروں کی

میری ہی نگاہوں میں سما جائے تو اچھا
وہ خاص تجلّی جو ابھی عام نہیں ہے

تنہا نہ چھوڑا تم کو ہمارے خیال نے
ہم بھی تمہارے ساتھ گئے تم جدھر گئے

دیکھنے والے اُنہیں اُن کی توجہ پہ نہ جا
دوسرا رُخ ہے تغافل بھی اسی تصویر کا

تم صبح سے کہاں ہو، کہاں دیر ہو گئی
دنیا مری نگاہ میں اندھیر ہو گئی

کھینچ کر اک آہ اُن کے سامنے خاموش ہوں
ابتدا سے انتہا تک کہہ دیا افسانہ کیا

اس طرح خشمگیں ہے تری چشمِ مست آج
جیسے چھلک گیا ہو پیالہ شراب کا

وہ صبحِ شبِ وصل چھپتے ہوئے
یہ اندھیرا سورج نکلتے ہوئے

لے آئی کس مقام پہ اے جستجوئے دوست
اب اپنے روبرو ہیں کہ ہم روبروئے دوست

دوسرا رُخ :——

ہو گیا سورج ڈانوا ڈول　　　سونے والے آنکھ تو کھول[1]　(ص ۳۹)

"سورج کا ڈانوا ڈول ہونا" زبان و روزمرہ و اندازِ بیان کسی اعتبار سے بھی درست نہیں ہے۔

یہ حال ہے تو گلستاں پنپ نہیں سکتا　　　بہار پھول کی دشمن، غمِ بہار بھی روگ　(ص ۴۱)

بہار پھول کی دشمن ہوتی ہے ـــــ آخر اس کا ثبوت؟ "غمِ بہار بھی روگ" یہ ٹکڑا اس شعر میں کتنا اکھڑا اکھڑا سا لگتا ہے۔

دے کوئی ثبوت اور ذرا زندہ دلی کا　　　اے گردشِ حالات کوئی سینہ سپر ہے　(ص ۴۵)

مصرعِ ثانی میں الفاظ کے در و بست کے لحاظ سے "ذرا" کھٹکتا ہے، پھر گردشِ حالات سے تلخی، بدمزگی اور جفا کوشی کی جو تمنا کی گئی ہے اُس کے لئے یہ پیرایہ بیان: ـــــ

؎ دے کوئی ثبوت اور ذرا زندہ دلی کا

مناسب نہیں ہے:

اے واہمہ شوق ضیا پاش ہیں ذرات　　　اے تیرہ نظر وادیٔ مہتاب کدھر ہے

الفاظ حسین و جمیل مگر مفہوم کا دور دور پتہ نہیں! واہمہ شوق کا ذروں کی ضیا پاشی سے آخر کیا تعلق ہے! تیرہ نظر سے وادیٔ مہتاب کا پتہ کیوں پوچھا جا رہا ہے!

ہر ذرے میں تحریکِ اثر دیکھ رہا ہوں　　　ہوں کاشفِ حالات نظر آئینہ گر ہے

"تحریکِ اثر" کس بلا کا نام ہے! پھر کشفِ حالات کا ذروں کی اثر پذیری سے آخر کیا ربط ہے؟

دامن کلی کا ٹھیک ہے گل کی قبا درست　　　تم آ گئے تو گردشِ آب و ہوا درست　(ص ۴۹)

"گردشِ آب و ہوا درست" یہ ٹکڑا زبان و بیان کے اعتبار سے محلِ نظر ہے! آب و ہوا کی تبدیلی کو "گردش" کون کہتا ہے! پھر محبوب کے آنے سے کلی کا دامن اور گل کی قبا کس طرح درست ہو گئی! بات کہنے کا ایک قرینہ ہوتا ہے، جو اس شعر میں نہیں ملتا۔

تحریکِ واقعات کا عالم نہ پوچھئے　　　انجامِ کار یہ کہ نہیں انتہا درست

شعر نہیں ہے لفظوں کو جوڑ کر کلام موزوں کر دیا ہے۔

روشنی کی مظہر ہے تیرگی کی قربانی　　　جل گیا چراغوں میں رات کا لہو تنہا　(ص ۵۲)

علامہ اقبال کے اس بے مثال مصرعہ کو: ـــــ

---

[1] اس زمین میں راقم الحروف نے سب سے پہلے غزل کہی تھی، چند شعر: ـــــ

پہلی نظر تھی دل کا مول　　　اب آنسو کے موتی رول
آنکھیں کچھ گھبرائی سی　　　دل کی حالت ڈانوا ڈول
ظلم کا بدلہ پیار سے دے　　　کنکر کے کر ہیرے تول
سورج سر پہ آ پہونچا　　　سونے والے آنکھیں کھول
(م - ق)

سہ کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

کے ہوتے ہوئے، اس خیال کو اس قدر عجیب انداز میں دہرانے کی آخر کیا ضرورت لاحق ہوگئی تھی ؟

یاس کی انگڑائیاں موقوف اک دل پر نہیں شاخِ گل کے سائے میں دیکھے ہیں ویرانے بہت (ص ۵۳)

اہمال ہی اہمال، پھر اس اہمال پر "یاس کی انگڑائیاں" ..... توبہ !

یہ بھی اک اُن کی نگاہِ کرم کی تحریک ہے شمع کی لو پر مرے جاتے ہیں پروانے بہت

شعر میں بے لطفی کے علاوہ "ردیف" (بہت) بھی بے کار جا رہی ہے ۔

بہاروں کی گردش تو دیکھو شہابؔ خزاں بن گئی حاصلِ دورِ لبس (ص ۶۰)

اس قسم کے شعر مجموعہ کلام سے انتخاب میں خارج کر دینے چاہئے تھے ۔

ہر قدم ہے جنوں کا پیمانہ ناپئے عرض و طول جنگل میں (ص ۶۲)

آخر شاعر کیا کہنا چاہتا ہے ؟

اب نگاہوں پہ ہے مدارِ کلام گفتگو کا ہر اک سماں چپ ہے (ص ۶۵)

مصرعہ ثانی کو تکلف نے بے مزہ بنا دیا ۔

چھری انفاس کی چلتی ہی نہیں جان کمبخت نکلتی ہی نہیں (ص ۶۹)

مصرعہ اولیٰ مہمل ہے! معاملہ تو اس کے برعکس ہے سانس کی چھری تو ہر وقت چلتی رہتی ہے! یہ جس دن نہ چلے گی موت واقع ہو جائے گی ۔

زلزلے یاس کے مضطر ہیں مچلنے کے لئے دیکھتا ہوں یہ امیدوں کے محلات سے کیا (ص ۷۵)

کمزور شعر! اس سے پہلے "یاس کی انگڑائی" کہا تھا، اس شعر میں "یاس کے زلزلے" نظم فرما دیا، اس کا احساس تک نہیں کہ یہ لفظ (یاس) کس کیفیت کا اظہار کن لفظوں میں چاہتا ہے ۔

آج کس درجہ باشعور ہیں لوگ بے رُخی سامنے ہے دور ہیں لوگ (ص ۷۷)

شعر میں اہمال کے سوا اور کیا دھرا ہے !

سائے پھیلے جو تری زلفوں کے چاند سورج کے گہن یاد آئے (ص ۸۱)

زلفوں کے پھیلے ہوئے سایوں کو دیکھ کر چاند اور سورج کے "گہن" کا یاد آنا ہی اول تو بڑی تکلف آمیز بات ہے پھر "گہن" کی تشبیہ تو محبوب کے حسن کی تابناکی پہ ایک طرح کی طنز ہے! "گہن" آنکھوں کو بھلا کب لگتا ہے ۔

غم رسائی سے وہ تا عمر گریزاں بھی نہ ہوں میں سکوں ضابطۂ شوق میں لا بھی نہ سکوں (ص ۸۵)

ابہام ہی نہیں اہمال بھی اس شعر کی خصوصیت ہے ۔

ضد ہر اک حال میں رکھئے یوں ہی ضد کی خاطر آپ پنہاں ہیں تو پھر مجھ کو نمایاں کیجئے (ص ۹۱)

مصرعہ اولیٰ نے شعر کے مفہوم کو کاواک بنا دیا ۔

اب گل کسی چمن کو نہ ہوگا کبھی نصیب وہ بہار بھی تری محفل میں پھنس گیا (ص ۹۲)

شعر میں محبوب کی محفل پر کس قدر مذموم طنز ہے کہ اس محفل میں دورِ بہار کے بھنس جانے کے سبب اب کسی چمن میں بھی کوئی پھول نہ کھلنے پائے گا، ہر باغ منّتِ گل سے محروم ہو گیا، اس صورت میں محبوب کی بزم، دُنیا کے حق میں "بہارکُش" ثابت ہوتی ہے، حالانکہ اُسے بہار آفریں ہونا چاہئے۔

جب کوئی رد سوال ہوتا ہے — دل کو کتنا ملال ہوتا ہے (ص ۹۵)

بکانہ اندازِ بیان۔

مدعی سب ہیں بزمِ ہستی میں — آدمی خال خال ہوتا ہے

ب لوگ کس بات کے مدعی ہیں ؟ غالباً "آدمی ہونے کے"! مگر شعر میں کتنا بڑا خلا پایا جاتا ہے ! مصرعۂ ثانی بھی بس یوں ہی سا ہے۔

سیکھ ذروں سے دوڑ ہو چکا ڈھنگ — دیکھ منزل رسی غباروں کی (ص ۱۰۰)

عرکو یہ تک نہیں معلوم کہ "غبار" (DUST) کی اُردو میں جمع نہیں آتی، ہاں "غبارے" (Baloon) کی جمع "غباروں" بن سکتی ہے!

ترحم سے ہی بس کو ساز ہوگا — مرے انجام سے آغاز ہوگا (ص ۱۰۳)

سہ سخن کے ساتھ مذاق ! ؟

معمورِ تجلّی دلِ ناکام نہیں ہے — سچ ہے کہ جہاں تم ہو وہاں شام نہیں ہے (ص ۱۰۵)

لیا یہ کتابت کی غلطی ہے کہ "محروم" کی بجائے "معمور" چھپ گیا ! "معمور" کے ساتھ تو شعر مہمل ہوا جاتا ہے۔

کی عرضِ وفا ان سے تصور میں سرِ عرش — یہ سامنے کی بات بہت دیر ہوتی ہے (ص ۱۱۵)

بٹ کی کل کی طرح اس شعر کی بھی کوئی کل سیدھی نہیں۔

جلوۂ حسن سے معمور جوانی ہو جائے — تم جو آ جاؤ تو یہ رات سہانی ہو جائے (ص ۱۱۸)

ں کی جوانی ؟ غالباً عاشق کی جوانی ـــــــ مگر "جوانی" کا جلوۂ حسن سے معمور ہو جانا ہی عجیب سی بات ہے۔

جو لوگ بے کسی میں جہاں سے گزر گئے — گہرائیوں میں عشق و وفا کی اتر گئے (ص ۱۱۹)

اکہتر، بہتر، تہتر، چوہتر کے انداز کا کلام موزوں !

گھبرائیں گے ہم آپ کی زلفِ دوتا سے کیا — مانوس ہر بلا سے ہیں ہم اک بلا سے کیا (ص ۱۲۱)

بوب کی زلفوں کو دیکھ کر "گھبرا جانا" عجیب احساس و مشاہدہ اور تجربہ ہے !

نہیں ہے قدر تو تیری جفا کی دنیا میں — وفا تو اب بھی مروج کہیں کہیں ہوگی (ص ۱۲۲)

ماورہ نہیں تری تنگ بندی !

وہ بے نقاب رہیں یا چھپے چھپے سرِ عرش — پر اچھی شکل جہاں ہو گی دلنشیں ہوگی

شعر مجاز میں نہیں "حقیقت" میں ہے، اللہ تعالیٰ کو "اچھی شکل" کہنا کتنی چھوٹی اور گھٹیا بات ہے (سبحان اللہ عما یصفون)

انگڑائیوں نے تیری زبردستیاں وہ کیں — میں کیا تمام خلقِ خدا زیر ہو گئی (ص ۱۲۵)

حیرت ہے کہ جوش اور اس قدر بلند شعر !ـــــ

وہ صبحِ شبِ وصل چلتے ہوئے — یہ اندھیر سورج نکلتے ہوئے

کہہ سکتا ہے۔ اُس کے یہاں اس قدر ناپختہ، پست اور ناہموار اشعار بھی ملتے ہیں! ایسی بلندی! ایسی پستی!

یہ حال ہو گیا ہے تری راہِ شوق میں — سنبھلی ابھی طبیعت ابھی ڈھیر ہو گئی (ص ۱۲۵)

"طبیعت ڈھیر ہو گئی" اس ٹکڑے نے شعر کو "کچھ" بھی نہ بننے دیا۔

ہم اور آپ سے بالا ہے تری ذات وحید — کیا ہے سب نے تجھے انتخاب تو کے لئے (ص ۱۲۶)

شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسمی القاب و آداب مخاطبت (آپ اور جناب) سے بالاتر ہے، اس لئے سب لوگ اللہ تعالیٰ کو "تو" کہتے ہیں! مگر اس خیال کو ادا کن لفظوں میں کیا گیا ہے! پھر "ہم" تو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جا بجا قرآن میں استعمال فرمایا ہے (انعمنا ـــ کتبنا ـــ جعلنا ـــ اوحینا ـــ) "ہم" شعر میں لانے کی آخر کیا تک تھی۔

میں گردِ آسماں کی سرآنکھوں پہ کیوں نہ لوں — راہِ طلب میں مجھ کو ضرورت نشاں کی ہے (ص ۱۲۸)

یعنی؟ مفہوم؟ آسماں کی گرد کیا ہوتی ہے؟ آسماں کی گرد سر آنکھوں پہ لینے سے راہِ طلب کا نشان کس طرح مل جائے گا۔

لاکھوں ریاضِ خلد بنا کر بگاڑ دے — چٹکی میں جس کی خاک ترے آستاں کی ہے

کہنا یوں چاہیے تھا کہ جس کی چٹکی میں آستانِ دوست کی خاک ہے وہ چاہے تو ذروں کو لعل و گہر اور لوہے اور تانبے کو سونا بنا دے۔ مگر فرمایا یوں گیا ہے!

؎ لاکھوں ریاضِ خلد بنا کر بگاڑ دے

اس مصرعہ میں آستانِ دوست کی خاک کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔

اپنا نشاں نصیب نہ تیرا نشاں مجھے — پہونچا دیا جنونِ طلب نے کہاں مجھے (ص ۱۳۲)

مصرعہ ثانی کاش یوں ہوتا ؎ اپنا پتہ ملا نہ تمہارا نشاں مجھے

وہ عام از زماں سے بالا مرتبہ استاں کی ہے — کہ ہر نقرے پہ کرتا ہے جہاں کوئی جبیں کوئی (ص ۱۳۳)

غیر شاعرانہ اندازِ بیان!

بہت برا ہے گلہ اُن کی سرد مہری کا — مجھی کو راس نہ آئی فضا زمانے کی (ص ۱۳۶)

"بہت برا ہے" کا یہاں کیا محل تھا، مصرعہ اولیٰ یوں ہو سکتا تھا ـــ

میں شکوہ سنج نہیں اُن کی سرد مہری کا (یا کم نگاہی کا)

شبابِ حسن شگفتہ سے وہ اُٹ کے نقاب — ادا سکھا گئے غنچوں کو مسکرانے کی (ص ۱۳۷)

"روئے روشن یا رُخِ زیبا" کہنا چاہیے تھا مگر کہا گیا ہے "حسنِ شگفتہ"!

یارائے دید چھین لیا دل پہ چھا گئے — وہ جن کا ذکر خیر تھا وہ خود بھی آ گئے (ص ۱۴۱)

مصرعہ اولیٰ جتنا جاندار اور شگفتہ ہے، مصرعہ ثانی اتنا ہی پھس پھسا اور کمزور ہے۔

شاتی ہوئی صد بہار دو عالم — شاتی ہوئی ہر محن آ رہی ہے (ص ۱۴۲)

"محن" کو اس شعر میں بہ صورتِ واحد نظم کیا گیا ہے، حالانکہ "محن" "محنت" کی جمع ہے! اور "محنت" تکلیف اٹھانے اور مشقت گوارا کر

ہیں ۔

توٗنے ہر رُخ پہ کمند جہد یکسر پھینک دی　　تو نے جب چاہا باطل پہ الٹ کر پھینک دی　(ص ۱۸۸)

ہ جہد" کیا ہوتی ہے، پھر اُس کا "ہر رخ پہ پھینکنا" عجیب تر!

ملک گیری کا نشہ جن دشمنوں کے سر میں ہے　　بدرقہ اُن کا تری شمشیر صد پیکر میں ہے　(ص ۱۸۹)

ی صفت کہ وہ "دیو پیکر" اور فیل پیکر" ہوتا ہے سُنی اور کتابوں میں پڑھی تو ہے مگر شمشیر کی یہ تعریف کہ وہ "صد پیکر" ہوتی ہے پہلی بار نگاہ

ندگی اپھر "بدرقہ" کا استعمال اس شعر میں کس قدر بے محل اور غیر متعلق ہے ۔

لیکن اتنا جبر بھی اہلِ صحافت پر نہ ہو　　دیدۂ انصاف ٹھکرانے لگے جس جبر کو　(ص ۱۹۰)

ی تعبیر" اس قسم کا بھی ہے" بے پیروں سے نہیں "دیدۂ انصاف" سے ٹھکرایا جاتا ہے!

عادتِ ہمدردیٔ یک طرفہ کھونی چاہئے　　حکم نازہ پر نظر دوبارہ ہونی چاہئے　(ص ۱۹۱)

متقدیں" "پٹواریوں" اور تحصیل کے" چپراسیوں" کی زبان اور اندازِ گفتگو ہے!

اس کتاب میں غزلوں کے علاوہ چند نظمیں بھی ہیں، جناب شہاب دہلوی کے منتخب اشعار ہم شروع میں درج کر چکے ہیں۔ جن سے اُن

وی کے روشن رُخ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے! بعض شعروں میں تو "تغزل" اس طرح سمویا ہوا ہے جیسے گلاب میں رنگت اور خوشبو! کاش!

ا مجموعہ کلام، نظرثانی اور انتخاب کے بعد چھپواتے تو اتنے بہت سے جھاڑ جھنکار اس گُل کدے میں شاید نہ رہنے پاتے!

پاکستان ملز لمیٹڈ
حیدرآباد سندھ
جس میں
مضبوط دھاگہ اور پائیدار خوشنما کپڑا تیار
ہوتا ہے
آپ پاکستان کو اسی وقت خوش حال بنا سکتے ہیں
جب کہ آپ
پاکستان کی بنی ہوئی چیزیں خریدیں
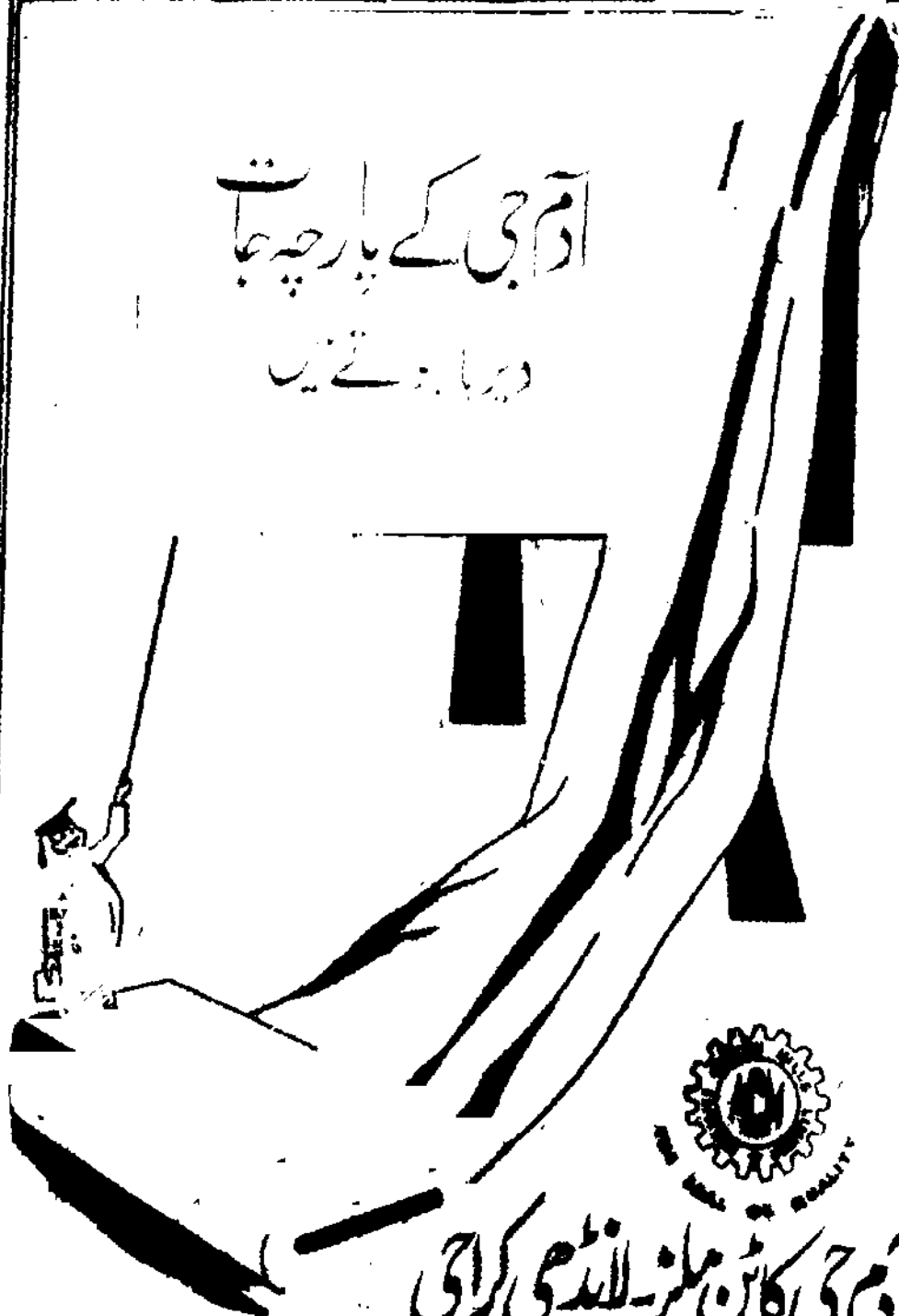
بڑے منصوبے برماشیل پر اعتماد کرتے ہیں

سوت اور اُون کی صنعت

جدید مشینری کے اخراجات کم کرنے اور اسے اوور ہال کرنیکے وقفوں کو بڑھانے کیلئے مخصوص اور موثر لبریکینٹس کا استعمال ضروری ہے۔

برماشیل کی ٹیکنیکل سروس کے عملے کو لبریکینٹس میں سالہا سال کا تجربہ ہے اور اسکے منظم لبریکیشن سروس کا واحد مقصد یہی ہے کہ آپکی مشینوں کو انتہائی کفایت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ عرصہ تک کام کرنیکے قابل بنایا جاسکے۔

برماشیل کے فراہم کردہ معیاری تیل ایندھن اور لبریکینٹس کے علاوہ صنعتی لبریکیشن کو بہتر سے بہتر بنانے میں شیل ریسرچ کی عالمی سرگرمیاں بھی پٹرولیم کی صنعت میں برماشیل کی قیادت کا ایک موثر ثبوت ہیں۔

ہمیشہ شیل لبریکینٹس استعمال کیجئے یہ دوسرے تمام لبریکینٹس سے بہتر ہیں۔

مزید معلومات برماشیل سے حاصل کیجئے۔

بلب اور پائپ